

خون کی پیاس

ایم اے راحت



نادر حیات صاحب نے فوری شہاب کو بلا کر اس سے درخواست لکھوائی تھی اور یہ درخواست دو مہینوں کی چھٹیوں کے لئے تھی...... شہاب حیرت سے چونک پڑا تھا، لیکن نادر حیات صاحب جو کچھ بولتے رہے تھے وہ خاموشی سے اسے کاغذ پر تحریر کرتا رہا تھا اور جب یہ درخواست ختم ہو گئی تو نادر حیات صاحب نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... لاؤ میں اسے منظور کر لوں۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے درخواست نادر حیات صاحب کے سامنے پیش کر دی تھی اور انہوں نے اس پر دستخط کر کے منظوری کا نوٹ لکھتے ہوئے ایک پیپر ویٹ کے نیچے دبا دیا تھا...... پھر وہ کہنے لگے۔ "کچھ پوچھو گے نہیں اس کے بارے میں۔"

"دلچسپ چیز ہے...... بتانا پسند فرمائیں تو بتا دیجئے گا۔"

"مکمل آرام کرو، ذہن کو ذرا بھی پراگندہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، پرسکون رہو، سمجھ رہے ہو نا۔"

"جی۔"

"بینا کے لئے بھی چھٹی کی درخواست بھجوا دینا میرے پاس۔"

"سر ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں بولو۔"

بینا تو اس وقت کچھ بھی نہیں کر رہی...... اصولی طور پر اسے سرکاری تنخواہ نہیں وصول کرنی چاہئے۔"

"جس وقت میں مناسب سمجھوں گا یہ بھی کر لوں گا...... زیادہ جذباتی ہونے کی

ضرورت نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے سر۔" شہاب نے جواب دیا تھا اور جب اس نے بینا کو یہ خوشخبری سنائی تو وہ پر مسرت لہجے میں بولی۔

"ہنی مون۔"

"کتنی بار یہ ہنی مون منائیں گی آپ۔"

"ارے ہم گئے ہی کہاں ہیں۔"

"تو پھر فرمائیے کہاں چلنا ہے۔"

"ابھی جاری کیا ہے، دیکھیں گے، سوچیں گے اس بارے میں ویسے ایک بات کہوں شہاب برا تو نہیں مانیں گے۔"

"سوچ لیجئے آپ...... اگر کوئی ایسی بات ہے جس پر برا مانا جا سکے تو بھلا اس کا موقع کیوں دیتی ہیں آپ مجھے اور اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں کسی ایسی بات کا برا نہیں مانوں گا تو کہنے میں دقت کیوں محسوس کر رہی ہیں۔" بینا ہنسنے لگی، پھر بولی۔

اصل میں وہ جو کہتے ہیں نا کہ چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں جاتا...... ڈیڈی کے ساتھ دفتر میں بیٹھ کر ان کے کیسز پر کام کر رہی تھی کہ درمیان میں ایک صاحب آ ٹپکے، سارا شیرازہ حیات ہی منتشر کر ڈالا...... ایک اچھی خاصی وکیل لڑکی آخرکار بیوی بن گئی، اب دیکھو نا انسان بیوی بن کر تو کچھ بھی نہیں رہتا...... کئی بار دل چاہا کہ ڈیڈی کے ساتھ مل کر ان کے مقدمات دیکھوں، ایک تپش سی ہے دل میں۔" شہاب نے ایک لمحے کے لئے بینا کا چہرہ دیکھا، پھر بولا۔

"ایک شرط پر اس کی اجازت مل سکتی ہے آپ کو۔"

"نہیں...... میں تو بس ایسے ہی کہہ رہی تھی۔"

"میں نے کہا نا، ایک شرط پر آپ کو اس کی اجازت مل سکتی ہے۔"

"چلئے شرط بھی بتا دیجئے گا۔"

"وہاں اس کمرے میں جہاں عدنان واسطی صاحب بیٹھتے ہیں، ایک میز اور لگنی چاہئے اور اس میز پر شہاب ثاقب کا قبضہ ہوگا...... یہ بات تو تمہارے علم میں ہے کہ ہم بھی سند یافتہ وکیل ہیں۔"

"ارے ارے...... کیا مذاق کر رہے ہیں آپ۔" بینا نے انتہائی مسرور لہجے میں کہا۔

"جی نہیں...... بالکل سچ کہہ رہے ہیں...... ابھی دو مہینے کی چھٹی ہے...... ہنی کا مطلب ہے شہد یعنی مٹھاس اور مون کا مطلب ہے چاند اور ہمارے ہاں شادی کے تقریباً ایک سال تک شوہر حضرات اپنی بیگمات کو تنہائی میں چاند یا چندا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں تو مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے لہجے کی شیرینی تو مٹھاس سے بھرپور ہے اور باقی جو کچھ آپ ہیں وہ آپ جانتی ہیں...... پھر کہیں باہر کے چکر میں کیوں پڑا جائے، بہتر یہ نہیں ہوگا کہ ہم عدنان واسطی صاحب کے ساتھ مل کر ان کے مقدمات نمٹائیں۔"

"خدا کی قسم شہاب میرے دل کی بات کہہ دی آپ نے، اگر واقعی سنجیدگی سے کہی ہے۔"

"ارے ارے، محترمہ! یہ آپ مجھے ہر وقت غیر سنجیدہ شخصیت کیوں قرار دینے کی کوشش کرتی ہیں۔"

"ڈیڈی کو فون کر رہی ہوں میں۔"

"نہیں بھئی، فون کر دیں گے وہ تکلف کا اظہار کریں گے...... آپ جائیے کل ایک میز ہونی چاہئے وہاں پر، یہ ایک داماد کے حقوق ہیں۔"

"میں جانتی ہوں۔"

"خدا حافظ۔" پھر تھوڑی دیر کے بعد بینا کار میں بیٹھ کر چلی گئی تھی اور شہاب مسکراتا رہا تھا...... نادر حیات صاحب نے اس کا ذہنی بخار کم کرنے کے لئے دو مہینے کی یہ چھٹی اس لئے منظور کی ہوگی کہ وہ سکون سے کسی پر فضا مقام پر بینا کے ساتھ وقت گزارے، لیکن اب اس بات کو کیا کہا جاتا کہ شہاب نے اپنی زندگی کا جو مشن ترتیب دیا تھا اس میں ان جذباتی کیفیات کا زیادہ دخل تھا جو ابتدا ہی سے اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھیں اور وہ ان سے کبھی چھٹکارا نہیں پا سکا تھا...... یہاں تک کہ اس نے کسی حد تک وہ منصب حاصل کر لیا تھا جس کے لئے اس کے باپ نے جان دی تھی اور اس انداز میں اس نے یہ منصب حاصل کیا تھا کہ آج نہ صرف وہ بلکہ وہ لوگ جو اس سے منسلک تھے پر عیش زندگی گزار رہے تھے، ایسے صاحب حیثیت لوگ جو اپنی دولت کو تجوریوں میں اس طرح محفوظ کر دیتے تھے کہ ان تجوریوں کے تالے زنگ آلود ہو جائیں، انہوں نے اپنی دولت کا بہت بڑا حصہ شہنشاہ کی

حیثیت سے شہاب کی نذر کیا تھا اور شہاب نے حسب توفیق اسے ضرورت مندوں تک پہنچایا تھا اور اب اس کی اس حیثیت کو بہر طور ہر حالت میں تسلیم کر لیا گیا تھا اور اسے بہت سے افراد جو قانون کو اپنی جیب میں رکھا کرتے تھے اب اس بات سے خوفزدہ تھے کہ بہر حال قانون سیدھی سڑک سے گزر کر نہیں بلکہ کسی پراسرار گوشے سے نکل کر ان کی گردن میں پھندا ڈال سکتا ہے اور یہی ثاقب صاحب کا مشن تھا، جس پر کچھ صاحب اقتدار حاوی آ گئے تھے، لیکن شہاب اب انہیں ان کا حق ادا کر رہا تھا، سو اب یوں ہوا کہ بینا نے عدنان واسطی صاحب کو شہاب کے مقصد کے بارے میں تفصیل بتائی، عدنان واسطی خود بھی ششدر رہ گئے تھے لیکن بہر حال وہ میز جو عدنان واسطی کے دفتر میں شہاب کے لئے لگائی گئی تھی، بے حد قیمتی، بہت خوبصورت اور سب سے زیادہ شاندار تھی، ہاں جب شہاب کو وہاں داخل ہونے کی اجازت دی گئی اور اس میز کے پیچھے پڑی کرسی پیش کی گئی تو شہاب نے کہا۔

"ہر کام حسب مراتب ہوگا...... اگر یہ نئی میز آ ہی گئی ہے تو یہ ہمارے استاد کا حق ہے، یعنی عدنان واسطی صاحب کا اور میری درخواست ہے کہ اس سلسلے میں کسی تکلف کے بغیر عمل کیا جائے...... آیئے، واسطی صاحب یہاں تشریف رکھیئے۔" پھر شہاب مسکرا کر بولا۔

"اور تم سمجھتی نہیں ہو بینا، واسطی صاحب تو اس نئی میز پر بیٹھ گئے اور ایک تجربے کار وکیل کہیں بھی بیٹھ جائے اپنے تجربے کی بنیاد پر ہر مسئلے کا حل تلاش کر سکتا ہے، لیکن میں جس کرسی اور میز پر بیٹھا ہوں وہاں سے لاکھوں مقدمات کئے گئے ہیں، گویا وہ مقدمہ میں نے مفت میں سمیٹ لیا اور باقی رہی محترمہ آپ، تو بیٹھئے اب آپ ایک کو نہیں دو افراد کو اسسٹ کر رہی ہیں۔" اتنی دیر میں اکرم نے چائے لا کر رکھ دی تھی، شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور چپڑاسی ہو تو اکرم جیسا۔" سب قہقہہ مار کر ہنسنے لگے تھے، بینا اپنی جگہ سے اُٹھی، اس نے چائے بنا کر عدنان واسطی اور شہاب کو پیش کی اور خود بھی ایک پیالی لے کر بیٹھ گئی، عدنان واسطی نے کہا۔

"کہنے کو تو بہت دل چاہتا ہے کہ نجانے کیا کیا کہوں، لیکن اچھا نہیں لگتا، بہت بڑی شخصیت ہمارے ساتھ موجود ہے۔"

"جی ہاں...... اب میں یہ تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر سکتا، کیونکہ ایک بہت بڑے وکیل کا داماد ہوں...... شخصیت تو بڑی ہونی ہی چاہئے میری۔" شہاب نے کہا اور عدنان

واسطی ہنسنے لگے اور پھر بولے۔

"میں تو صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ زندگی میں کوئی بہت بڑی نیکی کر ڈالی تھی، خدا کی قسم خود اندازہ نہیں ہے کہ کون سی نیکی تھی، جس کے صلے میں میرا بڑھاپا سنور گیا۔"

"اب جذباتی باتیں چھوڑیئے، دو مہینے کی چھٹی لی ہے ہم دونوں نے، آپ کے علم میں آ ہی گیا ہوگا...... ایسے تمام کیسز نکال لیجئے جو اس وقت آپ کے پاس موجود ہیں یا اگر کوئی ہمارے ذوق کی بات ہو، ہمارے سے مراد بینا اور میں ہوں تو براہ کرم اس کے بارے میں ہمیں کچھ بتایئے۔"

"اصل میں بینا کے پاس بہت عرصے سے تفصیلات موجود نہیں ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے بھی تھوڑی سی بے پروائی برت لی ہے، حالانکہ جو مقدمات میرے پاس آتے ہیں ان میں سے بڑا سوچ سمجھ کر کوئی مقدمہ لے لیتا ہوں، زیادہ کام کرنے کی سکت نہیں رہی ہے اب، پھر بھی کچھ فائل پیش خدمت ہیں۔" اور اس کے بعد عدنان واسطی نے جو فائل سامنے لا کر رکھیں...... شہاب اور بینا سارا دن ان پر مغز ماری کرتے رہے تھے۔ کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا جو کہ باعث غور ہوتا اور اس پر خاص طور سے کام کرنے کے بارے میں سوچا جاتا، لیکن پھر تیسرے دن ایک نئی صورت حال سامنے آ گئی تھی...... اکرم باہر کسی سے تیز تیز لہجے میں بات کر رہا تھا۔ بینا نے اکرم کو آواز دے ڈالی۔

"اکرم کیا بات ہے۔"

"آیئے جی، میں کب منع کر رہا ہوں آپ کو...... آ جایئے اندر مل لیجئے، اکرم نے کہا اور اپنے ساتھ ایک بزرگ اور لڑکی کو لے کر اندر آ گیا، آنے والا شخص بہت اچھی شخصیت کا مالک تھا، عمر تقریباً ساٹھ پینسٹھ سال کے لگ بھگ، بال سفید، چہرے پر شرافت برس رہی تھی، ساتھ میں ایک نوجوان لڑکی بھی تھی جس کو ایک نگاہ دیکھنے کے بعد ہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ شریف زادی ہے، گو برقعے میں ملبوس نہیں تھی، لیکن پورے وجود پر حیا کا لباس موجود تھا، یہی کیفیت آنکھوں کی بھی تھی...... شہاب، عدنان واسطی اور بینا ان دونوں کی شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے تھے...... عدنان واسطی نے اکرم کی طرف دیکھا، جو ان کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا...... پھر جلدی سے بولا۔" صاحب عجیب لوگ ہیں میں نے کہا نام پتا بتاؤ تو کہنے لگے ہمارا کوئی نام، کوئی پتا نہیں ہے...... بس واسطی صاحب سے ملنا چاہتے ہیں...... خود

ہی دروازہ کھول لیا اور اندر گھس آئے...... صاحب اگر یہ بی بی ساتھ نہ ہوتی تو" عدنان واسطی نے حیرت سے اکرم کو دیکھا اور بولے۔

"کیا بات ہے اکرم، کچھ پاگل ہوگئے ہو کیا، اگر یہ بی بی ساتھ نہ ہوتی تو تم کیا کرتے۔"

"نن...... نہیں صاحب، میرا مطلب تو یہ ہے کہ، کہ اجازت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔"

"اگر کوئی ایسی بات ہے تو غلطی میری ہے، آپ براہ کرم یہاں تشریف رکھئے جناب، اگر اس شخص نے آپ کے ساتھ کوئی بدتمیزی کی ہے تو میں ہاتھ جوڑ کر آپ سے معافی کا خواستگار ہوں...... شاید کچھ کوتاہی مجھ سے ہی ہوگئی ہے، حالانکہ آج تک اس دروازے سے اندر قدم رکھنے والے کے لئے میں نے کبھی کوئی شرط نہیں لگائی...... آپ اس بے وقوف سے پوچھ سکتے ہیں...... اکرم تم نے اپنے بارے میں مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"نہیں صاحب جی...... اصل میں وہ، ہماری غلطی ہوگئی صاحب جی۔"

"دروازے سے کوئی اندر آنے کی کوشش کرے یا آنا چاہے تو تمہیں صرف اس کے لئے دروازہ کھولنا ہے اس بات کا خیال رکھنا۔"

"جناب میں ایک دفعہ پھر آپ سے معافی چاہتا ہوں۔"

"آنے والے نے کوئی جواب نہیں دیا...... بس خاموش نگاہوں سے واسطی صاحب کو دیکھتا رہا...... لڑکی بھی گردن جھکائے بیٹھی ہوئی تھی...... شہاب اور بینا ہمدردانہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے...... عمر رسیدہ شخص کے چہرے سے جن کیفیات کا اظہار ہو رہا تھا وہ ان لوگوں کے لئے اجنبی نہیں تھی، مصیبت میں گرفتار لوگ اسی طرح اپنی شخصیت کھو بیٹھتے ہیں...... اکرم باہر چلا گیا تو عدنان واسطی نے کہا۔

"آپ لوگ چائے پینا پسند کریں گے یا کوئی ٹھنڈی چیز۔" عمر رسیدہ شخص نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"آپ نے پوچھ لیا ہے تو اگر ایک گلاس پانی مل جائے تو میں شکریہ ادا کروں گا۔" اس سے پہلے کہ عدنان واسطی صاحب اکرم کو بلانے کے لئے بیل بجاتے بینا اپنی جگہ سے اُٹھ گئی تھی، ایک طرف رکھے ہوئے فریج سے اس نے پانی کی بوتل نکالی، گلاس اٹھائے اور پھر گلاس میں پانی بھر کر نووارد کو پیش کیا، جسے اس نے شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا...... بینا بوتل لئے وہیں کھڑی رہی تھی۔ عدنان واسطی محبت بھری نگاہوں سے بیٹی کو دیکھ رہے تھے اور خود

شہاب کے چہرے پر مسکراہٹ تھی...... بینا نے لڑکی سے پانی کے بارے میں پوچھا تو اس نے بھی گردن ہلادی تھی...... پھر بینا بوتل میز پر رکھ کر اپنی میز پر بیٹھ گئی اور س شخص نے کہا۔

"میرا نام رضا حسین ہے اور یہ میری بیٹی فاطمہ رضا ہے۔"

"جی...... ہمارا بورڈ تو آپ نے باہر پڑھ ہی لیا ہوگا۔"

"جی ہاں...... وہ اصل میں کچھ مشکلات میں گرفتار ہوں، ایسے ہی عدالت میں کچھ لوگوں کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی تو ایک شخص نے آپ کی طرف اشارہ کر کے کچھ الفاظ کہے، میں قریب ہی موجود تھا میں نے وہ الفاظ سن لئے۔"

"اچھا...... کون شخص تھا وہ اور الفاظ کیا تھے۔"

"وکیل صاحب ہی تھے، لیکن ان کے الفاظ کچھ یوں تھے کہ عدنان واسطی صاحب اس وقت مسیحائے ثانی بنے ہوئے ہیں، کوئی کیس ہاتھ میں لے لیں تو اس کی ناکامی کا کوئی امکان نہیں رہتا، ویسے اس عمر میں جا کر کسی کی اس طرح لاٹری نکل آئے تو بڑی بات ہوتی ہے...... اس پر کسی دوسرے وکیل صاحب نے اپنے ترش لہجے میں ان پہلے صاحب سے کہا کہ کسی کی بدخواہی چاہنے والے ہمیشہ اسی کرب کا شکار رہتے ہیں...... عدنان واسطی کے پاس پوری عمر کا تجربہ ہے اور صحیح معنوں میں وہ اس تجربے کو بروئے کار لا رہے ہیں...... شریف آدمی ہیں، اس لئے زندگی میں کبھی بدمعاملگی سے کام نہیں لیا، اب اگر تم انہیں کچھ کہنا چاہتے ہو تو یہ تمہاری اپنی مرضی ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں یہ لاٹری نہیں ہے...... ان لوگوں میں خاصی دیر بحث ہوتی رہی اور جناب میں سنتا رہا، پھر بڑی مشکل سے میں نے آپ کا پتا معلوم کیا، یہ تو میں جانتا ہوں کہ بہت بڑے وکیلوں کی بہت بڑی فیس ہوتی ہے لیکن الفاظ کچھ ایسے تھے جن سے میری ہمت بندھی اور میں اپنی اس مظلوم بچی کو لے کر آپ کے پاس آگیا...... یہ ایک برا عمل ہے جناب کہ ایک باپ بیٹی کو لے کر اپنی سفارش بن کر آئے، لیکن بعض اوقات وقت نجانے انسان سے کیا کیا برائیاں کروالیتا ہے...... میں آپ سے پہلے معافی مانگنا چاہتا ہوں کہ آپ جیسے بڑے وکیل کے سامنے میں نے آنے کی جرات کی۔"

"آپ کہہ چکے رضا صاحب۔" عدنان واسطی نے کہا۔

"نہیں دل میں تو بہت کچھ ہے، لیکن کیا کیا کہوں گا، بہتر ہے آپ کا زیادہ وقت ضائع نہ ہو۔"

"جواب میں صرف ایک لفظ کہوں گا میں، انسان ہوں اور اللہ سے ہمیشہ یہ دعائیں مانگتا رہتا ہوں کہ انسان ہی رہوں...... ان لوگوں کی بات چھوڑ دیجئے، جن کو اللہ اگر نواز دیتا ہے اور وہ دنیا کے سامنے بڑے نیکوکار کی حیثیت سے روشناس ہو جاتے ہیں لیکن اپنے اندر کی اصلیت کبھی نہ کبھی ابھر ہی آتی ہے اور کچھ سے کچھ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، بہر حال آپ بے فکر ہو کر مجھے بتایئے کہ آپ کی مشکل کیا ہے؟"

"ایک منٹ جناب...... میں آپ کو متاثر کرنے کی کوشش نہیں کر رہا، دو باتیں ہیں جن کے لئے آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں پہلے ان کی تکمیل کر لوں۔"

"کیجئے کیجئے۔" عدنان واسطی نے کہا اور رضا حسین صاحب نے جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کی تین یا چار گڈیاں نکالیں اور انہیں عدنان واسطی کے سامنے بڑے عاجزانہ انداز میں پیش کر دیا، سو سو کے کئی نوٹ تھے، کچھ پچاس پچاس کے تھے، دس دس اور پانچ پانچ کے نوٹ بھی تھے، ایک گڈی میں ایک ایک روپے کے اور دو دو روپوں کی بھی خاصی تعداد تھی اور رضا حسین کی آنسو بھری آواز اُبھری۔

"یہ تیرہ ہزار ایک سو اٹھائیس روپے ہیں بس، اپنے تمام تر وسائل سے کام لے کر بس اتنے ہی پیسے اکٹھے کر سکا ہوں، میں جانتا ہوں کہ اگر میں یہ آپ کو فیس کی حیثیت سے پیش کروں تو اصولی طور پر دھکے مار دینے کے قابل ہوں، لیکن خدارا ایسا نہ کیجئے اس سے زیادہ کر نہیں سکا۔" اس کی آواز لرز گئی...... بینا اور شہاب گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے، لڑکی کی گردن بدستور جھکی ہوئی تھی اور رضا حسین نے اپنے لہجے پر قابو پانے کے بعد کہا۔

"اس بچی کی عمر سترہ سال ہے، ایف اے کی طالبہ ہے...... سیکنڈ ایئر میں پڑھ رہی تھی...... امتحان نہیں دے سکی ہے، کیونکہ ہم ایک بدترین عتاب کا شکار ہو گئے ہیں، ساتھ اس لئے لے آیا ہوں کہ اگر میں اپنی وکالت آپ کے سامنے کرنے میں ناکام رہوں تو شاید اس کے آنسو آپ کو متاثر کر لیں، بس یہ آرزو لے کر آیا ہوں کہ آپ کا ہاتھ اس بچی کے سر پر آ جائے اور اسے اس کا بھائی واپس مل جائے تاکہ یہ بھی آبرو سے اپنی زندگی کا مقصد حاصل کر سکے، ورنہ ہمارا کوئی نہیں ہے اس دنیا میں۔" عدنان واسطی صاحب نے چہرے پر دونوں ہاتھ رکھ لئے تھے، کچھ لمحے وہ چہرہ مسلتے رہے، پھر بولے۔

"آپ نے بہت سی گالیاں دے ڈالی ہیں مجھے رضا حسین صاحب، حالانکہ میں ابھی

تک بے قصور ہوں، لیکن خیر، مہمانوں کی گالیاں بھی برداشت کرنا پڑتی ہیں۔" اور رضا حسین ان الفاظ پر چونک پڑا، حالانکہ اپنے الفاظ کی ادائیگی کے بعد اس پر غم واندوہ کی سخت کیفیت طاری ہو گئی تھی، لیکن عدنان واسطی کے جملوں نے اسے چونکا دیا اور وہ ششدر لہجے میں بولا۔

"گالیاں۔"

"جب میرے اور آپ کے درمیان معاوضے کی کوئی بات نہیں ہوئی، جب میں نے آپ کے کیس کو لینے سے انکار کا شبہ بھی ظاہر نہیں کیا نہ تو اس معاوضے کی کوئی ضرورت تھی اور نہ ہی اس بچی کے بارے میں کچھ کہنے کی، ادھر دیکھ رہے ہیں آپ۔" عدنان واسطی نے بینا کی طرف اشارہ کیا اور رضا حسین کی گردن بینا کی جانب اُٹھ گئی، عدنان واسطی نے کہا۔

"وہ میری بیٹی ہے...... اکلوتی بیٹی...... سمجھ رہے ہیں نا آپ اور بس اتنا اندازہ لگا لیجئے آپ کہ ایک بیٹی کا باپ بہت سے رموز سے آشنا ہوتا ہے...... وہ جانتا ہے کہ سینے کے اندر بیٹیوں کا کیا مقام ہوتا ہے...... براہ کرم جذبات کے اس دھارے پر اتنی برق رفتاری سے بہنے کی بجائے آپ مجھے یہ بتایئے کہ معاملہ کیا ہے۔"

"خدا آپ کو خوش رکھے۔" رضا حسین نے کہا اور پھر بولے۔ "ہمارا خاندان چار افراد پر مشتمل ہے...... میں، میری بیوی، یہ بیٹی جس کا نام فاطمہ ہے اور ایک بیٹا ہے میرا جو فیصل رضا کے نام سے جانا جاتا ہے...... میں زندگی بھر ملازمت کرتا رہا ہوں نہ ہی میں نہ ہی میرے والد نہ ہی میرے دادا ہم میں سے کوئی دولت مند آدمی نہیں رہا ہے، درمیانے درجے کے ملازم پیشہ لوگ تھے اور زمانے کے لحاظ سے نوکریاں کرتے چلے آئے تھے، تھوڑا سا تعلیم کا رواج بے شک رہا اور حسب اوقات میرے دادا نے میرے والد کو میرے والد نے مجھے اور میں نے اپنے بیٹے فیصل کو تعلیم دلائی۔ اصل میں کچھ حقیقتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں اگر نظر انداز کر دیا جائے تو مستقبل بڑا بھیانک ہو جاتا ہے...... میں تھوڑی سی تنخواہ حاصل کرتا تھا، گھر کے مسائل پس پشت ڈال دیئے تھے، اگر برتن ٹوٹے ہوتے تو ٹوٹے برتنوں میں ہی کھانا کھا لیا جاتا، اس وقت تک جب تک کہ وہ ناقابل استعمال نہ ہو جاتے، لیکن میں اور میری بیوی نے اپنے بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کی کوششوں میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی، فیصل رضا نے جب میٹرک کیا تو مجھے کہنے لگا کہ ابو اگر آپ اجازت دیں تو میرے ایک

دوست کے والد ایک ٹیکسٹائل مل میں لیبر آفیسر ہیں، وہ مجھے ٹائم کیپر کی ملازمت دلا سکتے ہیں...... میرے دوست نے اپنے والد سے ہمارے حالات کے بارے میں کہا تھا تو انہوں نے کہا کہ فیصل کو اب ملازمت کر لینی چاہئے...... جواب میں میں نے اس معصوم کے رخسار پر ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا تھا اور سخت لہجے میں کہا تھا کہ جب تک میں اس سے نہ کہوں دوبارہ مجھ سے ملازمت کی بات نہ کرے...... سو اس نے ایسا ہی کیا اور وکیل صاحب ایم ایس سی کر لیا اس نے، ایم ایس سی کرنے کے بعد وہ میرے سامنے آکھڑا ہوا اور مجھ سے بولا کہ ابو اب کیا کروں...... میں نے ہنس کر اسے گلے سے لگا لیا اور کہا کہ بیٹے اب نوکری تلاش کرو...... وقت ہمیں اس سے آگے کی کوئی اجازت نہیں دیتا اور وکیل صاحب میرا بچہ نوکری کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا، گزرنے والے وقت کے ساتھ ساتھ ملازمت کے حصول کے معاملات جس قدر مشکل ہو گئے وہ آپ کے علم میں بھی ہیں...... بہر حال وہ کوششیں کرتا رہا، یہاں تک کہ اسے ایک ٹرانسپورٹ کمپنی میں اسسٹنٹ منیجر کی ملازمت مل گئی۔ اس کمپنی کے مالک امجد فضل خان ہیں...... یہ ابتدائی حصہ ہے میری اس داستان کا، بیٹی ایک گلاس پانی پلا دو۔"

"میں لاتی ہوں ابو۔" اچانک ہی فاطمہ اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ پھر اس نے بوتل اور گلاس اٹھایا اور پھر پانی باپ کو پیش کیا اور رضا حسین نے پانی کا گلاس سینے میں اتارتے ہوئے کہا۔

"فیصل کو نوکری مل گئی، خوشیوں کا جو طوفان میرے چھوٹے سے گھر میں آیا، نجانے اسے کس کی نظر لگ گئی۔ بات اس سے کچھ آگے ہے...... کاش میں آپ کو بذات خود یہ سنانے پر مجبور نہ ہوتا، لیکن بہر حال مجبوریاں تو نجانے کیا کیا کچھ کروا دیتی ہیں...... شہاب، عدنان واسطی اور بینا سرد نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے...... اس میں کوئی شک نہیں کہ ان پر پڑنے والی پہلی نگاہ نے اس بات کا اندازہ انہیں کرا دیا تھا کہ لوگ شریف معلوم ہوتے ہیں، لیکن زندگی کے تلخ ترین تجربات انسان کو بہت سنگدل بنا دیتے ہیں، برے سے برے حالات میں وہ اگر اپنی کامیابیوں کا خواہش مند ہوتا ہے تو بالغ نظری سے کام لیتا ہے...... اس دور کے انسان چہروں کو تبدیل کرنے میں مہارت رکھتے ہیں اور اس مہارت ہی کو صحیح سمجھنے والا اس دنیا سے نپٹ سکتا ہے، ورنہ دُنیا گزارنا بے حد مشکل کام ہے، چنانچہ ابتدائی تاثر کے بعد اپنے آپ کو سنبھال کر حقیقتوں سے روشناسی بھی ضروری تھی، چنانچہ یہ لوگ گہری نگاہوں سے ان دونوں کا جائزہ لے رہے تھے، اب تک کی کیفیتیں تو صرف انسانی

مسئلہ تھیں لیکن اس کے بعد جو حقیقتیں سامنے آنے والی تھیں اس میں یقیناً کوئی مد مقابل بھی ہوگا اور مد مقابل کے ساتھ کیا ہوا ہے اس کی تفصیل تو اب سامنے آنے والی تھی، چنانچہ عدنان واسطی صاحب نے اپنے کام کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھئے جناب...... کیا نام بتایا آپ نے اپنا۔"

"رضا حسین۔"

"رضا حسین صاحب کسی بھی مسئلے میں انسان جذباتی کیفیتوں کا شکار بے شک ہو جاتا ہے، لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ جب ہم اصل گفتگو پر آتے ہیں تو تھوڑی دیر کے لئے ہمیں جذبات کو اپنے آپ سے دور رکھنا ہوتا ہے...... اس سے حقیقتوں کو سمجھنے میں آسانی حاصل ہو جاتی ہے...... آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہوں گے، میں آپ سے ہمدردی بھی رکھتا ہوں اور آپ کو یہ یقین بھی دلاتا ہوں کہ یہ جو کچھ آپ جمع کر کے لائے ہیں، یہ میرے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اس کی ظاہری شکل سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے جو کچھ بھی کیا ہے بہت مشکل سے کیا ہے، لیکن اتنا میں آپ کو یقین دلائے دیتا ہوں کہ اگر معاملہ بنیادی طور پر آپ کی مظلومیت کا ہے تو میں بھی اسی دنیا کا انسان ہوں اور یہ جو میرے بچے بیٹھے ہوئے ہیں ان میں سے بھی کوئی ایسا نہیں ہے جو صرف لالچ کو اولیت دیتا ہو، اگر آپ چاہیں تو یہ رقم ابھی اور اسی وقت واپس اپنی جیب میں رکھ سکتے ہیں اور اگر اسے کوئی اہمیت نہ دینا چاہیں تو آپ انہیں ایک جانب سرکا دیجئے اور مجھے تمام تر تفصیلات سے آگاہ کیجئے۔" شہاب اور بینا کے چہرے سے ان الفاظ کو سننے کے بعد یہ احساس ہوتا تھا کہ جو گفتگو عدنان واسطی صاحب نے کی ہے وہ ان کی پسند کے مطابق ہی ہے، دونوں ہی مطمئن نظر آ رہے تھے...... لڑکی نے ابھی تک اپنے چہرے سے کسی کیفیت کا اظہار نہیں کیا تھا، لیکن اس کی غم و اندوہ میں ڈوبی ہوئی نگاہیں بتاتی تھیں کہ بہر حال وہ اپنے باپ کے ساتھ صرف اس لئے آئی ہے کہ بوڑھے کو سپورٹ دے سکے اور کسی بھی غمزدہ کیفیت میں اسے سنبھال سکے اور رضا حسین نے کہا۔

"میرا بیٹا فیصل رضا قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا ہے...... اس پر اپنے مالک کی بھتیجی رمشہ عدیل پر قاتلانہ حملہ کر کے اسے قتل کر دینے کا الزام عائد کیا گیا ہے اور اس قتل کے الزام میں وہ گرفتار ہے...... وکیل صاحب ہمارا گھرانہ ان چار افراد پر مشتمل ہے، میں ملازمت کرتا تھا اور اپنے بچوں کو زندگی کی جو سہولتیں فراہم کر سکتا تھا میں نے کر دی

تھیں...... فیصل رضا میری عمارت کا وہ ستون تھا جس پر اس گھر کی پوری عمارت قائم تھی۔ یہ میری بیٹی ہے، غیر شادی شدہ ہے ابھی، ایک اور شہر میں رہنے والے ایک خاندان کے لڑکے سے اس کی منگنی ہوگئی ہے اور ہم نے ان لوگوں سے اس قدر مہلت طلب کر لی ہے کہ اپنے حالات سنبھالنے کے بعد ہم اس کی وہاں شادی کر دیں گے، جو واقعہ ہوا ہے ابھی تک ہم نے ان لوگوں کو اس کی ہوا نہیں لگنے دی ہے، خیر یہ مسئلہ بالکل مختلف ہے...... میرے بیٹے کی زندگی بنیادی طور پر ان تمام معاملات پر حاوی ہے...... وکیل صاحب صرف اتنا عرض کر سکتا ہوں میں، ماں باپ تو کبھی اپنی اولاد کو برا نہیں سمجھتے لیکن فی زمانہ اولاد اس قدر نافرمان ہو چکی ہے اور اخبارات میں جس طرح عاق نامے چھپتے ہیں، آپ یہ سمجھ لیجئے کہ اس سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ والدین نے اولاد کی نالائقی کو محسوس کر کے صرف صبر کرنے کا فیصلہ نہیں کر لیا ہے، بلکہ وہ اولاد کو سزائیں بھی دینے لگے ہیں...... میں اپنے بیٹے کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ انتہائی فرماں بردار اور نفیس طبیعت کا نوجوان ہے...... اس نے وہ نہیں کیا جو الزام اس پر لگایا گیا ہے...... اس کے پس پردہ کوئی اور ہی بات ہے وکیل صاحب، میں تو ایک سیدھا سادا انسان ہوں، جہاں نوکری کرتا ہوں وہاں سے آپ میری زندگی کا ریکارڈ حاصل کر سکتے ہیں...... وکیل صاحب ایسا ہی ریکارڈ میرے بیٹے کا بھی ہے، ابھی اس بدنصیب نے زندگی کے ماہ و سال کا آغاز ہی کیا تھا کہ نجانے اسے کس کی نظر کھا گئی۔ وکیل صاحب میں بات کو ضرورت سے زیادہ طول دے رہا ہوں، خدا کے لئے میری مدد کیجئے...... میں صاحب حیثیت آدمی نہیں ہوں، بڑا پریشان ہوں میں، عجیب و غریب حالات کا شکار ہوں...... صرف خدا کو سہارا بنا کر یہ بات کہہ سکتا ہوں آپ سے کہ اگر فیصل اتنا ہی برا انسان ہوتا تو شاید میں شرمساری کی بنا پر آپ کے پاس اس کے لئے نہ آتا، وہ بے گناہ ہے، وہ یقیناً بے گناہ ہے، بس اس کی بے گناہی ثابت کر دی جائے، یہ بتا دیا جائے کہ اس نے وہ سب کچھ نہیں کیا جو اس کے نام سے منسوب کیا گیا ہے تو، تو، تو۔" اور اس کے بعد رضا حسین کی آواز ان کا ساتھ نہ دے سکی وہ زار و قطار رونے لگا تھا...... بہر حال یہ انسانی فطرت ہے کہ انسان کے آنسو ہر انسان کو متاثر کرتے ہیں، جن کے سینے میں دل پتھرا نہیں گئے ہوتے...... عدنان واسطی صاحب، بینا اور شہاب ایک ایسے بے بس انسان کے آنسوؤں اور اس کی رقت بھری سسکیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے تھے...... عدنان واسطی خود اپنی جگہ سے اُٹھے اور رضا حسین کے پاس

پہنچ کر ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں رضا حسین صاحب آپ میرے پاس تشریف لائے ہیں، بڑے قابل عزت ہیں آپ میرے لئے، مرد کی آنکھوں میں آنسو نہیں آنے چاہئیں...... آپ دیکھئے آپ کی بچی آپ کے ساتھ ہے، اس نے شاید ابھی دنیا میں بہت زیادہ...... نہیں دیکھا ہے...... آپ اسے اس قدر غمزدہ نہ کیجئے...... اس نے اپنے آپ کو سنبھالا ہوا ہے، یہ بہت بڑی بات ہے...... سنئے اپنے آپ کو سنبھالئے، مجھے ساری تفصیلات بتائیے...... بیٹے تمہارا نام کیا بتایا، شاید بتایا ہی نہیں ہے یا پھر میں بھول گیا۔"

"میرا نام فاطمہ ہے، فاطمہ رضا۔" لڑکی کی سسکی بھری آواز اُبھری۔

"نہیں سنبھالئے فاطمہ، ان سے کہئے کہ اپنے ایمان کو قائم رکھیں...... انسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاکھوں ہدایات ہیں...... اگر یقین کامل ہوتا ہے اور بات سچائی کی ہوتی ہے تو اللہ اپنے بندوں کو مایوسی کے بھنور میں نہیں رہنے دیتا...... انسان انسان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا جب تک حکم ایزدی نہ ہو...... آپ انہیں سنبھالیئے، جہاں تک آپ کے مسئلے میں میری مدد کا تعلق ہے تو جب میں اللہ کے احکامات کی بات کرتا ہوں تو آپ یوں سمجھ لیجئے کہ مکاری سے کام نہ لیتے ہوئے میں رقم کو درمیان میں نہیں لاؤں گا...... فرائض ہر شخص پر عائد ہوتے ہیں، مجھ پر بھی ہیں...... میں بھی اپنی بساط بھر یہ فرائض پورے کرنے کی کوشش کروں گا...... سنبھالیئے بی بی انہیں، اس طرح سے بات نہیں بن سکے گی۔"

"ابو خدا کے لئے آپ سنبھالئے تو سہی اپنے آپ کو ذرا سی تفصیل تو بتا دیجئے وکیل صاحب کو، ان کے الفاظ بڑے امید افزا ہیں ابو، وکیل صاحب ہماری مدد کرنے کے لئے تیار ہیں...... ابو شاید قدرت کو ہماری بہتری منظور ہے...... ابو خدا کے لئے اپنے آپ کو سنبھالئے۔" بینا اور شہاب کے دل خون ہو رہے تھے، جذباتی مناظر سے کون متاثر نہیں ہوتا اور جہاں دلوں میں اتنی سختی آ جاتی ہے کہ ایسی کسی کیفیت سے متاثر نہ ہو تو یہ سمجھ لیا جانا زیادہ بہتر ہوتا ہے کہ انسان انسانیت کی حدود سے گزر چکا ہے، بمشکل تمام حالات کسی حد تک بہتری میں شامل ہوئے اور رضا حسین نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔

"تھوڑے دن قبل کی بات ہے میرا بیٹا جو ملازمت کی تلاش میں سرگرداں تھا...... ایک بڑی ٹرانسپورٹ کمپنی میں ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا...... اس ٹرانسپورٹ

کمپنی کے مالک ایک بہت بڑے آدمی ہیں...... ان کا نام امجد فضل خان ہے۔ فیصل ا[ر] ٹرانسپورٹ کمپنی میں منیجر کے عہدے پر فائز ہو گیا تھا، تنخواہ بھی معقول رکھی گئی تھی، لیکن بس یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ ابھی آغاز ہی ہوا تھا کہ انجام سامنے آ گیا۔ امجد فضل خان کی بھتیجی رمشہ خان اس سے متاثر ہو گئی تھی یا پھر یہ صرف ایک کہانی ہے جو بنائی گئی ہے، اللہ بہتر جانتا ہے...... اصل مسئلہ کیا ہوا ہے...... بس آپ یوں سمجھ لیجئے وکیل صاحب رمشہ قتل کر دی گئی اور قتل کا الزام میرے بیٹے پر لگا دیا گیا...... وہ گرفتار کر لیا گیا ہے، اس پر قتل کا مقدمہ قائم ہو گیا ہے۔ وہ قاتل نہیں ہے وکیل صاحب، وہ بچہ کسی بھی صورت میں ذہنی ہیجان کا شکار نہیں ہو سکتا...... ارے ہم نے تو بڑے مشکل حالات میں زندگی گزاری ہے...... ذرا اس کا ماضی دیکھ لیا جائے۔"

"ایک منٹ...... ایک منٹ...... بات میری سمجھ میں آ گئی ہے اور رضا حسین صاحب تمام جذباتی کیفیات کو بالائے طاق رکھ کر آپ مجھے صرف یہ بتائیے کہ یہ واقعہ کب کا ہے، جو سوالات میں آپ سے کر رہا ہوں، بی بی آپ بھی اس میں مدد کریں۔"

"تقریباً سوا دو مہینے ہو گئے۔"

"اچھا...... گویا عدالت میں چالان پیش کر دیا گیا ہے۔"

"ہاں، دو پیشیاں ہو چکی ہیں۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"آپ بتا سکتی ہیں کہ ان لوگوں کی طرف سے، میرا مطلب ہے امجد فضل خان کی طرف سے وکیل کون ہے۔"

"ان کا نام مرزا جواد بیگ ہے۔" بینا نے معمولات کے مطابق بیڈ پر تمام تفصیلات لکھنا شروع کر دی تھیں...... ابتداءاً بھی ایسے ہی ہوا کرتی تھی...... عدنان واسطی صاحب نے کہا۔

"مقتولہ کا نام رمشہ خان ہے۔"

"جی۔"

"اور مرزا جواد بیگ امجد فضل خان کی جانب سے یہ کیس لڑ رہے ہیں۔"

"جی۔"

"آپ کا وکیل کون ہے۔" عدنان واسطی صاحب نے سوال کیا تو رضا حسین صاحب نے سر جھکا دیا۔

"آپ وکیل نہیں کر سکے۔"

"بات ہوئی تھی ایک وکیل صاحب سے، نام لینا بیکار ہے کوئی فائدہ نہیں، جو کچھ میرے پاس تھا ان کی خدمت میں پیش کر دیا...... دوسری پیشی پر پھر رقم مانگی...... تھوڑے سے پیسے مزید ادا کئے لیکن وہ خوش نہ ہوئے اور انہوں نے کہا کہ وہ یہ کیس نہیں لے سکتے...... ان کا معاوضہ ان کی پسند کے مطابق ادا کیا جائے...... ہم لوگ قسمت پر شاکر ہونے کی کوشش کرتے رہے، لیکن بدنصیب انسان عجیب الجھنوں میں زندگی گزار رہا ہے...... بات کچھ عجیب سی ہو جاتی ہے، ہمیں مجبور کیا گیا کہ ہم کوئی وکیل کریں، پھر کچھ لوگوں سے ایک مذاق بھری گفتگو سننے کو ملی...... میرے ہی بارے میں تھی اور میرے وکیل صاحب نے طنزیہ انداز میں کہا تھا کہ اگر کوئی خیراتی وکیل چاہئے تو عدنان واسطی صاحب موجود ہیں...... آپ اتفاق سے اس وقت کورٹ سے باہر نکل رہے تھے...... میں نے ان لوگوں کے اشارے پر آپ کی جانب دیکھا...... پھر آپ کا یہاں تک پیچھا کیا اور آپ کا آفس دیکھ کر چلا گیا...... گھر میں میں نے اپنی بیوی اور بیٹی سے بات کی تو فاطمہ نے کہا کہ ابو لوگ کسی ایسے شخص کا مذاق اڑاتے ہیں تو کبھی کبھی وہ کوئی بہت بڑی شخصیت بھی نکل آتی ہے...... ہم لوگ جو کچھ بھی کر سکتے ہیں کر کے دیکھ لو لیں، ہو سکتا ہے کہیں تقدیر ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائے...... وکیل صاحب آپ کو متاثر کرنے کے لئے یہ سب کچھ نہیں کہہ رہا، بس یوں سمجھ لیجئے کہ جو ہمارے پاس ہے اس کے علاوہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے...... وکیل صاحب اسے قبول کر لیجئے، بڑی معمولی سی رقم ہے، لیکن ہم اور کچھ نہیں کر سکیں گے، کسی شکل میں نہیں کر سکیں گے، کم از کم ایک سہارا تو حاصل ہو جائے گا ہمیں۔" اور رضا حسین کی آواز پھر آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

"پہلا عمل آپ یہ کیجئے رضا حسین صاحب کہ اپنے آپ کو مکمل طور پر سنبھال لیجئے...... جب ایک اعتماد کے ساتھ یہاں تک آئے ہیں تو اس اعتماد کو برقرار رکھیں اور بات کریں، جذباتی نہ ہوں، جب کوئی مشکل پڑتی ہے تو اس کا مقابلہ بھی کرنا پڑتا ہے...... آپ کی تسلی کے لئے پہلی بات تو یہ میں آپ کو عرض کر دوں کہ آپ کا کیس میں نے لے لیا ہے...... ابھی یکطرفہ کہانی سنی ہے...... ہم لوگ اس سلسلے میں کام کریں گے جہاں تک ان تھوڑے سے پیسوں کا معاملہ ہے...... آپ اس سلسلے میں بالکل غور نہ کیجئے، بعد میں ہم آپ کو

بتائیں گے کہ ہمیں آپ سے کیا معاوضہ قبول کرنا ہے اور جو بھی معاوضہ ہم آپ سے مانگیں گے وہ آپ کی استطاعت کے اندر ہوگا، اس لئے آپ بالکل فکر نہ کیجئے...... علاقے کے تھانہ انچارج کا کیا نام ہے، میرا مطلب ہے یہ کیس کون سے تھانے میں رجسٹرڈ ہے۔"

"تھانہ فیض آباد میں اور اتفاق سے تھانہ انچارج کا نام بھی انسپکٹر فیض احمد ہے۔"

"ہوں...... ٹھیک...... آپ کا اپنا تفصیلی پتا۔" عدنان واسطی صاحب نے پوچھا اور اس کے بعد رضا حسین عدنان واسطی کو مکمل تفصیلات بتانے لگا...... تمام تاریخیں وغیرہ بتانے کے بعد اس نے کہا۔

"آئندہ پیشی بیس تاریخ کو ہے، وکیل صاحب، کیا آپ اس پیشی میں شریک ہوں گے۔"

"میں ایک آدھ دن میں وکالت نامہ سائن کرالوں گا...... آپ بالکل مطمئن رہیں...... پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے...... جیسا کہ آپ کہتے ہیں کہ آپ کا بیٹا بے گناہ ہے تو انشاء اللہ اسے رہائی دلانا ہمارا کام ہوگا۔"

"ٹھیک ہے وکیل صاحب، جتنی دعائیں آپ کو دے سکتا ہوں، اگر زبانی دوں گا تو چاپلوسی اور خوشامد قرار دی جائیں گی...... ارے جب کسی کے گھر کے چراغ جلائے جاتے ہیں تو دعائیں تو خود بخود دل سے نکلتی ہیں...... گھروں کو روشن کرنا وکیل صاحب خود بہت بڑی دعا ہے...... بس اللہ آپ کو ایک مظلوم کی دادرسی کا صلہ عطا کرے۔" تمام تفصیلات نوٹ کر لی گئیں اور اس کے بعد اکرم کو بلا کر چائے وغیرہ کا بندوبست کیا گیا اور پھر ان لوگوں کو نہایت آرام سے رخصت کر دیا گیا، جاتے ہوئے عدنان واسطی نے کہا تھا۔

"آپ یہ سمجھ لیجئے رضا حسین صاحب کہ آپ تنہا نہیں ہیں...... ہم سب آپ کے اور آپ کے بیٹے کے ساتھ ہیں...... خدا کرے آپ کا بیٹا بے گناہ ہو، خدا کرے ہمیں ایک بے گناہ کے لئے کام کرنے کا موقع عطا ہو۔" وہ لوگ باہر چلے گئے...... ماحول بڑا جذباتی سا ہو گیا تھا، سبھی کافی دیر تک تاثر میں ڈوبے رہے تھے...... عدنان واسطی نے تھوڑی دیر کے بعد ان لوگوں کی شکل دیکھی، پھر ہنس کر بولے۔

"کبھی کبھی تلوار سے نوک قلم بھی تراشی جاتی ہے، شہاب میاں تم جو بڑے بڑے خطرناک لوگوں کے خلاف کام کرتے ہو اور اللہ نے تمہیں یہ قوت عطا فرمائی ہے کہ تم اژدھوں کو فنا کر دیتے ہو، کبھی کبھی ایسے چھوٹے چھوٹے کام بھی سامنے آجاتے ہیں اور اب

چونکہ میرا تم سے صرف کاروباری رشتہ نہیں ہے بلکہ بہت گہرے روابط قائم ہو گئے ہیں اور تھوڑی سی بزرگی بھی حاصل ہو گئی ہے مجھے تمہارے سلسلے میں تو تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایسے لوگوں کو کبھی نظرانداز نہ کرنا۔" شہاب نے سنجیدگی سے عدنان واسطی کی شکل دیکھی اور بولا۔

"کیا اس سے پہلے میرے ریکارڈ میں ایسی خرابیاں موجود ہیں جناب۔"

"نہیں، مجھے معاف کرنا، بس کبھی کبھی بعض معاملات میں جذباتی ہو جاتا ہوں، اس حوالے سے میں نے یہ الفاظ کہہ دیئے تھے۔"

"بہر حال کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے...... ہمیں اس سے پہلے بھی اس طرح کے واقعات کا سامنا کرنا پڑا ہے...... ویسے انسپکٹر فیض احمد سے اس بارے میں تفصیلات معلوم کی جا سکتی ہیں، میں اسے یہیں طلب کر لیتا ہوں تاکہ باقی سارے معاملے ہمیں اسی جگہ پتا چل جائیں۔"

عدنان واسطی صاحب نے فخریہ نگاہوں سے اپنے اس تازہ تازہ داماد کو دیکھا، بینا بھی مسکراتی نگاہوں سے شہاب کو دیکھ رہی تھی...... شہاب نے ٹیلی فون سامنے سرکایا، ڈائریکٹری میں فیض آباد تھانے کا نمبر دیکھا اور پھر وہ نمبر ڈائل کرنے لگا، کچھ دیر کے بعد دوسری طرف سے آواز اُبھری تھی۔

"ہیلو...... تھانہ فیض آباد۔"

"انسپکٹر فیض احمد موجود ہیں۔"

"آپ کون صاحب بول رہے ہیں۔"

"شہاب ثاقب...... آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی۔"

"سر السلام علیکم، میں ایس آئی رفیق خان بول رہا ہوں۔"

"وعلیکم السلام، فیض احمد کہاں ہیں؟"

"سر ابھی فون دیتا ہوں انہیں...... کسی بندے سے بات کر رہے ہیں۔" پھر کچھ لمحوں کے بعد ایک اور آواز سنائی دی۔

"انسپکٹر فیض احمد بول رہا ہے سر۔"

"فیض احمد مجھے پہچانتے ہو۔"

"سر آپ کو نہیں پہچانیں گے، آپ جیسے لوگ ہمارے محکمے میں بہت کم ہیں...... سر

حکم، خیریت۔"

"کوئی ایسی مصروفیت تو نہیں ہے فیض احمد جس میں میری طرف سے کوئی مداخلت ہو۔"

"نہیں سر...... بالکل نہیں...... آپ حکم دیجئے۔"

"تو پھر ذرا سی تفصیل نوٹ کرو، میں تمہیں ایک بالکل ہی ذاتی تکلیف دینا چاہتا ہوں۔"

"سر...... اگر آپ ہمیں یہ عزت دے رہے ہیں تو اس سے بڑی بات ہمارے لئے نہیں ہو سکتی۔"

"ہوں...... فیض احمد تمہارے پاس ایک کیس رجسٹرڈ ہے قتل کا ہے، مقتولہ کا نام رمشہ خان ہے، امجد فضل خان ٹرانسپورٹر سے اس کا کوئی رشتہ ہے اور قاتل کی حیثیت سے تم نے فیصل رضا نامی شخص کو گرفتار کر لیا ہے۔"

"یس سر...... بالکل یہ تو زیادہ پرانا معاملہ نہیں ہے ابھی دو پیشیاں کی گئی ہیں۔"

"ہاں...... اسی کی بات کر رہا ہوں۔"

"حکم سر۔"

"اگر میں تم سے کہوں کہ اس کے بارے میں مکمل تفصیلات لے کر ایک مخصوص جگہ پہنچ جاؤ تو کیا تم اس بات کو اپنی توہین تو نہیں محسوس کرو گے۔" دوسری طرف کچھ لمحوں کے لئے خاموشی طاری رہی، پھر فیض احمد کی آواز سنائی دی۔

"سر ہمارے ہاں تو خیر اس بات پر یقین نہیں کیا جاتا، لیکن ہندو مذہب میں تقدیر کی دیوی کی بڑی حیثیت ہے اور ان کا عقیدہ ہے کہ اگر قسمت کی دیوی کسی پر مہربان ہو جائے تو اس کے وارے کے نیارے ہو جاتے ہیں...... سر اتنا میں جانتا ہوں کہ جن لوگوں کو آپ کی قربت حاصل رہی ہے ان کے لئے ترقی کے میدان وسیع ہو گئے ہیں...... میرا خیال ہے ہر وہ پولیس آفیسر جو سچ مچ اپنی ترقی چاہتا ہے، اس بات کا خواہشمند رہتا ہے کہ اسے آپ کا قرب حاصل ہو جائے...... سر، اگر قسمت کی دیوی مجھ پر مہربان ہو رہی ہے تو بھلا اس بارے میں سوچنے کی کوئی گنجائش ہے...... آپ مجھے حکم دیجئے، میں فائل اور تمام متعلقہ کاغذات لے کر جہاں آپ حکم دیں حاضر ہوا جاتا ہوں۔"

"عدنان واسطی صاحب کو جانتے ہو، وکیل عدنان واسطی۔"

"جی ہاں...... جن کا آفس نیر چیمبر میں ہے۔"

"ہاں ہاں...... بالکل...... آفس دیکھا ہے تم نے۔"

"جی سر دیکھا ہے۔"

"سمجھ لو میں وہیں موجود ہوں...... یہ تمام تفصیلات لے کر عدنان واسطی صاحب کے آفس میں آجاؤ...... اصل میں یہاں ذرا سکون رہے گا بات کرنے میں، ورنہ میں خود تمہارے پاس آتا۔"

"سر بس ایک بیس منٹ کا وقت دے دیجئے...... تمام تفصیلات لے کر پہنچ رہا ہوں...... آپ بالکل مطمئن رہیں۔"

"شکریہ فیض احمد۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد ٹیلی فون بند کر دیا...... عدنان واسطی اور بینا شہاب کی صورت دیکھ رہے تھے...... شہاب نے کہا۔

"انسپکٹر فیض احمد پورے ریکارڈ کے ساتھ آنے والا ہے۔" پھر اس کے بعد وہ لوگ خاموشی سے اپنی اپنی سوچوں میں گم ہو گئے تھے...... بینا بال پوائنٹ سے سامنے رکھے ہوئے پیڈ پر لکیریں کھینچ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں گہری سوچ کے آثار تھے، شہاب بھی اندر ہی اندر مسکراتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ ڈی آئی جی نادر حیات صاحب نے منشیات کے سمگلروں کے خلاف اس کے ذہن میں جلتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے اسے زبردستی دو مہینے کی چھٹی دلوائی ہے، لیکن بات تقدیر کے فیصلوں کی ہوتی ہے اور یہ غلط نہیں ہے اگر واقعی کسی مظلوم کی دادرسی کے لئے یہ سارا سیٹ اپ تیار ہوا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ معاملہ قدرتی نوعیت کا ہے اور اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے اسے مستعد ہو جانا ہو گا...... بہر حال اس کی حیثیت معمولی نہیں تھی، فیض احمد کو وہ اپنے طور پر جب اور جہاں جی چاہے طلب کر سکتا تھا...... یہ الگ بات ہے کہ اس نے اپنی حیثیت کا استعمال کرنے کی بجائے فیض احمد کو دوستانہ انداز میں طلب کیا تھا، لیکن انسپکٹر فیض احمد نے بڑی مستعدی کا ثبوت دیا تھا، کچھ دیر کے بعد اکرم نے اندر آکر پولیس آفیسر کے آنے کی اطلاع دی اور اسے اندر طلب کر لیا گیا، فیض احمد ایک بریف کیس لئے ہوئے اندر آیا تھا، وردی میں ملبوس تھا، اس نے شہاب کو سلیوٹ مارا تھا اور عدنان واسطی کو بھی سلام کیا تھا...... شہاب نے مسکرا کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور فیض احمد نیاز مندی سے بیٹھ گیا، اس نے بریف کیس کھول کر تمام کاغذات باہر نکال لئے تھے۔ "بھئی میں اس وقت وردی میں نہیں ہوں اور ایک عام آدمی کی

حیثیت سے تم سے ملاقات کر رہا ہوں...... اس لئے بے تکلفی سے بتاؤ کہ کیا پیو گے؟"

"سر آپ یقین کیجئے...... کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔"

"پھر بھی کچھ تو۔"

"چائے پلوا دیجئے گا بس، اسے بھی میں اس لئے اپنے لئے ایک قیمتی شے سمجھوں گا کہ میرے ایک ایسے پسندیدہ افسر اعلیٰ کی جانب سے یہ پیشکش ہے جسے میں عام حالات میں بھی اپنا ہیرو قرار دیتا ہوں اور آپ یقین کیجئے شہاب صاحب یہ چاپلوسی کی بات نہیں ہے، میں ذاتی طور پر آپ کو اپنا آئیڈیل سمجھتا ہوں اور بارہا میں نے اپنے دل میں یہ خواہش محسوس کی ہے کہ کاش میں بھی آپ ہی کی طرح زندگی میں ایسے کچھ کارنامے سرانجام دینے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لوں جس کے نتیجے میں مجھے آپ جیسی عزت و شہرت حاصل ہو جائے۔"

"لگن سچی ہو تو منزل دُور نہیں ہوتی میرے دوست، بہر حال تمہارے محبت بھرے الفاظ کے لئے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔" شہاب نے کہا اور پھر بولا۔

"میں فیصل رضا کے کیس کے سلسلے میں تم سے مکمل معلومات چاہتا ہوں۔"

"یہ فائل موجود ہے...... میں ہر وہ چیز لے آیا ہوں جو اس سے متعلق ہو سکتی ہے، مثلاً یہ تاریخ جس تاریخ کو رمشہ خان کو قتل کیا گیا، فیض احمد نے پہلا کاغذ نکال کر شہاب کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"رمشہ خان کے بارے میں تفصیلات۔"

"امجد فضل خان کی بھتیجی ہے...... امجد فضل خان ٹرانسپورٹر ہے...... باقی تمام تفصیلات میں آپ سے عرض کرتا ہوں...... امجد فضل خان کا کافی بڑا کاروبار ہے اور قتل ہونے والی لڑکی رمشہ خان ان کی بھتیجی تھی...... امجد فضل خان کے بھائی انور فضل خان تقریباً سات سال پہلے انتقال کر چکے ہیں، ان کی بیگم بھی بہت پہلے سے مر چکی تھیں اور انہوں نے اپنی بیٹی رمشہ خان کی وجہ سے دوسری شادی نہیں کی تھی بلکہ اپنی بیگم کے انتقال کے بعد وہ اپنی کوٹھی چھوڑ کر امجد فضل خان کے پاس ہی قیام پذیر ہو گئے تھے اور وہیں زندگی گزار رہے تھے، اس طرح سے مقتولہ رمشہ خان اپنے چچا کے ساتھ ہی زندگی بسر کر رہی تھی اور باپ کی موت کے بعد امجد فضل خان ہی اس کے سب کچھ تھے...... رمشہ خان بی اے کے فائنل ایئر میں تھی، لیکن وہ کچھ کرنے کی شوقین بھی تھی، چنانچہ اس نے ایک چھوٹی سی

ایڈورٹائزنگ کمپنی کھول لی تھی اور آہستہ آہستہ اس کا کام آگے بڑھ رہا تھا۔"

"اوہو ہو...... اچھا...... ایڈورٹائزنگ کا نام۔"

"رمشہ نیو آرگس۔"

"کہاں ہے۔"

"انتیس کوئین روڈ۔"

"کتنے افراد اس کمپنی میں کام کرتے ہیں۔"

"نہیں سر...... ابھی تو صرف آفس بنایا گیا تھا اور آہستہ آہستہ اس آفس کی تیاریاں ہو رہی تھیں...... اصل میں وہ اس بات کی خواہش مند تھی کہ زندگی میں خود بھی کچھ بن کر دکھائے، امجد فضل خان کا چونکہ ٹرانسپورٹ کا کاروبار ہے اس لئے وہ اس میں دلچسپی نہ لے سکی، جبکہ کچھ عرصے قبل اس نے امجد فضل خان سے بھی یہ بات کہی تھی کہ وہ اس کے لئے کوئی مصروفیت تلاش کرے۔"

"ٹھیک۔"

"ویسے اس نے جو ایڈورٹائزنگ کمپنی بنانا چاہی تھی اس کا آفس بھی اسی عمارت کی اوپری منزل پر ہے، جس میں وہ نیچے امجد فضل خان کی ٹرانسپورٹ کمپنی کا ہیڈ آفس ہے۔"

"ویری گڈ۔"

"یہ شخص فیصل رضا بہت تھوڑے عرصے قبل امجد فضل خان کے ہاں منیجر کی حیثیت سے ملازم ہوا تھا...... امجد فضل خان نے باقاعدہ اخبارات میں اشتہارات دیئے تھے، انٹرویو ہوئے تھے اور انٹرویو لینے والوں میں رمشہ خان بھی شامل تھی...... آپ یوں سمجھ لیجئے کہ فیصل رضا کا انتخاب انٹرویو کے بعد رمشہ خان نے کیا تھا۔"

"ویری گڈ...... تم نے اس سلسلے میں تحقیقات تو کی ہی ہوں گی فیض احمد۔"

"یقیناً جناب، خاصی معلومات حاصل کی ہیں۔"

"کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ رمشہ خان اور فیصل رضا میں اس ملازمت سے پہلے کوئی شناسائی تھی۔"

"خصوصی طور پر میں نے اس بارے میں معلومات حاصل کی تھیں جناب، لیکن دونوں میں دور کا تعلق بھی نظر نہیں آیا...... فیصل رضا نے جہاں سے تعلیم حاصل کی وہاں

رمشہ خان کبھی نہیں پڑھی، دونوں بالکل اجنبی تھے...... ایک دوسرے کے لئے، لیکن بظاہر بعد کے حالات کے بارے میں جو شواہد وہاں سے موصول ہوئے وہ یہ ہیں کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد رمشہ خان اور فیصل رضا کو ساتھ دیکھا جانے لگا، رمشہ خان اکثر اپنی کار میں فیصل رضا کو اس کے گھر چھوڑنے چلی جاتی تھی اور اس بات کو کچھ ہی عرصے کے اندر اندر امجد فضل خان نے محسوس کرنا شروع کر دیا تھا، لیکن بن ماں باپ کی بچی کو امجد فضل بہت زیادہ چاہتے تھے، اس کی ایک وجہ اور بھی تھی کہ خود ان کی اپنی کوئی بیٹی نہیں تھی...... وہ اسے یہ تو بتانا چاہتے تھے کہ ان کی فرم میں کام کرنے والے ملازم کو یہ حیثیت دینا مناسب نہیں ہے، لیکن اس کے لئے وہ اسے کسی مناسب وقت سمجھانے کے منتظر تھے...... غرض یہ کہ ان دونوں کے درمیان کافی گہری راہ و رسم پیدا ہو گئی اور پھر ایک دن ٹرانسپورٹ کمپنی میں کام کرنے والے ملازموں کے بیان کے مطابق فیصل رضا کو اپنے ساتھ کار میں لیا اور خود ڈرائیو کرتی ہوئی چل پڑی، پھر وہ لاپتا ہو گئی اور جب رات گئے تک واپس نہ پہنچی تو امجد فضل خان کو شدید تشویش لاحق ہوئی۔ انہوں نے اپنے طور پر کچھ شناساؤں سے معلومات حاصل کیں، ساری تفصیلات کا پتا لگانے کی کوشش کی، لیکن پتا نہیں چل سکا...... فیصل رضا کے بارے میں بھی انہوں نے معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ فیصل رضا مقررہ وقت پر اپنے گھر پہنچ گیا تھا، اس کی گواہی فیصل رضا کے ماں باپ اور بہن نے بھی دی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میں نے تفتیش کا آغاز کیا تھا، لیکن پھر دوسرے دن رمشہ خان کی لاش شہر سے باہر ایک پارک میں پائی گئی...... اس پارک میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ آتے جاتے ہیں جو شہر کی ہنگامہ خیزیوں سے یا پھر والدین سے چھپ کر تھوڑا سا وقت یکجا رہ کر گزارنا چاہتے ہیں...... پارک میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کسی برائی کو فروغ دیا جا سکے...... آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہوں گے...... وہ بالکل بے رونق جگہ نہیں ہے، وہاں لوگوں کا کافی آنا جانا رہتا ہے، لیکن ایسے مواقع وہاں موجود ہیں کہ ہوٹلوں وغیرہ میں ملاقات نہ کرنے کے شوقین وہاں تنہائی میں ایک دوسرے سے باتیں کر لیا کرتے ہیں...... لاش کے جسم پر بہت سے زخم تھے، لیکن اس کے بدن پر کچھ ایسے نشانات بھی پائے گئے، جن سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی اور بھی نظریہ وہاں کام کر رہا تھا اور اس نے اپنی مدافعت کی تھی اور اس مدافعت میں کامیاب رہی تھی...... غالباً اس پر مجرمانہ حملہ کرنے والوں کو ناکامی ہوئی تھی اور شاید اس ناکامی سے مغلوب ہو کر انہوں

نے اسے ہلاک کر دیا...... آپ میری بات سمجھ رہے ہوں گے، یہ میڈیکل رپورٹ ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رمشہ خان ایک باعصمت اور باکردار لڑکی تھی اور موت کے وقت تک اس نے اپنی ذات پر کوئی غلاظت برداشت نہیں کی...... بہرحال امجد فضل خان کو جب اس بارے میں اطلاع ملی تو وہ بے چارہ دیوانگی کی حد میں داخل ہو گیا، حالانکہ خاصا وقت گزر گیا ہے لیکن ابھی تک وہ ذہنی طور پر غیر معتدل ہے وہ رو رو کر ہمیشہ یہی کہتا ہے کہ رمشہ خان کہنے کو اس کے بھائی کی اولاد تھی لیکن اس کی اپنی بیٹی کی طرح تھی اور وہ بدبخت اپنی بیٹی کی حفاظت نہ کر سکا...... اب یہاں پر فیصل رضا کی بات آتی ہے تو اس مختصر سے وقت میں آپ یوں سمجھ لیجئے کہ جس طرح رمشہ خان برق رفتاری سے فیصل رضا کی جانب راغب ہوئی اسے بہت سے لوگوں نے محسوس کیا...... اس بات کا اندازہ تو آپ کو ہے ناسر، کہ ایسے معاملات میں ہر شخص کے بے مقصد رقیب پیدا ہو جاتے ہیں، امجد فضل خان کی ٹرانسپورٹ کمپنی میں ایسے کچھ نوجوان بھی کام کرتے ہیں جو شکل و صورت کے بھی اچھے ہیں، تعلیم یافتہ بھی ہیں، اب ظاہر ہے اگر کسی کو اتنے مختصر سے وقت میں یہ چانس مل جائے تو دشمنی تو پیدا ہو ہی جاتی ہے...... لوگوں نے بڑھا چڑھا کر فیصل رضا کے بارے میں گفتگو کی ہے، یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ اگر ایڈورٹائزنگ کمپنی کھل جاتی تو فیصل رضا ہی اس کا کرتا دھرتا ہوتا اور رمشہ خان شاید تھوڑے ہی عرصے کے اندر اندر فیصل رضا سے اپنی قربت کا اعلان کر دیتی۔ کئی افراد نے یہ بھی کہا ہے کہ دفتری اوقات کے بعد رمشہ خان اور فیصل خان عمدہ ہوٹلوں اور پارکوں میں دیکھے گئے تھے...... تحقیقات کی گئی اور اس کے بعد فیصل رضا کو گرفتار کر لیا گیا۔"

"ایک منٹ فیض احمد ایک منٹ۔" شہاب نے پہلی بار فیض احمد کی بات میں دخل اندازی کی۔

"یس سر۔"

"فیصل رضا کو صرف ان بیانات کی روشنی میں گرفتار کیا گیا یا کوئی ٹھوس ثبوت بھی اس کے خلاف حاصل ہوا۔"

"سر...... اصل میں فیصل رضا کا خون آلود لباس ہمیں حاصل ہوا تھا جو اس کے مکان کے کچھ فاصلے پر ایک زیر تعمیر عمارت میں پایا گیا تھا۔"

"فیصل رضا ہی کا لباس تھا وہ۔"

"جی۔"

"اور زیر تعمیر عمارت میں اسے غالباً پولیس تک پہنچانے کے لئے رکھا گیا تھا۔"

"نہیں جناب...... اصل میں اس زیر تعمیر عمارت میں کافی عرصے سے کام نہیں ہو رہا اور ایک جگہ ایسی بنی ہوئی ہے جہاں قرب وجوار کے رہنے والے کوڑا ڈال دیا کرتے ہیں، ایک طرح سے اس جگہ کو کوڑا گھر بنا لیا گیا ہے اور ہم اس سلسلے میں چھان بین کر رہے تھے تو معلومات حاصل ہوئیں اور وہاں سے ہم نے وہ خون آلود لباس حاصل کر لیا...... اس کے بعد کچھ افراد سے اس کی تصدیق بھی کرائی گئی، یعنی اس دن جب فیصل رضا اور رمشہ خان آفس سے باہر نکلے تھے تو فیصل رضا اسی لباس میں ملبوس تھا۔"

"ہوں...... تو تمہیں خون آلود لباس اس زیر تعمیر عمارت میں، کوڑا گھر سے حاصل ہوا۔" اس بار عدنان واسطی صاحب نے سوال کیا تھا۔

"جی سر۔"

"کس شکل میں تھا وہ۔"

"بس اس میں گرہیں باندھ دی گئی تھیں اور اسے کوڑا گھر میں پھینک دیا گیا تھا۔"

"وہ کوڑا گھر فیصل رضا کے مکان سے کتنے فاصلے پر ہے۔"

"کوئی ڈیڑھ سو گز کا فاصلہ ہے۔"

"گڈ...... ٹھیک، تو اس لباس کی بنیاد پر فیصل رضا کو گرفتار کیا گیا۔"

"لباس پر خون کے دھبے بھی تھے جناب۔"

"اس کے علاوہ کیا آلہ قتل بھی دستیاب ہوا، عدنان واسطی نے سوال کیا۔

"نہیں جناب...... ظاہر ہے مجرم نے آلہ قتل اپنے لباس میں رکھ کر وہاں نہیں پھینکا ہو گا۔"

"حالانکہ جب وہ اپنا لباس اتنی قریبی جگہ پھینک سکتا ہے تو آلہ قتل بھی وہیں پھینک سکتا تھا، خیر...... ہم اس معاملے کے پازیٹو پہلو کو دیکھ رہے ہیں، جبکہ ہمیں نیگیٹو کا بھی پتا چلنا چاہئے تو یہ ہے تمام صورت حال، ویسے جیسا کہ تم نے کہا فیض احمد کہ ٹرانسپورٹ کمپنی میں کام کرنے والے نوجوان فیصل رضا سے رقابت محسوس کرنے لگے تھے اور انہوں نے اس کے خلاف بڑھ چڑھ کر بیانات دیئے ہیں، خود امجد فضل خان کا اس بارے

میں کیا خیال ہے۔"

"امجد فضل خان ایک جانب غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے ہیں تو دوسری جانب اس کی آتش غضب عروج پر ہے اور انہوں نے اپنے تمام تر وسائل کو مدنگاہ رکھتے ہوئے کہا ہے کہ مجرم کو جس قدر بدترین سزا دی جاسکتی ہے وہ دلوائی جائے، بلکہ ایسے شخص کے پورے خاندان کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے، کیونکہ وہ ایک ایسے برے انسان کے عزیز واقارب ہیں۔"

"گڈ، تو غالباً امجد فضل خان صاحب اس پورے خاندان کو پھانسی پر لٹکانے کی تیاریوں میں مصروف ہوں گے، ویسے یہ کیس مرزا جواد بیگ کے پاس ہے، واسطی صاحب آپ مرزا جواد بیگ کو جانتے ہیں۔"

"کچھ کہوں گا نہیں ان کے بارے میں شہاب...... بہر حال میرے ہم پیشہ ہیں، لیکن ذرا مختلف قسم کے انسان ہیں، خود کو آسمان کی بلندیوں پر محسوس کرتے ہیں...... چلو، خیر چھوڑو ہمیں کسی پر تبصرہ نہیں کرنا چاہئے...... البتہ ایک مسئلہ ضرور ہے امجد فضل خان اگر اپنے اختیارات سے کام بھی لے رہا ہے تو یہاں اسے روکنا ضروری ہو جائے گا۔ ملزم اگر مجرم ہے اور جرم اس پر ثابت ہو جاتا ہے تب وہ قابل سزا ہے اور یقینی طور پر ایسے شخص کی مدد میں سمجھتا ہوں ایک غیر انسانی عمل ہے، کیونکہ مرنے والا بھی انسان ہی ہوتا ہے...... ہاں بات اگر کسی بے گناہ کی ہے اور اصل شخصیت کے بچنے کے امکانات ہیں تو صرف ایک مفروضے کی بنا پر چاہے کوئی کسی کا کتنا ہی دشمن کیوں نہ بن جائے اسے کامیاب نہیں ہونا چاہئے...... ویسے معاف کرنا فیض احمد میں ذاتی طور پر تم سے کوئی رعایت نہیں لے سکتا، لیکن اگر تحقیقات کے دوران تم پر کہیں سے دباؤ پڑا ہے تو میری تم سے درخواست ہے کہ اس دباؤ کے بارے میں ضرور مجھے بتانا اور اس یقین کے ساتھ بتانا کہ اگر تم صحیح مجرم تک پہنچ رہے ہو تو ہم لوگ سر تا پاؤں تمہارے ساتھ ہیں، لیکن مجرم کا صحیح تعین ہونے کے بعد۔" فیض احمد نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی میرا بھی ایک بھرا پرا خاندان ہے...... بہن بھائی ہیں، دوسرے عزیز و اقارب ہیں...... ملازمت میں جو کچھ بھی مل جاتا ہے سر، وہ میری اور میرے اہل خاندان کی ضرورت ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی کم از کم نام کا انسان ضرور ہوں...... مجبوریاں بے شک کبھی کبھی آڑے آجاتی ہیں اور نوکری قائم رکھنے کے لئے بس سر کہنا پڑتا ہے، لیکن دل

برائی کو قبول نہیں کرتا، مجھے خود بھی اس خاندان سے ہمدردی ہے...... تین غمزدہ افراد جن میں ایک ماں...... ایک بہن اور ایک باپ ہے...... میرے سینے میں بھی چبھتے ہیں، لیکن اگر اس لڑکے نے قتل کیا ہے سر تو میں کچھ کر سکوں گا اور نہ آپ...... جہاں تک دباؤ کی بات ہے تو میں آپ یوں سمجھ لیجئے کہ امجد فضل خان صاحب، صاحب حیثیت آدمی ہیں۔"

"ہمیں ان سے اختلاف نہیں ہے، وہ جس حیثیت کے بھی حامل ہوں، اگر ایک شخص نے ان کی بھتیجی کو قتل کیا ہے تو ظاہر ہے انہیں صدمہ ہوا ہوگا...... پھر ایک انسان نے ایک انسان پر ظلم کیا ہے، ظالم کو کیفر کردار تک پہنچنا چاہئے لیکن ظالم کو۔"

"میں سمجھ رہا ہوں جناب۔"

"تم نے ابھی امجد فضل خان کے صاحب حیثیت ہونے کی بات کی تھی۔" شہاب نے کہا۔

"جی ہاں...... ٹرانسپورٹر ہے...... بہترین کاروبار چل رہا ہے اس کا۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔

"میرا یہ مطلب نہیں ہے!" شہاب معنی خیز لہجے میں بولا۔

پھر اس نے کہا۔

"اصل میں مائی ڈیئر فیض، میں بھی بہت عرصے تک تھانہ انچارج رہ چکا ہوں اور صاحب حیثیت لوگ مجھ سے بھی کھیلتے رہے ہیں...... تم اب تو میرا مطلب سمجھ گئے ہو گے، امجد فضل خان نے اپنے صاحب حیثیت ہونے کے اثرات تم پر ڈالنے کی کوشش تو نہیں کی؟"

"بات اصل میں یہ ہے سر کہ کچھ لوگوں سے انسان کو دلی عقیدت ہوتی ہے، چاہے زندگی میں کبھی ان سے ملاقات ہو یا نہ ہو...... میری اور آپ کی حیثیت میں زمین آسمان کا فرق ہے...... یہ الگ بات ہے کہ کسی بھی لمحے آپ مجھے طلب کرتے تو میں اسے اپنی خوش قسمتی ہی سمجھتا، کہنا یہ چاہتا ہوں کہ آپ سے بالکل جھوٹ نہیں بولوں گا، اگر اس سلسلے میں میرا کوئی جھوٹ کہیں سے ثابت ہو جائے تو جو سلوک آپ کا دل چاہے میرے ساتھ کر سکتے ہیں۔"

"نہیں...... تمہاری کسی بات کو میں جھوٹ نہیں سمجھ رہا...... اصل میں سوال کرنے کا مطلب یہ تھا کہ امجد فضل خان کی اس سلسلے میں ذاتی کوششیں کیا ہیں؟ ہم تو ہر معاملے میں بال کی کھال نکالتے ہیں نا...... یہ پتا چلنا چاہئے کہ چچا بھتیجی کے لئے کس قدر

مضطرب ہے۔"

"خیر ذاتی طور پر تو میں نے اس بارے میں بالکل نہیں سوچا، لیکن آپ کے احکامات پر معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔"

"نہیں کام باقاعدگی سے ہی ہو تو زیادہ بہتر ہے، اصل میں انسپکٹر فیض تم پر اعتبار کرتے ہوئے میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ میرا تعلق کسی نہ کسی شکل میں ان لوگوں سے ہو گیا ہے اور میں اس سلسلے میں تحقیقات کر رہا ہوں اور یہ جاننا چاہتا ہوں کہ فیصل رضا کس حد تک اس معاملے میں ملوث ہے...... تم نے یقیناً ایف آئی آر کے تحت فیصل رضا کو گرفتار کیا ہوگا اور بلاشک و شبہ تحقیقات بھی کی ہوں گی اور جیسا کہ تم نے بتایا، خون آلود لباس وغیرہ تو اشارہ فوراً اسی سمت جاتا ہے، لیکن بس...... کبھی کبھی اشارے غلط بھی ہو جاتے ہیں...... ہاں اگر فیصل رضا مجرم ہے تو اسے سزا ضرور ملنی چاہئے اور اگر نہیں ہے تو پھر اس کے سلسلے میں دادرسی تو کرنا ہوگی تم بھی اپنے رویئے کو اس وقت تک ذرا نرم رکھنا جب تک کے فیصل رضا پر مکمل جرم ثابت نہ ہو جائے...... اصل میں تھوڑی سی کاوش میں بھی کر رہا ہوں۔"

"سر...... آپ مجھے ہدایت دے دیں؟"

"فی الحال تم اس فائل کی ایک نقل میرے لئے تیار کرا دو اور جس قدر جلد ہو مجھے یہیں فراہم کر دو...... میں کچھ وقت کے لئے چھٹی پر ہوں، لیکن پرائیویٹ طور پر یہ کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"سر، چند گھنٹوں کے اندر آپ کے حکم کی تعمیل ہو جائے گی۔" انسپکٹر فیض نے کہا اور پھر اسے جانے کی اجازت دے دی...... وہ چلا گیا تو شہاب، عدنان واسطی اور بینا سر جوڑ کر بیٹھ گئے، جو کچھ انسپکٹر فیض سے انہیں معلوم ہوا تھا اس سے تو سب اندازے یہی ہوئے تھے کہ کوئی ایسی صورت حال ہوتی ہے، کوئی جذباتی عمل یا کوئی بھی ایسی کوشش، جس کی بنا پر فیصل رضا نے رمشہ کو قتل کر دیا...... باقی تمام تفصیلات کے بارے میں جب تک کے پوری چھان بین نہ کر لی جاتی، فیصلہ کرنا مشکل تھا ہو سکتا ہے فیصل رضا کسی جذباتی لغزش کا شکار ہو گیا ہو، بہر حال وہ تین سر پھرے تو ایسے معاملات کے لئے دیوانے ہی تھے، بہت سے فیصلے کئے گئے تھے اور ایک بار پھر کوشش کی گئی، دوسرے دن وہ فیصل رضا کے گھر پہنچ گئے، بینا شہاب کے

ساتھ تھی، دروازہ ایک عمر رسیدہ خاتون نے کھولا تھا، پورے وجود سے بے کسی ٹپکتی تھی، چہرہ اس طرح خشک تھا جیسے زندگی آہستہ آہستہ نچوڑ لی گئی ہو، سوالیہ انداز میں شہاب کو دیکھا تو شہاب نے کہا۔"

"رضا حسین صاحب موجود ہیں۔"

"آپ کون صاحب ہیں؟" خاتون نے پوچھا۔

"میرا نام شہاب ثاقب ہے...... رضا صاحب مجھے جانتے ہیں۔"

"آپ براہ کرم اندر تشریف لائیے...... رضا حسین تو موجود نہیں ہیں، لیکن شہاب ثاقب کا نام بھی میرے لئے اجنبی نہیں ہے، فاطمہ نے آپ کے بارے میں بتایا ہے، آپ براہ کرم اندر آ جائیے۔" عمر رسیدہ خاتون شہاب اور بینا کو ساتھ لے کر اندر داخل ہو گئی، گھر کے ماحول سے ان لوگوں کی مالی حیثیت کا اندازہ ہوتا تھا...... بہر حال شہاب اور بینا اندر بیٹھ گئے، کچھ ہی لمحوں کے بعد فاطمہ آ گئی تھی، غم زدہ گھرانے کی کیفیت ان کے چہروں سے جھلکتی تھی، جس گھر کے چراغ بجھنے کے قریب ہو جاتے ہیں وہاں چہروں کی روشنیاں بھی ایسے ہی مدھم پڑ جاتی ہیں...... خاتون بیٹھ گئی، فاطمہ بھی بینا کے پاس بیٹھ گئی تھی...... خاتون کہنے لگی۔

"میرا نام خدیجہ ہے...... میری بیٹی فاطمہ تو رضا صاحب کے ساتھ آپ سے مل چکی ہے،، ہم لوگ بے شک چار افراد پر مشتمل تھے، لیکن ہم نے اپنی محبتیں ایک دوسرے کے لئے تقسیم کر دی تھیں، ہم آپس ہی میں اپنی خوشی اور غم بانٹ لیا کرتے تھے، بیٹے اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے...... یہ جو کوئی بھی ہیں میری تمام دعائیں ان کے لئے بھی ہیں، ہم زخمی ہو گئے ہیں، ہمارا ایک بازو ٹوٹ گیا ہے اور اس حقیقت سے تم ناواقف نہیں ہو گے کہ رضا حسین عمر کی جس منزل میں داخل ہو گئے ہیں اس کے بعد انہیں سہاروں کی ضرورت تھی، بیٹا عمر کا یہ حصہ اپاہج ہو جاتا ہے اور اپاہج کے لئے بیساکھی اس کی بقیہ زندگی کا سہارا ہوتی ہے، ہماری بے ساکھی ہمارے پاس نہیں رہی ہے...... میں نہیں جانتی کہ ماں سے تمہارا کتنا واسطہ ہے لیکن میں ایک ماں کے حوالے سے کہتی ہوں کہ جو کچھ میں کہہ رہی ہوں وہ بالکل سچ ہے، بیٹے مجھے یوں لگتا ہے جیسے کوئی میرے بیٹے کو مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے، ماں ہو کر میں اولاد کی وکالت نہیں کروں گی تو اور کیا کروں گی، لیکن ایک بات میں تمہیں بتا دیتی ہوں......

دوسری طرف بھی ایک انسانی زندگی گئی ہے، بیٹا اگر اس زندگی کو چھیننے کا باعث فیصل بنا ہے تو پھر میں اللہ سے یہی التجا کروں گی کہ مجھے صبر عطا کرے اور اسے سزا ملے، لیکن بیٹا اگر وہ قصور وار نہیں ہے تو میری مدد کرو خدا کے نام پر...... خدا کے نام پر میری مدد کرو...... میں کسی اور کا حوالہ نہیں دے سکتی، میں تمہیں صرف ایک بات بتانا چاہتی ہوں، وہ یہ کہ جب میں اس سے سلاخوں کے پیچھے ملی تو اس نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ وہ بے گناہ ہے اور تمہیں یہ بھی بتا دوں میں کہ میری ساری زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ فیصل نے میری قسم کبھی جھوٹی نہیں کھائی، ساری دُنیا اس کے خلاف لاکھوں کروڑوں ثبوت مہیا کر دے میں تسلیم نہیں کروں گی کیونکہ اس نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی ہے اور کہا ہے امی میں نے اسے قتل نہیں کیا...... میں بے گناہ ہوں...... اگر اسے سزا ہو ہی جاتی ہے تو روز حشر میں اپنے خالق سے یہ پوچھ لوں گی کہ اس میں اس کی کیا مصلحت تھی، میرے ذہن میں کچھ تو روشن ہو جاتا بس اور کیا کہوں میں اور کچھ بھی تو نہیں کہہ سکتی...... عورت اپنے آپ پر جس قدر جبر کر رہی تھی اسے بینا اور شہاب بھی محسوس کر رہے تھے، بہر حال شہاب نے مدھم لہجے میں کہا۔

"محترمہ...... آپ کی باتیں میں نے سنی ہیں...... آپ نے جو کچھ کہا ہے، وہ بہت کچھ ہے میرے لئے بھی، وہ آپ کا بیٹا ہے...... خدا کے فضل سے میری بھی ماں زندہ سلامت ہیں، میں ان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آپ کا بیٹا مجرم نہیں ہے تو اسے لا کر آپ کے سامنے کھڑا کر دوں گا...... یہ میرا وعدہ ہے۔" معزز عورت اب اپنے آنسو نہیں روک سکی تھی، وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور ساتھ بیٹھی ہوئی فاطمہ اسے سنبھالنے لگی...... شہاب نے پھر کہا۔

"بہر حال اب آپ ہمیں اجازت دیں، اگر انسانوں پر سے بالکل ہی اعتماد نہیں اُٹھ گیا ہے آپ کا تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ آپ بھی میری ماں کی مانند ہیں...... شرط وہی ہے کہ فیصل بے قصور ثابت ہو، پھر شہاب اور بینا وہاں سے اُٹھ کر باہر نکل آئے تھے...... بینا کی آنکھوں میں بھی آنسوؤں کی نمی تھی، شہاب نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں بینا...... ہمیں دن رات ایسے مراحل سے گزرنا ہوتا ہے...... انسانی دُکھوں کو کبھی نہیں بھول سکتے لیکن ان دُکھوں میں اگر ہماری طرف سے مرہم کا انتظام ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ تھوڑا سا فرض ہمارا بھی پورا ہو جاتا ہے، ہمیں ہمیشہ کی طرح محنت کرنا ہو گی۔

"ہاں واقعی...... کیا کیا جائے۔" انسان کس طرح مجبوریوں میں گزارا کرتا ہے......

بہرحال جو فائل انسپکٹر فیض خان نے مہیا کی تھی اس کا تفصیلی جائزہ لیا گیا اور بہت سے معاملات پر تبادلہ خیال ہوا...... واسطی صاحب بھی اس سلسلے میں پوری پوری دلچسپی لے رہے تھے۔ یہاں تک کے عدنان واسطی صاحب نے وکالت نامہ وغیرہ سب کچھ تیار کرلیا...... فیصل رضا کی پیشی میں ابھی کئی دن باقی تھے، چنانچہ وکالت نامے پر اس کے دستخط بھی کرانے تھے اور یہ کام شہاب کے لئے مشکل نہیں تھا، چنانچہ اس نے جیل کے حکام سے ٹیلی فون پر گفتگو کی اور آخر کار عدنان واسطی صاحب اور شہاب جیل میں فیصل رضا سے ملاقات کرنے چل پڑے، حالانکہ کام کی رفتار کسی حد تک سست تھی، لیکن جو کچھ کیا جارہا تھا ٹھوس بنیادوں پر کیا جارہا تھا...... اصولی طور پر تو شہاب کو فوراً ہی فیصل رضا سے ملاقات کرنی چاہئے تھی اور ایسا کرلینا اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا، لیکن باہر کے معاملات کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد وہ اپنے قدم آگے بڑھانا چاہتا تھا...... عدنان واسطی صاحب کو بھی بڑا لطف آرہا تھا، کیونکہ ایک طرح سے شہاب انہیں اسسٹ کررہا تھا اور اب قربتیں کچھ زیادہ ہی تھیں......

بہرحال فیصل رضا سے ملاقات اس سلسلے میں بنیادی حیثیت کی حامل تھی اور وہ اپنے ذہنوں میں مختلف سوچوں کو بسائے ہوئے جیل کی جانب جارہے تھے، تین افراد جو سامنے آئے تھے ان کے غم نیکی اور سچائی میں کوئی شبہ نہیں تھا، معاملہ فیصل رضا کا تھا کبھی کبھی بہت اچھے اچھے لوگ بھی کچھ لمحاتی حادثوں سے متاثر ہوکر دیوانگی کی شکل اختیار کرجاتے ہیں، لیکن بہرحال جرم کی سزا لازمی چیز ہے چاہے اس کی وجوہات کچھ بھی ہوں...... کچھ لمحوں کے بعد ان کی کار جیل کے احاطے کے قریب پہنچ گئی، جہاں اسے پارک کرنے کے بعد عدنان واسطی صاحب شہاب کے ہمراہ اندر کی جانب چل پڑے۔

جیلر نے خوش اخلاقی سے ان دونوں کا استقبال کیا تھا۔ شہاب نے اسے اپنی آمد کی وجہ بتائی تو اس نے فوراً کہا۔

"ہاں...... کیوں نہیں...... آپ سے تعاون کرکے میں خوشی محسوس کروں گا۔" پھر جیلر نے بقیہ انتظامات کئے اور کچھ دیر کے بعد فیصل رضا ان کے سامنے آگیا...... ان کا چہرہ دیکھ کر ایک عجیب سا احساس شہاب اور واسطی صاحب کے دل میں پیدا ہوا تھا، وہ اس قدر پرسکون تھا کہ تصور بھی نہ کیا جاسکے...... یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی مشکل کا شکار ہی نہ ہو۔

"میرا نام شہاب ثاقب ہے اور یہ عدنان واسطی ایڈووکیٹ ہیں...... تمہارے والد صاحب نے انہیں تمہارے لئے وکیل مقرر کیا ہے۔"

"میرے لئے کیا حکم ہے؟" اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"پہلے اس وکالت نامے پر دستخط کردو...... اس کے بعد دوسری باتیں ہوں گی۔"

"بہتر۔" اس نے کہا اور قلم لے کر واسطی صاحب کے بتائے ہوئے فارموں پر دستخط کردیئے۔

"تم پر جو الزام لگایا گیا ہے اس کے بارے میں تم کچھ بتانا پسند کروگے۔"

"صرف اتنا کہ ضرور کوئی ایسی غلطی، ایسا گناہ مجھ سے سرزد ہوا ہوگا جس کی سزا اس رسوائی کی شکل میں مجھے ملی ہے...... اس کے لئے اللہ سے مسلسل توبہ کررہا ہوں اور معافی مانگ رہا ہوں، اللہ سے معافی مل گئی تو اس رسوا کن الزام سے ضرور رہائی مل جائے گی جو بے حد گھناؤنا ہے اور جس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"تم بہت پرسکون ہو...... جیسے تمہیں یقین ہے کہ تم اس جرم سے رہا ہوجاؤ گے۔"

"ہاں...... میں پرسکون ہوں کیونکہ میں نے اپنا معافی نامہ اللہ کی عدالت میں پیش کردیا ہے اور انسان سے اپنی مخلوق کو ستر گنا زیادہ چاہنے والا جو کرتا ہے اپنی مخلوق کے حق میں بہتر کرتا ہے مجھے اس پر اعتماد ہے۔"

"گویا تم پر جو الزام ہے...... وہ غلط ہے اور تم کسی جذباتی لمحے کا شکار نہیں ہوئے۔"

"نہیں۔"

"ٹھیک ہے واسطی صاحب...... آپ اگر کوئی سوال کرنا چاہیں تو؟"

"نہیں ٹھیک ہے۔ بس مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا۔"

"اچھا دوست...... حوصلہ نہ ہارنا...... اللہ پر تمہارا اعتماد تمہاری بیگناہی کا سب سے بڑا ثبوت ہے...... خدا حافظ۔"

شہاب نے کہا اور وہ دونوں ایک عجیب سے تاثر کے ساتھ جیل کی عمارت سے باہر نکل آئے۔



فیصل رضا سے ملاقات کے بعد عدنان واسطی اور شہاب نے جو فیصلے کئے تھے، ان میں عمر کا تجربہ بھی شامل تھا...... یہ بھی صرف ایک اتفاق تھا کہ وقت نے شہاب کو دُنیا سے اس قدر روشناس کرا دیا تھا کہ اب انسانوں کی شناخت میں اسے بہت زیادہ دقت نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ محکمہ پولیس میں شامل ہونے کے بعد اسے ایسے خصوصی تجربات حاصل ہوگئے تھے جو بعض اوقات انسان کو زندگی بھر نہیں حاصل ہوتے...... عدنان واسطی صاحب کی تو خیر بات ہی دوسری تھی کیونکہ انہوں نے زندگی کا ایک طویل عرصہ وکالت کے پیشے میں گزارا تھا اور وکالت کا پیشہ معمولی نہیں ہوتا، انسانوں کی شناخت میں جس قدر اس پیشے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں شاید دوسرے کسی پیشے میں ہی ہوتی ہوں...... بہرحال دونوں ہی خاموش تھے، فیصل رضا سے ملنے کے بعد جو تاثر ان کے ذہنوں میں قائم ہوا تھا وہ تھوڑی سی افسوس ناک کیفیت کا حامل تھا، لیکن بہرحال وہ پر امید تھے اور صورت حال پر کام کرنے کے لئے پوری طرح آمادہ، عدنان واسطی نے پیشکش کی کہ اب آفس جانے کی بجائے گھر چلنا زیادہ مناسب ہوگا اور بینا کو بھی وہیں بلا لیا جائے گا، کیونکہ بینا اس وقت اپنے گھر ہی میں تھی یعنی اپنی سسرال میں...... راستے میں عدنان واسطی نے اس بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا، گھر پہنچنے کے بعد بھی یہ طے کیا گیا کہ یہ تمام تبصرہ بینا کی آمد تک ملتوی کر دیا جائے...... بینا کو شہاب نے ہی فون کیا تھا...... شہاب کی آواز سن کر بولی۔

"ہیلو شہاب۔"

"بینا...... عدنان واسطی صاحب تمہیں بلا رہے ہیں۔"

"خیریت۔"

"ہاں...... جلدی سے آجاؤ۔"

"کہاں ہیں آپ لوگ...... کیا گھر میں۔"

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے...... میں آرہی ہوں۔" بینا کے فون کا سلسلہ منقطع کرنے کے بعد شہاب نے اپنے اہل خاندان کے بارے میں سوچا، حالانکہ وہاں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن سے خطرات محسوس کئے جا سکتے تھے، یعنی یہ کہ ممکن ہے ان کے معمولات میں کبھی خلل اندازی ہو لیکن آفرین ہے امی تو بہت اچھی طبیعت کی مالک تھیں...... ثریا بھابی نے بھی ہمیشہ پورا پورا تعاون کیا تھا اور اس بات کو پورے خلوص کے ساتھ تسلیم کر لیا تھا کہ بینا بھی چونکہ پولیس ہی کے محکمہ میں ملازم ہے، اس لئے اسے بھی اپنی ڈیوٹی سر انجام دینا ہوتی ہے...... بہرحال اس گھر میں کوئی ایسی بات پیدا نہیں ہوئی تھی کہ جو باعث تکلیف ہوتی اور سارے کام بحسن خوبی چل رہے تھے، کچھ دیر کے بعد بینا پہنچ گئی، ان دونوں کو دیکھ کر بولی۔

"اگر آپ لوگوں نے اس بارے میں کوئی گفتگو کر لی ہے تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"خیر پہلی بات تو یہ ہے کہ تم بری ہو ہی نہیں، جو کسی برے سے تمہارا موازنہ کیا جائے...... دوسری بات یہ کہ آئندہ کبھی اس بارے میں اس انداز سے مت سوچنا جس کیس میں تمہیں شامل نہیں کیا جائے گا، اس سے تمہیں آسانی سے علیحدہ کر دیا جائے گا اور اس وقت تم محکمہ پولیس پر کوئی اعتراض نہیں کرو گی۔"

"آپ تو اس وقت سچ مچ ایک آفیسر کی آواز میں بول رہے ہیں۔" بینا نے کہا۔

"سنجیدگی محترمہ...... سنجیدگی۔"

"ٹھیک ہے بینا بولی...... عدنان واسطی صاحب بھی مسکرا رہے تھے، ان کے سامنے کھانے پینے کی اشیاء رکھی ہوئی تھیں جن سے شغل کرتے ہوئے شہاب نے بینا کو بتایا کہ میں فیصل رضا سے ملا ہوں۔"

"وہ تو مجھے پتا تھا کہ آپ لوگ جیل جا رہے ہیں۔"

"خدانخواستہ کم از کم بولتے ہوئے میرا نہیں تو اپنے والد صاحب ہی کا خیال کیا کرو۔"

"نہیں...... جیسے ایک ڈاکٹر کے لئے آپریشن تھیٹر کوئی حیثیت نہیں رکھتا اسی طرح

پولیس آفیسر کے لئے جیل کا لفظ بے معنی ہو جاتا ہے...... بہر حال مذاق چھوڑ یئے اب یہ بتایئے کہ فیصل رضا سے ملاقات ہوئی۔"

"ہاں۔"

"کیا فیصلہ ہوا فیصل کے بارے میں۔"

"فیصلہ کرنا تو بڑا مشکل کام ہے بیٹا...... چہروں کی شناخت اتنی آسانی سے تو نہیں ہو جاتی...... اب دیکھو نا ایک اچھی خاصی لڑکی مجھے ملی اور عجیب و غریب طریقے سے ملی لیکن اس کے دل کا حال مجھے معلوم نہیں تھا...... آخر کار مجھ غریب سے شادی کر بیٹھی، معافی چاہتا ہوں واسطی صاحب۔"

"ایسے موقعوں پر میں اپنے کان بند کر لیتا ہوں، جس میں مجھے مہارت حاصل ہے کیونکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب سے کوئی پچیس سال قبل میرے والد بھی ایسے موقعوں پر اپنے کان بند کر لیا کرتے تھے...... کمرے میں قہقہہ گونج اُٹھا تھا، شہاب نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"بیٹا بظاہر وہ لڑکا معصوم لگتا ہے...... اہل خاندان کو تو تم دیکھ ہی چکی ہو، سادہ لوح لوگ ہیں، بس اس سلسلے میں ہم لوگ کارروائی شروع کر رہے ہیں...... کوئی ایسی اہم بات اس دوران نہیں ہوئی ہے، لیکن چونکہ دیانت داری اور ایمانداری شرط تھی، کیس تمہاری موجودگی ہی میں آیا تھا اس لئے تمہارے بغیر کوئی گفتگو نہیں کی گئی۔"

"پروگرام کیا ہے۔"

"علاقے کے تھانے کو دیکھنا ہوگا...... تھانہ انچارج کون ہے یہ معلوم کرنا ہوگا۔"

"اس کی فہرست میرے پاس موجود ہے...... اس علاقے میں جو تازہ ترین شخص ایس ایچ او کے طور پر لگا ہے یہ ایک تجربہ کار آدمی ہے...... ذرا سخت مزاج ہے، اتفاق کی بات یہ ہے کہ علاقے کے ایک چھوٹے سے مسئلے پر عدالت میں میری اس سے ملاقات ہوئی تھی اور میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ اقبال شاہ کافی سخت گیر آدمی ہے...... ایک خالص پولیس والا۔"

"ہوں...... میرا خیال ہے اقبال شاہ سے اس کے دفتر ہی میں مل لیا جائے۔"

"کیا حرج ہے...... اس کے لئے وقت کا تعین کرو۔"

عدنان واسطی صاحب نے کہا۔

"کیوں نہ اسے آپ کے دفتر میں بلا لوں۔"

"ایک وکیل کے دفتر میں...... تمہاری مرضی ہے...... دیکھ لو جیسی صورت حال سمجھو۔"

"تھوڑا سا اس کام کو ورک آؤٹ کیا جائے پھر دیکھتے ہیں۔" شہاب نے کہا......

دوسرے دن اس وقت جب بینا بھی آفس میں موجود تھی اور سب لوگ فراغت حاصل کر چکے تھے...... واسطی صاحب بھی کورٹ سے واپس آگئے تھے، جہاں تھوڑی دیر کے لئے انہیں جانا پڑا تھا...... شہاب نے اس علاقے کے انچارج اقبال شاہ کو فون کیا...... فون اقبال شاہ نے ہی ریسیو کیا تھا۔

"ہیلو...... کون صاحب بول رہے ہیں۔"

"کس سے بات کرنی ہے بھئی، فون کدھر کیا ہے تم نے۔"

"مجھے اقبال شاہ صاحب سے بات کرنی ہے۔"

"بول رہا ہوں۔"

"اقبال شاہ صاحب...... میرا نام شہاب ثاقب ہے۔"

"آسمان سے کب نیچے اترے ہو۔" اقبال شاہ کی آواز سنائی دی۔

"وقت کافی ہو گیا لیکن اتفاق سے یہ کہ آسمان سے نیچے اترنے کے بعد جب بڑا ہوا تو نوکری غلط محکمے میں مل گئی یعنی محکمہ پولیس میں۔"

"او ہو...... آپ ہیں سر...... شہاب ثاقب آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی۔" اقبال شاہ کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"معلومات بہت اچھی ہیں تمہاری۔"

"برادری ہے جی اپنی، معلومات تو رکھنا ہی پڑتی ہیں۔"

"تم سے کچھ کام ہے اقبال شاہ۔"

"حکم کرو صاحب۔"

"عدنان واسطی وکیل صاحب کو جانتے ہو۔"

"وہ بابا جی جنہیں اب وکالت نہیں کرنی چاہئے۔"

"اب یہ تو میں نہیں جانتا کہ تم کون سے بابا جی کی بات کر رہے ہو...... پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ عدنان واسطی صاحب کو جانتے ہو۔"

"وکیل صاحب سے ملاقات ہو چکی ہے ایک دو بار ہماری۔"

"شاید تمہیں یہ معلوم نہیں کہ وہ میرے سسر ہیں۔"

"ہاں جی...... یہ تو ہمیں نہیں معلوم تھا...... چلئے ٹھیک ہے آپ کی رشتے داری ہمارا کیا معاملہ ہے۔"

"آفس دیکھا ہے ان کا کبھی۔"

"نہیں کبھی نہیں دیکھا۔"

"پتا نوٹ کرو اور وہاں پہنچ جاؤ۔"

"کیوں...... خیریت جی...... کیا وہاں کوئی واردات ہو گئی ہے۔"

"نہیں...... بلکہ تم سے کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"دو باتیں ہیں جی...... ایک تو وہ اپنا علاقہ نہیں ہے...... دوسری بات یہ کہ تھانے میں بھی بہت سے کام ہیں...... اگر کوئی اہم کام ہے تو ہم فون کر کے بتا دیں گے اور اگر کوئی بہت ضروری بات ہو تو آپ اِدھر آ جاؤ...... ابھی دو تین گھنٹے ہم ادھر سے کہیں جا نہیں رہے۔"

"ٹھیک ہے شاہ جی...... آ رہے ہیں ہم۔" شہاب نے کہا اور فون بند کر دیا...... وا صاحب سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے...... شہاب نے آہستہ سے کہا۔

"کہا جاتا ہے کہ اگر کسی چھوٹے آدمی کی بات پر غصہ آئے تو بہر حال اسے در کر دینا چاہئے، لیکن اقبال شاہ نے اپنے لئے بہت سے راستے بند کر لئے ہیں...... چلئے ہم سے وہیں ملاقات کریں گے۔" عدنان واسطی صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا تھا...... شہا نے تھوڑی دیر کے بعد بینا کو وہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اس کے بعد عدنان واسطی صاحب ساتھ نیچے اتر آیا...... پھر کچھ دیر کے بعد وہ دونوں تھانے کی عمارت میں داخل ہو تھے...... ماحول واقعی بڑا عجیب سا تھا...... اقبال شاہ سچ مچ روایتی قسم کے پولیس والوں میں تھا...... وہ اپنی کرسی پر سے کھڑا بھی نہیں ہوا تھا، شہاب اور واسطی صاحب کو دیکھ کر، واسطی صاحب وکالت کا کالا کوٹ پہنے ہوئے تھے، لیکن شہاب سادہ لباس میں ملبوس تھا اقبال شاہ چوڑے چہرے والا ایک جلی ہوئی رنگت کا مالک تھا جس کی آنکھوں سے سخت گی ٹپکتی تھی اور کافی خطرناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔"

"میرا نام شہاب ثاقب ہے۔"

"ہم سمجھ گئے تھے صاحب جی...... آپ تشریف رکھو جی...... کیا منگوائیں آپ کے لئے چائے یا ٹھنڈا......" شہاب نے گھور کر اسے دیکھا اور بولا۔

"کیا یہاں تم لوگ صرف چائے یا ٹھنڈے پر گزارہ کرتے رہتے ہو یا کچھ کام بھی کرتے ہو۔" شہاب کے ان الفاظ پر اقبال شاہ نے چونک کر شہاب کو دیکھا اور بولا۔

"سر جی ناراض ہونے کی تو کوئی بات نہیں ہے...... بندہ کہیں مہمان جاتا ہے تو میزبان کو پوچھنا ہی پڑتا ہے آپ کی مرضی ہے جی...... کچھ پیئو یا نہ پیئو، حکم کرو...... ہمارے لئے کیا کام ہے۔"

"فیصل رضا کا کیس تمہارے پاس ہے...... تم نے فیصل رضا نامی ایک لڑکے کو گرفتار کیا تھا، جس پر قتل کا الزام تھا۔"

"ٹھیک ہے صاحب جی...... آپ الزام کہہ لو اسے...... ایک قاتل پر صرف الزام ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ قاتل ہوتا ہے۔"

"اوہو...... اس کا مطلب ہے کہ تم اس کے خلاف ثبوت حاصل کر چکے ہو۔"

"کیا بات ہے جی...... ثبوت کے بغیر تو کسی پر ہاتھ ڈالا ہی نہیں جا سکتا اور پھر ظاہر ہے جی اس کے بارے میں ابھی تھوڑی بہت تفتیش اور بھی ہو رہی ہے...... چالان پیش ہو گیا ہے، لیکن ہمیں کچھ اور ہدایات ملی ہیں...... آپ اس کے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہو جی۔"

"انسپکٹر اقبال شاہ، کیا تمہارے خیال میں وہ قاتل ہے۔"

"ہمارا خیال...... کمال کرتے ہو صاحب جی...... ارے خیال ہوتی کیا چیز ہے سارا کھیل تو ثبوتوں کا ہوتا ہے...... ثبوت جو بھی کہے وہ بات ماننی پڑتی ہے۔"

"لیکن بعض اوقات انسان اپنے ضمیر سے بھی سوال کرتا ہے...... اقبال شاہ صاحب...... آپ کا ضمیر کیا کہتا ہے۔"

"صاحب جی ایک بات کہیں آپ سے...... آپ کی اور ہماری عمروں میں بڑا فرق ہے...... یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے آپ کو افسر بنایا ہے اور ہم آپ سے نیچے درجے کے بندے ہیں، لیکن زمانہ جو ہے نا جی وہ چہروں پر نہیں چلتا...... ثبوتوں پر چلتا ہے اور جہاں تک رہی ضمیر کی تو صاحب جی یہ وکیل صاحب بھی بیٹھے ہوئے ہیں، عمر گزاری ہے...... انہوں نے ذرا ان سے آپ یہ سوال کر لو کہ ضمیر کی باتوں کو عدالت نے کب مانا ہے یا انہوں نے

ضمیر کا حوالہ دے کر عدالت سے کتنے کیس جیتے ہیں۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں اقبال شاہ صاحب...... کیا اس نوجوان کو پھانسی ہونی چاہیئے۔"

"ہونی کیا چاہیئے صاحب جی...... ہو گی اسے پھانسی...... ہم دلائیں گے اسے پھانسی اس کا کیا سوال ہے...... آپ یہ بتاؤ کہ آپ امجد فضل خان سے ملے ہو۔"

"نہیں ابھی تک تو ملاقات نہیں ہوئی۔"

"مل لو جی...... کام کے بندے ہیں، ہر ایک کے کام آتے ہیں...... ایسے بندے کو اگر کوئی تکلیف پہنچائے تو پھر دل کو دکھ تو ہوتا ہے ناجی...... بھتیجی تھی ان کی بیچاری کو مار ڈالا...... ایک تو نوکری دی...... انہوں نے اس لونڈے کو اور پھر وہیں پر عشق بازی کرنے لگا اور، اور اپنی ہوس کے ہاتھوں مجبور ہو کر لڑکی کی جان ہی لے لی۔"

"خود امجد فضل خان اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔"

"صاحب جی بس...... بڑے لوگوں کی باتیں بھی زیادہ نہیں کرنی چاہئیں...... آپ خود ان سے ملاقات کر لو۔"

"چلئے ٹھیک ہے اقبال شاہ صاحب...... آپ یہ بتائیے کہ کیا آپ نے آلہ قتل دریافت کر لیا ہے۔"

"کون سا مشکل کام تھا جی...... مل گیا۔"

"کہاں سے۔"

"ملزم کے گھر سے ہی ملا ہے جی۔"

"آپ نے ابھی ملزم کہا ہے اسے۔"

ملزم نہیں جی مجرم...... چمڑے کی زبان ہے پھسل گئی، اقبال شاہ نے کہا۔

"گویا آپ یہ کہنے پر تلے ہوئے ہیں کہ فیصل رضا ہی اس لڑکی کا قاتل ہے۔"

"ثبوت کہتے ہیں جی، ثبوت...... اس کا خون آلود لباس مل چکا ہے...... اس پر خون کے دھبے ہیں اور باقی ساری چیزیں بھی مل چکی ہیں...... یہ لباس وہی ہے جو اس دن فیصل پہنے ہوئے تھا۔"

"اور اس لباس پر اس لڑکی کا خون ہی ہے۔" شہاب نے سوال کیا۔

"لو جی تو کیا مرغی کا خون ہو گا۔"

"لیبارٹری رپورٹ ہے آپ کے پاس۔"

"لیبارٹری رپورٹ۔"

"خون کی...... ظاہر ہے لباس پر خون کے دھبے ملے ہیں اور یہ خون یقینی طور پر لڑکی کا ہونا چاہیئے تھا، کیا رمشہ کا بلڈ گروپ اور اس کے بعد باقی لیبارٹری رپورٹ یہی کہتی ہے کہ لباس پر پائے جانے والے دھبے اسی خون کے ہیں۔"

"نہیں جی یہ تو ہمیں نہیں معلوم۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ اقبال شاہ صاحب، کیا آپ نے اس خون کا تجزیہ نہیں کرایا۔"

"صاحب جی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی...... کپڑے اسی کے تھے...... بندہ وہی تھا، پھر بھلا ان ساری چیزوں کی کیا ضرورت تھی۔"

"ہوں...... ویری گڈ...... اس کا مطلب ہے آپ عدالت میں اتنا بڑا ثبوت پیش کر دیں گے، یعنی خون آلود کپڑے اور بس۔"

"ایک بات سنیں جی...... ہم آپ کو ایک بات بتا دیں...... کوئی بھی کام کرنے سے پہلے ذرا مرزا جواد بیگ صاحب سے مل لیں...... امجد فضل خان کی طرف سے وہی اس کیس کی پیروی کر رہے ہیں اور یہ بات تو آپ کو معلوم ہے جی کہ مرزا جواد بیگ کوئی معمولی ایڈووکیٹ نہیں ہیں...... بڑے لمبے ہاتھ ہیں ان کے، ہمارے پاس بھی ان کی کچھ ہدایات موجود ہیں۔"

"ویری گڈ...... مثلاً۔" شہاب نے فوراً سوال کیا۔

"نہیں جی...... بہت سی باتیں تو ذاتی ہوتی ہیں ناں...... اب دیکھیں کیا کیا جائے...... ہمارا بھی تعلق ایسے لوگوں سے رہتا ہی ہے اور ہمیں ان کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے۔"

"ٹھیک ہے...... واقعی، ذاتی معاملات بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، حالانکہ آپ خود سوچ سکتے تھے یہ بات اقبال شاہ صاحب کہ جب کوئی قتل جیسا جرم کرتا ہے تو بہت سی باتوں کا اسے خیال رکھنا پڑتا ہے، لیکن کیا زبردست قاتل تھا...... اس نے پرواہ ہی نہیں کی نہ اپنے لباس کو کہیں چھپانے کی کوشش کی نہ آلہ قتل کو...... آرام سے تمام چیزیں پولیس کے حوالے کر دیں اور اپنے آپ کو بھی کہ لو بھائی، چلو شروع ہو جاؤ اور ہمیں پھانسی پر چڑھا دو اور جہاں تک بات رہی مرزا جواد بیگ کی تو صحیح کہتے ہو مرزا جواد بیگ کے بارے میں...... میں

نے بھی سنا ہے کہ کسی بہت بڑے شخص کے ہم زلف ہیں...... خیر کوئی بات نہیں ہے۔ دیکھیں گے۔"

"ہمارے لئے کوئی اور حکم۔"

"نہیں بہت بہت شکریہ...... بڑی مہربانی...... بس آپ سے اتنی ہی معلومات حاصل کرنی تھیں۔" اور اس کے بعد شہاب اور واسطی صاحب وہاں سے اُٹھ گئے تھے...... عدنان واسطی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"زندگی میں بہت سے کرداروں سے واسطہ پڑتا ہے، شہاب میرا خیال ہے یہ کیس اپنی نوعیت کے لحاظ سے اس لئے اور بھی دلچسپ ہے کہ اس میں ایک طرف تو ایک بے گناہ مجرم ہے یا ملزم ہے اور دوسری جانب کچھ طاقتیں۔"

"اب ذرا مختلف انداز میں سوچنا پڑے گا واسطی صاحب۔"

"مثلاً۔"

"مثلاً امجد فضل خان۔"

"کیا مطلب۔" واسطی صاحب چونک پڑے۔

"جس کی وہ بھتیجی تھی، یعنی رمشہ۔"

"ہاں۔"

"واسطی صاحب...... وقت سے پہلے کچھ نہیں کہوں گا، مرزا جواد بیگ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔"

"بھئی میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ آدمی بہت سخت ہے۔"

"ٹھیک ہے...... بعض اوقات تقدیر جو فیصلے کرتی ہے بعد میں ہمیں اس کا صحیح اندازہ ہوتا ہے...... یہ دو مہینے کی چھٹی جو مجھے نادر حیات صاحب نے ازراہ کرم فرمائی ہے کچھ ایسے ہی کاموں کے لئے مخصوص تھی...... میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں واسطی صاحب کہ وقت کا ایک ایک لمحہ انسانیت کی خدمت کے لئے صرف کروں گا۔" شہاب نے جذباتی لہجے میں کہا......

بہر حال بعد میں وہ واسطی صاحب سے جدا ہو گیا تھا اور پھر اس نے اپنے طور پر کام شروع کر دیا...... ڈبل او گینگ کے سردار علی کو شہنشاہ کی حیثیت سے مخاطب کر کے اس نے کہا۔

"سردار علی ایک تفصیل نوٹ کرو، ایک نوجوان کو قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے۔

نام فیصل رضا ہے، جیل میں ہے...... اس کے گھر کا نمبر نوٹ کرو، اس کی تعلیمی حیثیت اس کی شخصیت کے بارے میں مکمل طور پر گواہیاں درکار ہیں...... یہ تمام رپورٹیں اکٹھی کرو اور شہاب تک پہنچا دو، اگر چاہو تو اپنے ساتھ دوسرے افراد کو بھی شامل کر سکتے ہو۔"

"بہت بہتر جناب۔" سردار علی نے جواب دیا اور شہاب نے سلسلہ منقطع کر دیا...... بینا سے گفتگو ہوئی تو اس نے کہا۔

"بینا بات اصل میں یہ ہے اور رحمدلی، لوگوں کی فطرت پر ترس کھانا بہت اچھی بات ہے، اللہ کی طرف سے بھی یہی حکم ہے، لیکن کبھی کبھی کچھ ایسے برے لوگ نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں کہ گناہ کرنے پڑ جاتے ہیں...... اب دو آدمی میرے سامنے صرف دو کہوں گا کیونکہ تیسرے کے بارے میں ابھی میرے پاس ثبوت موجود نہیں ہے، نمبر ایک انسپکٹر اقبال شاہ ہے جو اس علاقے کے تھانے کا انچارج ہے جس حدود میں یہ واردات ہوئی ہے، دوسرے مرزا جواد بیگ ہیں، مرزا جواد بیگ کے بارے میں پہلے بھی کئی بار میرے کانوں تک یہ رپورٹیں پہنچ چکی ہیں کہ وہ اپنے اختیارات کو ناجائز استعمال کرتے ہیں اور صرف ایک کاروباری آدمی ہیں۔ انسانی معاملات میں ذرا کم ہی دلچسپی لیا کرتے ہیں...... اب ان دو آدمیوں کے خلاف محاذ بنانا پڑے گا اور ذرا سلیقے سے کام کرنا ہو گا۔"

"شہاب بات خطرناک تو نہیں ہو جائے گی۔" جواب میں شہاب کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی...... کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"بینا اس سے پہلے بھی حالات تو خطرناک ہوتے ہی رہے ہیں، لیکن خیر قصور تمہارا بھی نہیں ہے...... تم نے ہر بار مجھ سے یہ سوال کیا ہے کہ شہاب حالات خطرناک تو نہیں ہو جائیں گے...... امکان تو ہوتا ہے حالات کے خطرناک ہو جانے کا، لیکن تم کس نوعیت سے یہ سوال کرتی ہو...... یہ بات ہر بار ذرا جدا ہو جاتی ہے۔"

"نہیں بھئی میرا مطلب ہے...... خیر چھوڑو...... یہ بتاؤ کیا اس سلسلے میں تم نے اب تک کوئی ایسا نتیجہ اخذ کیا ہے جو بنیادی حیثیت رکھتا ہو۔" بینا کا سوال بڑی توجہ کا حامل تھا، شہاب کچھ دیر تک خاموشی سے اس بارے میں سوچتا رہا پھر بولا۔

"بینا چند بنیادی باتیں تو سمجھ میں آتی ہیں، لیکن ان کو حتمی نہیں کہا جا سکتا۔"

"بنیادی۔" بینا سوالیہ نگاہوں سے شہاب کو دیکھ کر بولی۔

"ہاں...... مثلاً یہ کہ امجد فضل خان بڑی حیثیت کا مالک ہے، اتنی بڑی حیثیت کا مالک ک
اس کے ایماء پر مرزا جواد بیگ اور انسپکٹر اقبال شاہ نے اپنے انداز میں خاصی تبدیلیاں پیدا کرلی
ہیں...... یہ سب کچھ بے مقصد نہیں ہو سکتا...... خیر کیس تو عدنان واسطی صاحب کے پاس آ
ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہماری تمام تر دلچسپیاں اس میں موجود ہیں اور کام ذرا مختلف انداز
میں کیا جائے گا...... اقبال شاہ کو خون آلود لباس ملا ہے اور اس کے بعد دیکھیں گے۔" شہاب
نے پرخیال انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا، پھر وقت گزر گیا اور اس کے بعد سردار علی نے
فیصل رضا کی تعلیمی رپورٹ پیش کی...... فیصل رضا کا پورا ماضی بے داغ رہا تھا...... اس کی نجی
زندگی اس قدر صاف ستھری رہی تھی کہ کوئی بات بھی اس کی جرم کی نشاندہی نہیں کرتی
تھی...... ہاں اتنا ضرور پتا چلا تھا کہ رمشہ خان کی اس سے اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی اور کئی
بار وہاں کے مختلف لوگوں نے رمشہ کو فیصل رضا کے ساتھ ہوٹلوں وغیرہ میں دیکھا تھا، لیکن
اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ فیصل رضا اپنے مزاج کے خلاف رمشہ کے قتل پر آمادہ ہو جائے یا
کوئی ایسے کام جو رمشہ کے لئے موت بن جائے، معاملہ چونکہ بڑی سادہ نوعیت کا تھا اور اس
میں بہت زیادہ برق رفتاری سے کام نہیں کرنا تھا، لیکن پھر بھی دلچسپی کی خاطر سبھی اس میں
مصروف ہو گئے تھے اور اکثر اس موضوع پر گفتگو ہوتی رہتی تھی، ابھی تک بیچارے فیصل رضا
کے والد کو اس بارے میں کوئی خاص بات نہیں بتائی گئی تھی، بس ایک طرح سے انہیں اس
بات کا اطمینان کرادیا گیا تھا کہ وہ مجموعی طور پر مطمئن رہیں، ان کا کیس لے لیا گیا ہے......
بات اصل میں یہ تھی کہ جب تک کوئی ٹھوس صورت حال سامنے نہ آئے انہیں بھی تسلی
نہیں دی جاسکتی تھی، ابھی تو سب سے پہلے جناب مرزا جواد بیگ صاحب کا سامنا کرنا تھا......
اس کے بعد یہ دیکھنا تھا کہ مرزا جواد بیگ صاحب اس سلسلے میں ذاتی طور پر کس حد تک ملوث
ہیں، کیا وہ فیصل رضا کو ہر قیمت پر سزا دلوانے کے حق میں ہیں، اگر ایسا ہے تو انہوں نے اس
سلسلے میں اپنے جو اختیارات استعمال کئے ہیں ان کی نوعیت کیا ہو گی؟ یہ ساری باتیں ابھی ایسی
تھیں جن کے بارے میں اس وقت تک کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی جاسکتی تھی، جب تک
عدالت میں پیشی نہ ہو جائے اور اب پیشی کا انتظار تھا اور اس سلسلے میں مرزا جواد بیگ صاحب
سے ملاقات ہونے کے باوجود عدنان واسطی صاحب نے انہیں یہ بات نہیں بتائی تھی کہ
فیصل رضا کا کیس انہوں نے لے لیا ہے...... یہاں تک کہ پیشی کا وقت آگیا...... بینا اور شہاب

بالکل عام لوگوں کی حیثیت سے کمرا عدالت میں پہنچے تھے اور پھر مرزا جواد بیگ کو بھی دیکھا
تھا، مرزا جواد بیگ صاحب ویسے بھی کسی قدر پستہ قامت، تنگ پیشانی اور چھوٹی چھوٹی
چالاک آنکھوں والے آدمی تھے، چہرے سے ہی مغرور نظر آتے تھے اور درحقیقت تھے بھی
مغرور، اپنی قابلیت، اپنی شخصیت پر نازاں، ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ بڑے بڑے نامی
گرامی کیس لڑے تھے...... انہوں نے اور اس سلسلے میں ان کا اپنا ایک مقام تھا، البتہ امجد فضل
خان ابھی تک نہیں آیا تھا اور یہ کردار بھی ایسا تھا جسے دیکھنا بے حد ضروری تھا، لیکن شہاب
ذرا ست روی سے کام کر رہا تھا، اس کی وجہ اگر کچھ تھی تو صرف اس کے ذہن میں تھی، خود
بینا بھی اس کا کوئی تجزیہ نہیں کرپائی تھی، بلکہ ایک آدھ بار تو اس نے شہاب سے یہ بھی کہا تھا
کہ وہ اس دلچسپی سے کام نہیں کر رہا جس دلچسپی سے یہ کیس لیا گیا ہے تو شہاب نے مسکراتے
ہوئے اپنی عادت کے مطابق جوابات دے دیئے تھے، جن میں اس نے کہا تھا کہ شادی کے
بعد زندگی کچھ ڈل سی ہو گئی ہے، کام کرنا تو ہوتا ہے لیکن زیادہ دیر تک دل یہ چاہتا ہے کہ بینا
کے ساتھ وقت گزارا جائے...... بینا مسکرا کر خاموش ہو گئی تھی...... بہرحال یہ لوگ کمرہ
عدالت میں پہنچ چکے تھے اور جب فیصل رضا کو جج صاحب کے سامنے پیش کیا گیا تو اس سلسلے
میں تمام صورت حال سامنے آئی اور عدنان واسطی صاحب نے اپنا وکالت نامہ معزز عدالت کو
پیش کیا تو جواد بیگ نے چونک کر عدنان واسطی کو دیکھا، پھر ان کے ہونٹوں پر ایک حقارت
بھری مسکراہٹ پھیل گئی، وکالت نامہ قبول کر لیا گیا تھا...... کیس کی ابتداء ہوئی تو عدنان
واسطی صاحب نے کہا۔

"جناب والا...... چونکہ فیصل رضا کا کیس میں نے فوری طور پر ہاتھ میں لیا ہے اس لئے
ابھی اس کی اسٹڈی کر رہا ہوں اور کچھ ضروری معلومات حاصل کرنا ہیں، اس لئے میں چاہتا
ہوں کہ مجھے کم از کم بارہ دن کے بعد کی تاریخ دے دی جائے...... عدالت نے عدنان واسطی
صاحب کی یہ درخواست منظور کرلی تھی، پھر اس دلچسپ مرحلے کا آغاز ہوا جس کی توقع کی
جارہی تھی۔ مرزا جواد بیگ شاید شہاب کو پہچانتے تو تھے لیکن انہیں اس وقت اس بات کا علم
نہیں تھا کہ شہاب اس وقت بھی عدالت میں موجود ہے، چونکہ شہاب سادہ لباس میں تھا اور
ویسے بھی مرزا جواد بیگ سے اس کی بہت کم ملاقاتیں ہوئی تھیں، اس لئے مرزا جواد بیگ نے
اسے نہیں دیکھا تھا، البتہ کمرہ عدالت سے باہر نکلتے ہوئے انہوں نے آواز دے کر عدنان

واسطی صاحب کو روکا...... بینا اور شہاب ذرا پیچھے تھے...... مرزا جواد بیگ نے کہا۔

"واسطی صاحب ویسے تو وکالت کے پیشے میں بہت سی رازداریاں چلتی ہیں...... ظاہر ہے وکیل کو اپنے موکل کے معاملات میں ذرا سا غور کرنا پڑتا ہے اور احتیاط برتنی پڑتی ہے، لیکن ذاتی تعلقات کی بھی کچھ نوعیت ہوتی ہے...... کیا آپ کو اس بات کا علم تھا کہ رمشہ کے قتل کا کیس میرے پاس ہے۔"

"جی ہاں...... وکالت نامہ دستخط کراتے ہوئے جب بہت سی تفصیلات سامنے آئیں تو مجھے پتا چل گیا کہ کیس آپ کے پاس ہے۔"

"ویری گڈ...... بہر حال میں آپ کی توہین بالکل نہیں کر رہا...... میرے ان الفاظ کو اپنی توہین بالکل تصور نہ کیجیے گا، البتہ جہاں تک میری معلومات ہیں وہ یہ ہیں کہ بڑے بڑے وکلاء کو جب اس بات کا علم ہوتا ہے کہ کیس مرزا جواد بیگ کے پاس ہے تو پھر وہ اس کیس پر مرزا جواد بیگ کی مخالفت میں ہاتھ ڈالتے ہوئے گھبراتے ہیں...... کیا میرا یہ اندازہ بالکل غلط ہے؟"

"نہیں...... میں نے بھی اس بارے میں کافی سن رکھا تھا اور خوش قسمتی تھی...... یہ نہیں کہہ سکتا میں کہ ایسا کوئی کیس میرے پاس آیا ہی نہیں جس میں مجھے آپ کی مخالفت میں آنا پڑے۔"

"اوہو...... اچھا...... ہاں...... یعنی آپ اسے اپنی بھی خوش قسمتی یا میری بھی خوش قسمتی کہہ سکتے ہیں، یعنی آپ کا مطلب تھا کہ اگر اس سے پہلے کوئی کیس اس طرح آپ کے سامنے پہنچتا تو آپ اسے ضرور قبول کر لیتے۔"

"ظاہر ہے...... میرے جسم پر بھی یہ کالا کوٹ ہے اور میرے پاس بھی لاء کی ڈگری ہے مرزا صاحب۔"

"ارے...... ارے...... ارے...... برا نہ مانئے میری بات کا...... میں تو پہلے ہی آپ سے کہہ چکا ہوں کہ اس گفتگو میں برا ماننے کی گنجائش نہیں ہے لیکن حیران ہوں میں...... سنا تھا میں نے کہ پچھلے کچھ عرصے سے اچانک ہی آپ دم کے بل کھڑے ہوگئے ہیں اور اچھی خاصی آمدنی بھی ہوگئی ہے آپ کی...... کچھ معلومات بھی حاصل ہوئی تھیں، کوئی شخص ہے جو غالباً انتظامیہ سے تعلق رکھتا ہے۔"

"جی ہاں...... وہ میرا داماد بھی بن چکا ہے۔"

"کیا انسپکٹر جنرل کے عہدے پر ہے یا مستقبل میں وزیر خارجہ لگنے والا ہے...... ویسے آپ نے ہمیں اپنی بیٹی کی شادی میں نہیں بلایا۔"

"یہی مشہور تھا آپ کے بارے میں مرزا صاحب کہ آپ ذرا اس قسم کی تقاریب میں کم ہی شرکت کرتے ہیں۔"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے...... بات یہ ہے کہ میں ذرا تقاریب میں شرکت کرتے ہوئے اپنے اسٹیٹس کا خیال رکھتا ہوں...... اب دیکھئے نا ضروری ہوتا ہے یہ واسطی صاحب آپ اگر مجھے مدعو بھی کرتے تو شاید میں نہ پہنچ پاتا...... کیونکہ میرے مداح مجھ سے سوال کرتے کہ آپ کا حلقہ احباب کیا ہے۔"

"اور کچھ کہنا چاہتے ہیں آپ۔"

"نہیں...... کوئی خاص بات نہیں...... میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس لڑکے کو سزائے موت تو ہونی ہے کیونکہ اس نے بہت بڑے آدمی کی بھتیجی کو قتل کیا ہے...... آپ دیکھ لیجئے کتنے پیسے مل گئے آپ کو اور حیرت کی بات یہ کہ کہاں سے مل گئے، جہاں تک بات میرے علم میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ کسی کو کچھ ادا کرنے کے قابل نہیں ہیں۔" شہاب اور بینا اس وقت واسطی صاحب سے اس قدر قریب تھے کہ یہ تمام باتیں سن رہے تھے...... شہاب سے برداشت نہیں ہو سکا تو وہ دو قدم آگے بڑھا اور اس نے مرزا جواد بیگ کے سامنے آتے ہوئے کہا۔

"مکمل تعارف تو شاید آپ سے میرا ابھی نہیں ہوا مرزا صاحب...... ایک آدھ بار میں نے آپ کو دیکھا ہے...... شاید آپ نے بھی مجھے دیکھا ہو۔" مرزا جواد بیگ نے یا تو جان بوجھ کر شہاب سے ناشناسی کا اظہار کیا تھا یا پھر واقعی وہ ذہنی طور پر اتنا مصروف انسان تھا کہ اس نے شہاب کو نہیں پہچانا، کہنے لگا۔

"صورت سے کافی مہذب اور شریف آدمی معلوم ہوتے ہو لیکن کسی کو مخاطب کرنے کا طریقہ شاید نہیں جانتے...... کہو کیا بات ہے۔"

"بات چونکہ راہ چلتے ہی ہو رہی تھی اور آپ نے عدنان واسطی صاحب سے کچھ الفاظ کہے تھے، مجبوراً مجھے مداخلت کرنا پڑی۔"

"مگر میاں تم ہو کون۔"

"شہاب ثاقب ہے میرا نام...... محکمہ پولیس ہی میں ملازمت کرتا ہوں اور ابھی آپ سے جو گفتگو ہو رہی تھی وہ میرے ہی بارے میں ہو رہی تھی۔"

"اوہو...... اچھا...... اچھا...... واسطی صاحب کے داماد ہو اور یہ بچی بینا...... سوری بینا میں تمہیں نہیں دیکھ سکا تھا، لیکن قصور میرا ابھی تو نہیں ہے یہ واسطی صاحب اگر مجھے بھی شادی میں بلا لیتے تو شاید میں مسٹر شہاب سے بھی واقف ہو جاتا...... آیئے بھئی تھوڑا سا بار روم میں بیٹھیں اور کچھ نہیں تو کم از کم میں شہاب صاحب کو چائے ہی پلا دوں...... ویسے خاصے تیز مزاج نوجوان معلوم ہوتے ہیں...... آیئے واسطی صاحب تھوڑا سا وقت صرف کر ہی لیا جائے، ویسے تو خود آپ کو میری مصروفیات کا اندازہ ہے لیکن اگر کسی کیس کے سلسلے میں کچھ تبادلہ خیال ہو جائے تو برا نہیں ہو گا۔"

"آیئے۔" عدنان واسطی صاحب نے بھی کہا۔

شہاب نے بینا کی جانب دیکھا...... تھوڑی دیر بعد وہ سب بار روم میں جا بیٹھے...... شہاب سنجیدہ نگاہوں سے مرزا جواد بیگ کو دیکھ رہا تھا اور مرزا جواد بیگ بھی شہاب کا جائزہ لے رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

"شہاب ثاقب نام ہے آپ کا آپ کے والد تو شاید صحافی تھے...... پچھلے کچھ دنوں میں آپ کے بارے میں تھوڑی بہت باتیں سنی تھیں۔"

"جی ہاں...... یقیناً سنی ہوں گی آپ نے، البتہ آپ کے بارے میں مجھے زیادہ تفصیلات معلوم نہیں ہو سکیں، ابھی بس کچھ وقت پہلے ہی یہ پتا چلا تھا کہ آپ ہر طرح کے کیس لے لیتے ہیں۔" شہاب نے کہا۔

"ہر طرح کے کیسوں سے تمہارا کیا مطلب ہے ڈیئر۔" مرزا جواد بیگ نے کہا۔

"نہیں...... بات ہو رہی تھی کیس لینے کی...... اس میں یہ ذکر نکلا کہ بعض وکلاء بے شک پیشہ ور وکیل ہیں لیکن یہ خیال رکھتے ہیں کہ جو کیس ان کے پاس آ رہا ہے اس کی نوعیت کیا ہے...... اصل میں عدنان واسطی صاحب نے زندگی کا بیشتر حصہ اسی انداز میں گزارا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ بہت زیادہ کیس اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتے، لیکن اگر کوئی حقیقی کیس ان کے ہاتھ میں آ جائے تو پھر وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ کون کچھ دینے کے قابل ہے یا نہیں، ویسے اس طرح آپ نے کم از کم ہم سے امجد فضل خان صاحب کا تعارف کروا دیا۔" مرزا جواد بیگ

ایک مخصوص انداز میں آنکھیں سکوڑ کر شہاب کو دیکھنے لگا، اس کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے، پھر اس نے عدنان واسطی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یا تو آپ کا داماد اپنا مقصد مجھے سمجھا نہیں پا رہا مسٹر عدنان واسطی یا پھر یہ جو کچھ کہہ رہا ہے شاید اس میں اس کا بچپن بول رہا ہے۔"

"بچہ تو ہے لیکن نئی نسل کو ہم بولنے سے روک نہیں سکتے، یہ بے باک نسل جو کچھ کہنا چاہتی ہے نا مرزا جواد بیگ اس میں یہ نہیں سوچتی کہ جس شخص سے کہا جا رہا ہے وہ کون ہے۔" عدنان واسطی کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

"لیکن بزرگوں کا فرض ہے کہ جب کسی سے تعارف کرائیں تو اس کی حیثیت بھی بتا دی جائے۔"

"مرزا صاحب...... مرزا صاحب...... آپ کی حیثیت کی کوئی توہین نہیں کر رہا میں...... میں تو ہر پیشے کے بارے میں بتا رہا ہوں...... اب وکالت ہی کے پیشے میں لے لیجئے...... میرا واسطہ تو آپ لوگوں سے پڑتا رہتا ہے نا...... میں سمجھتا ہوں سو میں سے اٹھانوے افراد بہت اچھے ہیں...... دین دار ہیں...... اپنے منصب کا خیال رکھتے ہیں، لیکن دو فیصد کو دیکھا جائے...... اصولی طور پر تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ تعداد نہ ہونے کے برابر ہے...... ویسے آپ کے بارے میں میں نے یہ ضرور سنا ہے کہ ہر طرح کے کیس لے لیتے ہیں، بس معاوضہ بھرپور ملنا چاہیے۔"

"خوب...... تو پھر ان ناجائز کیسوں کے معاوضے میں سے بہت عمدہ قسم کی چائے پیئو تم، بھئی ذرا ویٹر ادھر سے گزرے تو آواز دینا واسطی صاحب۔"

"اتفاق کی بات ہے کہ ان دو فیصد میں نا واسطی صاحب آتے ہیں نہ مرزا صاحب اور نہ میں، چنانچہ بڑا مشکل ہو جائے گا ہمارے لئے آپ کی چائے پینا۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ۔"

"جی ہاں...... میں نہیں بلکہ ابھی آپ نے خود کہا۔"

"عدنان واسطی بات اصل میں یہ ہے کہ ہم سب جس پیشے سے منسلک ہیں ان میں ہمارا آمنا سامنا تو ہوتا ہی رہتا ہے...... اگر اسے ذاتی جنگ بنا لیا جائے تو میرا خیال ہے کہ ہم چار کیس بھی نہ لڑ سکیں، تمہارا داماد کچھ ایسی ہی کیفیتوں کا اظہار کر رہا ہے۔"

"آپ نے ابھی جو الفاظ کہے تھے مرزا صاحب، ان کا جواب دے رہا ہوں میں، اگر فیصل رضا واقعی گناہ گار ہے اور اس نے قتل کیا ہے تو آپ یقین کیجئے کہ اس کی سزا کے لئے ہر طرح سے کوششیں کی جائیں گی، لیکن اگر وہ بے گناہ ہے اور آپ نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کئے بغیر ہی اپنے ذہن میں اسے قاتل قرار دے دیا ہے تو بس ایک درخواست کرتا ہوں آپ سے کہ بہتر ہے کے آپ اس کیس سے دستبردار ہو جائیں اور کسی اور وکیل کو یہ کیس لڑنے دیں۔"

"بہت آگے بڑھ کر بول رہے ہو صاحبزادے...... میری پوری عمر گزری ہے۔"

"وہی میں عرض کرنا چاہتا تھا کہ آپ نے پوری عمر غالباً اسی طرح کے کیسوں میں گزار دی ہے...... عدنان واسطی میں اور آپ میں یہی فرق ہے...... فیصل رضا کا کیس عدنان واسطی صاحب کے پاس آیا ہے اور عدنان صاحب اس کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے ہیں کہ فیصل رضا واقعی مجرم ہے یا پھر اس کے جرم کی صحیح تفتیش نہیں ہو سکی، آپ نے غالباً انسپکٹر اقبال شاہ سے خاصی ملاقاتیں کی ہیں اور آپ دونوں مل کر فیصل رضا کو قاتل کے فریم میں لانا چاہتے ہیں، لیکن بہتر ہوگا کہ اس کی مکمل تفتیش ہونے دیجئے۔"

"ٹھیک ہے، اگر تم اسے بے گناہ ثابت کر سکتے ہو تو اب تو معاملہ سسر داماد کا ہے جبکہ اقبال شاہ سے تو میرا کوئی ایسا رشتہ بھی نہیں ہے لیکن کھیل اچھا بن رہا ہے، چلو ٹھیک ہے کوشش کر لو...... ہم بھی کوشش کر رہے ہیں۔"

"گڈ...... میں آپ سے یہی کہلوانا چاہتا تھا کہ فیصل رضا کو مجرم ثابت کرنے میں آپ کی کچھ ذاتی کوششیں بھی شامل ہیں۔"

"چائے کی آفر تو ٹھکرا ہی دی گئی ہے، میرا خیال ہے کہ مجھے یہاں سے اُٹھ جانا چاہئے، مرزا جواد بیگ نے کہا اور کرسی سے اُٹھ گیا اور پھر وہ مزید کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گیا تھا...... عدنان واسطی سرد نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے...... بینا کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی اور شہاب کے چہرے پر سنجیدگی، چند لمحے اسی طرح گزر گئے پھر عدنان واسطی نے شہاب کی طرف دیکھا اور بے اختیار مسکرا اُٹھے...... شہاب ان کی جانب دیکھنے لگا تھا۔ عدنان واسطی صاحب بولے۔

"جتنی تمہاری عمر ہے نا بیٹے اگر اس عمر میں جذبات کا یہ انداز نہ ہو تو پھر یہی کہہ سکتے

ہیں ہم کہ انسان اپنی عمر سے بہت آگے بڑھ گیا ہے...... ناراض نہیں، ناراض نہیں، مرزا جواد بیگ کا اپنا ایک ٹائپ ہے، وہ یقینی طور پر اپنے اس کیس کو ہر قیمت پر جیتنے کی کوشش کریں گے، ہماری صورت حال مختلف ہے...... خوش قسمتی سے ہم دو ایک ہی مزاج کے لوگ مل گئے ہیں، ہماری نگاہوں میں وہ مظلوم گھرانہ ہے جس میں رہنے والے تین افراد اپنے سروں سے سایہ ہٹتا ہوا محسوس کر رہے ہیں، وہ اپنے ایک ساتھی کے کھو جانے سے خوفزدہ ہیں، جبکہ مرزا جواد بیگ کے بنک بیلنس میں ایک معقول اضافے کی امید ہے، بس اتنا سا فرق ہے سوچ میں، لیکن بہر حال ہماری سوچ ہمارے ایمان کو زیادہ مستحکم کرتی ہے...... جواد بیگ اپنا کام کر رہے ہیں ہمیں اپنا کام کر لینا چاہئے...... مطمئن رہو، حقیقت سامنے آ کر رہے گی۔"

جی...... یقینی طور پر اور پھر اس رات شہاب نے بینا کی موجودگی میں ڈبل او گینگ کے افراد کو ہدایات دی تھیں۔

"اقبال شاہ اس پولیس انسپکٹر کا نام ہے جس کے علاقے میں یہ کیس موجود ہے...... مرزا جواد بیگ ایڈووکیٹ ہیں...... اس کے علاوہ امجد فضل خان وہ ٹرانسپورٹر ہے جس کی بھتیجی کا قتل ہوا ہے۔ پورا گینگ ان تین افراد کے گرد پھیل جائے اور ان کی تمام تر کارروائیوں پر بھرپور نظر رکھی جائے، اس سلسلے میں کوئی بھی اہم رپورٹ ہو فوری طور پر مجھے دی جائے، اس کے علاوہ دو افراد شہاب...... بینا اور عدنان واسطی صاحب کی نگرانی کریں اور خیال رکھیں کہ ان پر کسی طریقے سے نگاہ تو نہیں رکھی جا رہی ہے۔" جواب میں انجم شیخ کی آواز سنائی دی تھی۔

"یس سر...... تمام چیزوں کا دھیان رکھا جائے گا۔" ٹرانسمیٹر پر سلسلہ منقطع کرنے کے بعد شہاب نے بینا کی جانب دیکھا...... بینا کی آنکھوں میں ایک سحر انگیز کیفیت تھی، وہ اپنے بیڈ روم میں تھے اور تمام معمولات سے فراغت پانے کے بعد آرام کرنے کے لئے اندر آئے تھے...... شہاب ایک کرسی پر بیٹھ گیا تو بینا نے محبت بھرے انداز میں پوچھا۔

"چائے پئیں گے۔" شہاب نے نگاہیں اٹھا کر بینا کو دیکھا اور بولا۔

"کون بنائے گا۔"

"کیوں...... میں بناؤں گی۔" شہاب کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے کہا۔

"نہیں بیٹا...... اس کے برعکس تم میرے قریب بیٹھو اور اگر کچھ عنایت ہی کرنا چاہتی ہو تو اپنی گرم سانسوں کو میرے وجود میں پیوست کر دو...... چائے بھلا ان کے سامنے کیا دے گی۔"

"خدا آپ کو سمجھے...... اچھے خاصے جذبات کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔"

"ارے...... ارے...... میں کسی غیر لڑکی سے تو یہ بات نہیں کہہ رہا۔"

"پلیز میں بڑی سنجیدہ ہوں۔"

"کیوں، وجہ۔"

"اس وقت آپ نے جو ہدایات جاری کی ہیں کیا عام حالات میں وہ ہدایات آپ میرے سامنے جاری کرتے۔"

"ہرگز نہیں بیٹا...... بھلا اس کا کیا سوال ہے، ویسے اس سلسلے میں ایک شعر میرے ذہن میں آتا ہے، سن لو شعر ہے۔

راز ہستی راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو
کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں

بات بینا کی ہے نا اور بینا ایک قلمرو کی رانی ہے ایک شہنشاہ کی رانی...... ظاہر ہے شہنشاہ رانی سے اپنی حقیقتیں نہیں چھپا سکتا، بینا یہ ایک بہت بڑی سچائی ہے کہ اپنے والد کے سچ پر قربان ہونے کے بعد میں نے دل میں یہی فیصلہ کیا تھا کہ زندگی کو کوئی جہالت کا رنگ نہیں دوں گا...... ان لوگوں کی مانند جیوں گا جو کامیاب زندگی گزارتے ہیں اور اپنی سچائی کی صلیب پر نہیں لٹک جاتے...... میں نے یہ صلیب اپنے قبضے میں کر لی ہے...... صلیب وہی سچ کی صلیب ہے لیکن اس پر سزا پانے والے سچے لوگ نہیں ہیں بلکہ وہ جھوٹے لوگ ہیں جنہیں ان کے جھوٹ کی سزا سچ کی صلیب پر دی جاتی ہے...... آج تک یہی کرتا رہا ہوں اور بہت مطمئن ہوں اس بات سے کہ وقت نے، حالات نے، قدرت نے میری مدد کی ہے...... بینا بہت چھوٹی سی بات ہے...... بہت چھوٹی سی بات ہے، لیکن ہماری تاریخ شاہد ہے اور تمہارا بھی تجربہ گواہ ہے کہ بہت چھوٹی سی بات بہت بڑی نکل آتی ہے اور بات حقیقی بنیادوں پر بہت بڑی ہے اور اس بے سہارا خاندان کا اکلوتا ستون زمین بوس ہو رہا ہے...... کیسے گر جانے دوں اسے اور اگر اس سے کوئی جذباتی لرزش ہوئی ہے تو پھر مجبوری ہو گی بینا...... ویسے مرزا جواد

بیگ جیسے لوگ لحاتی طور پر ذہن خراب کرنے کا باعث بن جاتے ہیں...... وہ کیا کر سکتے ہیں حقیقتوں سے نا آشنا لوگ اپنے آپ کو بڑی بلندیوں پر محسوس کر لیتے ہیں، لیکن یہ نہیں جانتے کہ اونٹ بھی ہوتا ہے اور پہاڑ بھی، اب کیا کہا جائے۔"

"تو پھر کیا پروگرام ہے شہاب۔"

"کچھ نہیں بینا...... بس جائیں گے، میرا مطلب ہے کام شروع کریں گے اور اعلیٰ پیمانے پر کریں گے، وکیل صاحب پوچھ رہے تھے کہ وہ لوگ جنہوں نے ہمیں یہ کیس دیا ہے، کوئی معاوضہ ادا کرنے کے قابل تو ہیں نہیں اور یہی تو ان کی خوبی ہے جسے وکیل صاحب نہیں سمجھتے۔" شہاب نے کہا اور بینا قربان ہو جانے والی نظروں سے شہاب کو دیکھنے لگی، پھر آہستہ سے بولی۔

"اور میں آج تک اس بات پر حیران ہوں شہاب یقین کرو میں واقعی اس بات پر حیران ہوں کہ آخر زندگی میں کون سا ایسا نیک کام کر لیا جس کے انعام کے طور پر تم مجھے ملے ہو۔"

شہاب نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور بولا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اب مجھے وہ حق حاصل ہو گیا ہے جس کے لئے میں نے چائے کی جگہ فرمائش کی تھی۔" بینا کے چہرے پر شرم آلود مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے نگاہیں جھکا لی تھیں...... دوسرے دن چھٹی کا دن تھا، حالانکہ شہاب نے ویسے بھی ایک طویل چھٹی لے رکھی تھی، لیکن گھر کے دوسرے لوگوں کی چھٹی ہوا کرتی تھی تو اس دن کی نوعیت بالکل مختلف ہو جاتی تھی...... فائق حسین، واثق وغیرہ بھی گھر پر ہوا کرتے تھے...... طے یہ ہوا کہ عدنان واسطی صاحب کو کھانے پر بلایا جائے اور گھر میں تھوڑی سی ہنگامہ آرائیاں ہوں...... اس سلسلے میں فوراً عدنان واسطی صاحب سے رابطہ قائم کیا گیا...... بے چارے دو افراد تھے صرف ایک ٹیلی فون کال پر تمام پروگرام ملتوی کر کے بیٹی کی سسرال پہنچ گئے...... نعیمہ بیگم، ثریا بھابی، باقی افراد، گھر میں جو رونق ہوئی وہ قابل دید تھی، داماد بھی آ گئے تھے اور سب لوگ ہنسی مذاق میں مصروف ہو گئے تھے...... ایک زبردست ہنگامہ آرائی برپا تھی، سارے لوگ اپنے اپنے طور پر تفریحات میں مشغول تھے...... مشورہ کیا گیا کہ کھانے پکانے کا کیا بندوبست ہو، چنانچہ ایک دلچسپ تجویز پیش کی گئی وہ تجویز یہ تھی کہ آج کا کھانا پکانا مردوں کے سپرد رہے اور عورتوں کی بجائے کچن میں مرد پہنچیں اور کھانا پکانے کی ذمہ داری قبول کریں......

بہر حال یہ شرط بھی مان لی گئی اور اس کے بعد خوب ہنگامہ آرائی ہوئی...... دستر خوان پر جو کچھ نظر آیا تھا وہ تھا تو بہت عجیب و غریب، لیکن اس میں جو ایک تبدیلی تھی وہ انتہائی دلچسپ اور خوشگوار تھی، بہر حال کھانے کی میز پر بھی خوب خوش گپیاں ہوتی رہیں...... پھر تقریباً چار، ساڑھے چار بجے یہ ہنگامہ آرائی ختم ہوئی اور عدنان واسطی صاحب شہاب اور بینا کو لے کر شہاب کے کمرے میں جا گھسے...... انہوں نے کہا۔

"بھئی یہ تو ہو گئی چھٹی والی بات، لیکن اب کچھ کام کی بات ہو جائے تو کوئی حرج تو نہیں ہے۔"

"آج تو پاپا رہنے ہی دیا جائے، آج بالکل موڈ نہیں ہے، ایسی کوئی بات کرنے کا...... بینا نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... اگر یہ بات ہے تو میں معذرت چاہتا ہوں۔"

"لیکن واسطی صاحب میرے ذہن میں شروع ہی سے ایک پروگرام تھا اور سوری بینا، یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہاری بات کاٹ رہا ہوں یا تمہاری اس خواہش سے انحراف کر رہا ہوں جس کا اظہار تم نے کیا ہے، بس یونہی چونکہ کام کے بغیر زندگی ادھوری محسوس ہوتی ہے اس لئے، یہ تجویز میرے ذہن میں تھی اور آج شام کیلئے میں اس تجویز پر عمل کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔"

"تجویز کیا تھی۔"

"ایک چکر ہم ان لوگوں کے گھر کا لگاتے ہیں۔"

"کن لوگوں کے گھر کا۔"

"وہی رضا حسین کی بات کر رہا ہوں۔"

"ہاں...... اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے...... ہم اسے کوئی ایسا کام نہیں سمجھتے جس میں یہ کہا جائے کہ ہماری چھٹی متاثر ہوتی ہے۔"

"نہیں...... بس یونہی یہ بات میرے ذہن میں تھی۔"

"بہت اچھی بات ہے...... کیوں واسطی صاحب آپ کا کیا ارادہ ہے۔"

"بھئی میرا وہاں جانا مناسب نہیں ہوگا، اب تم لوگ یہ تو سمجھتے ہو کہ ہم فریق بن چکے ہیں...... خاص طور پر مرزا جواد بیگ سے گفتگو ہونے کے بعد تو صورت حال کو ذرا سنگین حدود میں داخل کرنا پڑے گا، کیونکہ مرزا جواد بیگ کے بارے میں یہ بات شاید تمہارے

علم میں نہیں ہو کہ وہ جب کسی سے کوئی مسئلہ کرتے ہیں تو پھر کچھ ایسے لوگوں کو بھی مصروف کر دیتے ہیں جو ایک طرح سے ان کے زر خرید ہوتے ہیں۔"

"کیا مطلب۔"

"کچھ ایسے لوگ جو اچھی شہرت کے حامل نہیں ہیں، مرزا جواد بیگ کے لئے کام کرتے ہیں...... مطلب یہ ہے کہ وہ ذرا ان کے تحفظ کے لئے یا پھر ان کے کسی مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تیار رہتے ہیں۔"

"واسطی صاحب یہ تو بڑا عجیب انکشاف کیا ہے آپ نے، کیا آپ کو اس کا ذاتی تجربہ ہے۔"

"ہاں۔"

"پھر تو انکار کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا لیکن طریقہ کار کچھ غیر مناسب نہیں ہے۔"

"اصل میں ابھی تک ایسی کوئی صورت حال سامنے نہیں آئی جس سے اندازہ ہو سکے کہ مرزا جواد بیگ نے اپنے کسی موکل کے خلاف کوئی غیر قانونی اقدامات کئے ہیں...... وہ لوگ جو انہوں نے اپنے طور پر کرائے پر حاصل کئے ہوئے ہیں اصل میں ایسے کاموں کی نگرانی کرتے ہیں جن سے مرزا جواد بیگ کو یہ خطرہ ہو کہ اپنے ہاتھ میں آیا ہوا کیس ہار جانے کی پوزیشن میں آ گئے ہیں...... میرا مطلب صرف اتنا سا تھا کہ ہمیں اپنا ہر قدم اٹھاتے ہوئے مرزا جواد بیگ کی جانب سے ہوشیار رہنا ہوگا...... دوسری طرف تم برا نہ ماننا، شہاب ویسے تو اچھے برے لوگ ہر محکمے میں ہوتے ہیں لیکن جہاں تک اقبال شاہ سے میرا معاملہ ہے یعنی میں جس قدر اسے جانتا ہوں اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال شاہ بھی ایسا ہی آدمی ہے جو آسانی سے کام کر دیا کرتا ہے...... شہاب کچھ دیر خاموشی سے سوچتا رہا پھر اس کے بعد اس نے کہا۔

"اور اگر ان دونوں باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے واسطی صاحب اتنی سی بات دماغ میں اُبھرتی ہے کیا آپ اس سے اتفاق کریں گے۔"

"تیسری بات۔"

"جی ہاں۔"

"کیا، ذرا سی وضاحت کرو۔"

مرزا جواد بیگ اور اقبال شاہ کو اس راستے پر لگانے والا کون شخص ہو سکتا ہے، ہم یہ بات

تو کھلے دل سے کہہ سکتے ہیں کہ امجد فضل خان جس کی بھتیجی کا قتل ہوا ہے اور یہ قتل اس
معمولی سے ملازم نے کیا ہے، اپنے اس معمولی سے ملازم کو معاف کرنے کے لئے ہر
اُٹھا سکتا ہے، لیکن کیا امجد فضل خان جیسا شخص یہ بھی چاہے گا کہ کوئی ایسا شخص اس معا
میں پھنس جائے جس نے اصل گناہ کیا ہو۔" شہاب کے سوال پر عدنان واسطی اور بینا
سوچ میں ڈوب گئے، کچھ لمحے کے بعد عدنان واسطی نے کہا۔

"شہاب میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں...... واقعی یہ تو ایک نیا نکتہ نگاہوں کے سا
آیا ہے، ہمیں اس پر غور کرنا پڑے گا۔"

خیر غور تو ہم ایک ایک نکتے پر کریں گے...... شہاب نے کہا۔

"ہاں بھئی...... سچی بات یہ ہے کہ اب یہ دماغ بوڑھا ہو گیا ہے اور جوانی کے عالم
بھی ہم نے صرف قانون کی کتابوں میں داخل ہو کر قانون کی دفعات تلاش کی ہیں......
یہ کہ اندر سے کیا ہو رہا ہے اس کے بارے میں سچی بات یہ ہے کہ کبھی بھاگ دوڑ نہیں کی
نہ ہی اپنے اندر اتنی ہمت پائی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے واسطی صاحب اب دن کی تفریحات ختم ہو گئیں...... آپ ل
انجوائے کیجئے ان لوگوں کے ساتھ، ویسے بھی آپ کا سمدھیانہ ہے...... تھوڑی سی گپیں
رہیں گی...... ہم لوگ ذرا خاموشی سے نکل جائیں گے کیونکہ اس وقت اہل شرارت
آسانی سے گھر سے باہر نہیں جانے دیں گے۔"

"اور اگر مجھ سے سوال کیا گیا تو۔"

"تو آپ بھی دوسروں کی طرح لاعلمی ظاہر کیجئے...... ہم لوگ اپنے کمرے میں
ہمارے پاس ایسے ذرائع ہیں کہ ہم خاموشی سے یہاں سے نکل جائیں...... اصل میں جو لو
باہر کے مہمان آئے ہوئے ہیں نا، ان کو چھوڑ کر جانے کی اجازت نہ تو والدہ صاحبہ دیں گی
نہ بھابی صاحبہ، چنانچہ خاموشی سے نکل جانے ہی میں عافیت ہے۔"

"جیسا پسند کرو بھئی، ہمیں ذرا سی اداکاری کرنا پڑے گی۔"

" آپ کو...... ظاہر ہے آنٹی تو اس میں شریک نہیں ہوں گی۔"

"تمہاری آنٹی کا بھی کوئی جواب نہیں ہے، کبھی انہوں نے زندگی میں جھوٹ بو
کوشش کی تو یقین کرو اتنی سچائی سے جھوٹ بولا کہ جھوٹ پر بھی شرم آ جائے۔" وا

صاحب نے کہا اور سب ہنسنے لگ گئے، پھر اس کے بعد واسطی صاحب تو کمرے میں چلے گئے
تھے...... شہاب اور بینا مختصر سی تیاریاں کرنے کے بعد باہر نکل آئے، درحقیقت کسی کو اندازہ
بھی نہیں ہو سکا تھا کہ یہ دونوں کب باہر نکل گئے ہیں...... شہاب خاموشی سے کار ڈرائیو کر رہا
تھا...... ان لوگوں کے ذہنوں میں عجیب سے خیالات تھے...... یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، اس
سے پہلے بھی اس طرح کے لاتعداد واقعات سے واسطہ پڑ چکا تھا اور بہر حال تقدیر نے انہیں
کامیابی ہی عطا کی تھی، ویسے بھی انسان کا ایمان ہونا چاہئے کہ اللہ کی طرف سے بے گناہوں
کی مدد ہوتی ہے، اب یہ الگ بات ہے کہ شیطان کا عمل بھی جاری تو رہتا ہی ہے آخر اسے بھی
کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوتا ہے، ورنہ اس کی شیطانیت کہیں جا سوئے تھوڑی دیر کے بعد اس
علاقے میں پہنچ گئے جس کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو چکی تھیں...... کار کو ایک جگہ کھڑا
کرنے کے بعد شہاب اور بینا فاصلہ طے کرتے ہوئے اس گھر کے دروازے تک پہنچ گئے......
کار کو براہ راست گھر کے دروازے تک لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ بات کسی اور کے علم
میں بھی آ جائے، صورت حال تھوڑی سی ذرا اُلجھی ہوئی تھی، اس لئے اس بات پر غور کرنا پڑا
تھا...... دستک دی تو فاطمہ نے دروازہ کھولا...... ایک لمحے کے لئے ان دونوں کو پہچاننے کی
کوشش کرتی رہی اور پھر پہچان گئی، جلدی سے پیچھے ہٹ کر بولی۔

آپ لوگ، آیئے، براہ کرم اندر جائیے، شاید کافی عرصے کے بعد اس کے چہرے پر
خوشی کی لہر بیدار ہوئی تھی اور اس کی وجہ یہی تھی کہ ان دونوں کی آمد اس کے لئے غیر متوقع
تھی، اس نے جلدی سے پلٹ کر دروازہ بند کر لیا اور بے اختیار چیخی۔

"امی، ابو دیکھئے کون آیا ہے...... وہ لوگ آئے ہیں ابو، وہ وکیل صاحب اور وکیل
صاحب ابو اور رضا حسین اور اس کی بیوی باہر نکل آئے تھے...... پورے گھر پر ایک سوگوار
کیفیت طاری تھی، اس سوگواری کو محسوس کیا جا سکتا تھا وہ دونوں بھی شہاب اور بینا کو دیکھ کر
ہکابکا رہ گئے اور رضا حسین نے فوراً ہی ان کے لئے بیٹھنے کا انتظام کرتے ہوئے کہا۔

"امید نہیں تھی اس طرح آپ لوگ اچانک بغیر کسی اطلاع کے آئیں گے۔"

"یہ بتایئے آپ کو ہماری آمد سے تکلیف تو نہیں ہوئی۔" شہاب نے سوال کیا۔

"وکیل صاحب یہ تکلیف ہمیں کیسے ہو سکتی ہے، ہم نے اپنے آپ کو کبھی اس قابل
نہیں سمجھا کہ آپ جیسی شخصیت ہمارے گھر آئے...... ارے وکیلوں کے پاس تو لاکھوں چکر

لگانے پڑتے ہیں وہ بھلا۔"

"خیر آپ کا جو دل چاہے کہہ لیجئے، میں آپ سے کیا عرض کروں...... حالانکہ اصولی طور پر میں وکیل ہوں ہی نہیں۔"

"جی...... وکیل نہیں ہیں۔"

"جی ہاں، وکیل کا داماد ہوں۔" شہاب نے کہا اور ہنسنے لگا۔

"وہ صاحب جو عدنان واسطی صاحب۔"

"جی ہاں...... یہ ان کی صاحبزادی بینا ہیں اور میری بیگم ہیں، البتہ یہ وکیل ہیں۔"

"اس دن تو اصل میں تعارف ہو ہی نہیں سکا تھا اور پھر سچی بات تو یہ ہے کہ تعارف کی گنجائش نہیں تھی، ہم لوگ تو بہت معمولی لوگ ہیں۔"

"جی...... واقعی آپ بہت معمولی سے لوگ ہیں، بھلا معمولی سے لوگوں کا کہیں انسانوں سے تعارف ہوتا ہے۔" شہاب نے کہا اور رضا حسین چونک کر دیکھنے لگے، پھر ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے...... انہوں نے کہا۔

"اصل میں بیٹے...... معاف کیجئے گا وکیل صاحب، انسان اپنی اوقات کا تعین تو نہیں کرنا چاہتا، لیکن وقت، حالات، سماج اور معاشرہ اسے مجبور کر دیتا ہے کہ وہ انسانیت کا تعین بھی کرے اور انسانوں کی ان قسموں کو تسلیم کرے جو وقت اور حالات نے مقرر کی ہیں...... غربت، مصیبت، درجے یہ ساری چیزیں اب اس دُنیا میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں...... ان کے خلاف بولنے والے خوبصورت تقریریں تو کر سکتے ہیں لیکن وہ خود بھی جانتے ہیں کہ ان کی تقریریں بے مقصد اور ٹوٹی پھوٹی ہوتی ہیں۔"

"جی ہاں...... بالکل ٹھیک کہا آپ نے، بہرحال میں کوئی جذباتی گفتگو نہیں کرنا چاہتا آپ سے...... اس سلسلے میں کام شروع کر دیا گیا ہے، آپ کو بتانا بھی مقصود تھا...... اس کے علاوہ یہ بھی مسئلہ ہے کہ کچھ تھوڑی سی معلومات آپ سے ہو جائیں تو ہمارے لئے کارآمد رہیں گی۔"

"بڑی خوشی کی بات ہے یہ تو کہ آپ لوگ مجھ غریب کے معاملے میں اتنی دلچسپی لے رہے ہیں، صرف اللہ سے آپ کی صحت و تندرستی اور زندگی کی دعا ہی کر سکتا ہوں۔"

"بس وعدہ کیجئے کہ یہ دعائیں جاری رکھیں گے۔"

"ہاں...... کیوں نہیں...... لیکن پتا نہیں میری دعاؤں کی قبولیت کی کیا کیفیت ہو کیونکہ اپنے بیٹے کے لئے مانگی ہوئی دعائیں بھی ابھی تک مقبولیت کی منزل میں داخل نہیں ہو سکی ہیں۔"

"سب سے بڑا مسئلہ اور مرحلہ یہی ہوتا ہے رضا حسین صاحب...... میں مذہبی آدمی نہیں ہوں لیکن جن لوگوں کو مذہب کے بارے میں معلومات حاصل ہیں وہ کم از کم ایک بات ضرور کہتے ہیں وہ یہ کہ جب کسی مشکل میں انسان پڑ جاتا ہے تو اس کے بعد اسے حوصلے سے کام لینا چاہئے کیونکہ امتحان کے وہی لمحات زیادہ سخت ہوتے ہیں اور انہی لمحات سے گزر جانے کا مطلب یہ ہے کہ امتحان میں کامیابی حاصل ہو گئی۔"

"ماشاءاللہ بڑے اچھے خیالات ہیں خیر ظاہر ہے اچھا ہی کہوں گا تمہیں...... مجھے بتاؤ میں اپنے بیٹے کی زندگی کے حصول کے سلسلے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"کچھ معلومات درکار ہیں آپ سے۔"

"ہاں پوچھو۔"

"براہ کرم مجھے اس سلسلے میں مکمل تفصیلات بتاتے جایئے جس قدر آپ کو معلوم ہیں اور فاطمہ آپ چونکہ فیصل رضا کی اکلوتی بہن ہیں، ظاہر بات ہے بہن بھائیوں کے درمیان خاص مفاہمت ہوتی ہے، آپ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے جو کچھ آپ کے علم میں ہے اس کی مجھے پوری تفصیل بتایئے...... بہت ضروری ہے یہ تفصیل معلوم ہونے کے بعد مجھے کچھ فیصلے کرنے میں آسانی ہو گی۔"

"آپ یقین کیجئے کہ میں آپ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔"

"بہرحال ہماری دعا ہے میری اور میری بیوی کی کہ فیصل رضا صحت و تندرستی کے ساتھ اپنے اس الزام سے بری ہو کر آپ کے پاس واپس پہنچے، لیکن اس کے لئے آپ کا تعاون بے حد ضروری ہو گا...... اگر آپ نے کہیں بھی اس تعاون سے گریز کیا تو میرے لئے کام کرنے میں مشکلات پیش آئیں گی۔"

"نہیں...... نہیں آپ اس کا تصور نہ کریں، اس وقت تعاون نہیں کریں گے آپ سے تو پھر وہ کون سا وقت ہو گا۔"

"بالکل ٹھیک...... فاطمہ آپ یہ بتایئے کہ فیصل رضا کیا واقعی اپنے باس کی بھتیجی رمشہ

سے محبت کرنے لگا تھا۔" فاطمہ ایک لمحے کے لئے خاموش رہی اس نے اپنے باپ کی جانب دیکھا، پھر آہستہ سے بولی۔

"میں معذرت خواہ ہوں ابو...... آپ کے سامنے ایسے الفاظ زبان سے نکالوں گی جو آپ کے احترام کی وجہ سے مجھے نہیں نکالنے چاہئیں، لیکن جیسا کہ وکیل صاحب نے کہا یہ مجبوری ہے، چنانچہ میں۔"

"ہاں...... تم جو کچھ بتا سکتی ہو وکیل صاحب کو بے دھڑک بتاؤ، میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔" رضا حسین نے کہا۔

"جی ہاں، غالباً رمشہ صاحبہ بھائی جان سے متاثر تھی، بھائی جان کی خود تو کبھی جرات نہیں پڑسکتی تھی کہ کوئی ایسا کھیل شروع کریں...... سب سے بڑی بات یہ تھی وکیل صاحب کہ اتنے عرصے کی کوششوں کے بعد انہیں یہ ملازمت ملی تھی، اس ملازمت کو وہ عشق و محبت کی نذر نہیں کر سکتے تھے...... کئی بار انہوں نے مجھ سے کہا کہ فاطمہ کچھ عجیب سے حالات سے واسطہ پڑ رہا ہے آج کل...... کیا بتاؤں تمہیں اور کیا نہ بتاؤں لیکن انسان کو اپنی زندگی میں ایک رازدار کی ضرورت ہوتی ہے...... چلو میری رازدار بن جاؤ اس وعدے کے ساتھ کہ جو کچھ میں تمہیں بتاؤں گا اسے تم چھپا کر رکھو گی۔"

"جی میں وعدہ کرتی ہوں بھائی جان۔"

"وہ اصل میں میرے مالک کی ایک بھتیجی صاحبہ ہیں، کہتی تو یہ ہیں کہ وہ سب کچھ انہی کا ہے اور ٹرانسپورٹ کی اس کمپنی کے اصل مالک وہ ہیں...... امجد فضل خان تو ایک طرح سے اس تمام کام کے نگران ہیں اور ان کا مستقبل بہت شاندار ہے...... انہوں نے پہلی بار مجھے اپنی کار میں چھوڑنے کی پیشکش کی تو میں نے شکریہ کے ساتھ اسے مسترد کر دیا لیکن دوسری تیسری بار انہوں نے کہا اور پھر کسی قدر ناراض ہونے لگی تو مجھے ان کی قربت قبول کرنی پڑی...... اب صورت حال مجھے کچھ گڑبڑ نظر آتی ہے۔" میں نے پوچھا، بھائی جان کیسی گڑبڑ تو بس وہ خاموش ہو گئے...... مطلب صاف ظاہر تھا...... اس کے بعد دو تین بار میں نے خود ہی کریدا تو وہ کہنے لگے کہ رمشہ کھل کر ان سے اظہار محبت کر چکی ہے اور کہتی ہے کہ وہ ان سے شادی کرے گی۔"

"آپ نے یہ نہیں پوچھا فاطمہ کہ کیا رمشہ کے چچا امجد فضل خان کو یہ بات معلوم ہو گئی۔"

"پوچھا تھا۔"

"پھر۔"

"بھائی جان نے بتایا کہ نا صرف انہیں بلکہ چونکہ محترمہ رمشہ انہیں اتنی زیادہ اہمیت دینے لگی ہیں اور دفتر میں بھی کبھی کبھی ان کے سامنے کرسی ڈال کر بیٹھ جاتی ہیں اور ان سے باتیں کرتی رہتی ہیں...... کئی بار امجد فضل خان نے بھائی جان کو طلب کر کے ان کے کام کی کوتاہیوں پر ڈانٹ ڈپٹ بھی کی، لیکن بھائی جان نے انہیں یہ بتایا کہ رمشہ ان کے سامنے بیٹھی ان سے حساب کتاب طلب کر رہی تھی...... اس لئے اس کام میں دیر ہو گئی، مطلب یہ کہ وہاں موجود تقریباً تمام افراد کو اس بارے میں معلومات حاصل تھیں کہ رمشہ بھائی جان کی جانب متوجہ ہیں۔"

"ہوں...... اس کے علاوہ ایسی کوئی خاص بات جو آپ کے خیال میں باعث توجہ ہو۔"

"جی ہاں...... ایک خاص بات ہے جس پر غور کرنے کے بعد ہم لوگوں نے فیصلہ کیا تھا کہ یہ وکیل صاحب کو بتائی جائے گی...... آپ خود تشریف لے آئے اس لئے یہ بات آپ کو بتانا بے حد ضروری ہے لیکن براہ کرم آپ وکیل صاحب کو بھی بتا دیجئے گا۔"

"مجھے تو صرف اس بات پر شرم آتی ہے وکیل صاحب کہ میں نے آپ لوگوں کو کوئی معاوضہ بھی ادا نہیں کیا اور مجھے نہیں معلوم کہ آپ کا معاوضہ کیا ہے اور یہ بھی نہیں معلوم کہ میں...... میں اسے ادا بھی کر سکوں گا یا نہیں لیکن میرا بیٹا۔"

"دیکھئے...... آپ معاوضے کی بات کو بالکل ذہن سے نکال دیجئے، یوں سمجھ لیجئے اس وقت یہ بات چیت ہو گی، جب آپ کا بیٹا آزاد ہو کر اپنے گھر واپس آ جائے گا...... آپ سمجھ لیجئے کہ یہ آپ کے اور ہمارے درمیان معاہدہ ہے کہ اس وقت تک آپ سے کسی معاوضے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔"

"اور نہ ہی تعین۔" رضا حسین نے پوچھا۔

"تعین...... بس آپ یہ سمجھ لیجئے کہ وہ معاوضہ اتنا ہو گا کہ آپ بخوشی اور باآسانی دے سکیں گے...... یہ بات تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں اس سلسلے میں اپنے سسر کی نمائندگی کر رہا ہوں۔" شہاب نے کہا اور رضا حسین نے گردن جھکا دی، پھر آہستہ سے بولا۔

"اللہ آپ کو خوش رکھے، اس کے علاوہ میں بدنصیب کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"ہاں...... فاطمہ آپ اپنا بیان جاری رکھیں۔"

"نہیں سر...... بیان کی بات نہیں ہے...... ہوا یہ کہ بھائی جان کے جو خون آلود کپڑے وہاں سے ملے ہیں...... وہ ایک عجیب و غریب نوعیت رکھتے ہیں اور اب غور کرنے پر ہمیں ان کے بارے میں یاد آیا ہے۔"

"کیا۔" شہاب نے دلچسپی سے پوچھا۔

"چونکہ بھائی جان مجھے اپنا رازدار بنا چکے تھے اور اپنے حالات بتاتے رہتے تھے اس لئے اس دن بھی انہوں نے بتایا کہ ابو سے خواہ مخواہ جھوٹ بولنا پڑتا ہے اور اس جھوٹ کی بنیاد بھی ان کا قصور نہیں ہے...... رمشہ جب وہ آفس سے نکلتے ہیں تو باہر ان کی منتظر ہوتی ہے اور بڑے عجیب و غریب بہانے کر کے انہیں اپنے ساتھ بٹھا کر لے جاتی ہے...... کہتی ہے گھر چھوڑ دے گی لیکن کسی پارک میں، کسی تفریحی مقام پر، ساحل سمندر پر یا پھر کسی ہوٹل میں وہ کوشش کے باوجود انکار نہیں کر سکتے...... ایک دو بار رمشہ نے ان سے یہ بھی کہا کہ جب انہیں یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ کاروبار اس کا اپنا ہے تو اس وقت تک تو خاموشی اختیار کریں جب تک کہ امجد فضل خان اس سلسلے میں ان سے کوئی باز پرس نہ کرے یا پھر انہیں اس بات پر ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے کہ وہ رمشہ کے ساتھ کیوں جاتے ہیں...... مطلب یہ کہ وہ یہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ اصل مالک ہے اور ان سے محبت کرتی ہے، چنانچہ وہ صرف دو کام کریں جن کی وہ ہدایت کرے...... جب کبھی امجد فضل خان بھائی جان سے کچھ باز پرس کریں گے اور معلومات حاصلکریں گے تو رمشہ اس معاملے میں دخل اندازی کر دے گی، لیکن ظاہر ہے بھائی جان گھر واپس آ جانے کے بعد امی اور ابو کو یہ بات نہیں بتا سکتے تھے کہ وہ ایک لڑکی کے جال میں گرفتار ہو گئے ہیں اور اس کے ساتھ کسی ہوٹل میں بیٹھے گلچھرے اڑا رہے تھے، چنانچہ وہ اکثر جھوٹ بولتے رہتے تھے اور کہتے تھے کہ دفتر میں اوور ٹائم ہو رہا ہے اور آپ یقین کریں کہ وہ اس اوور ٹائم کی رقم بھی باقاعدہ دے دیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ رقم رمشہ انہیں دیا کرتی تھی، کیونکہ بقول بھائی جان کے انہوں نے رمشہ کو بتا دیا تھا کہ انہوں نے گھر میں کیا کہا ہے، چنانچہ رمشہ ان کے پرس میں نوٹ رکھ دیا کرتی تھی جو اوور ٹائم کی شکل میں بھائی جان گھر لا کر دے دیا کرتے تھے تو اس دن جب بھائی جان واپس آئے تو خاصی دیر ہو چکی تھی، آٹھ ساڑھے آٹھ بج چکے تھے، گھر آنے کے بعد انہوں نے لباس تبدیل کیا، میں آپ کو وہ جگہ دکھا سکتی ہوں جہاں وہ اپنے کپڑے لٹکا دیا کرتے تھے اور اس دن بھی انہوں نے ایسا

ہی کیا تھا...... رات کا کھانا بھی انہوں نے ہمارے ساتھ نہیں کھایا تھا...... پیٹ کے درد کی شکایت کر دی تھی اور بعد میں ہنستے ہوئے بتایا تھا کہ کھانا وہ رمشہ کے ساتھ ایک عمدہ سے ہوٹل میں کھا کر آئے ہیں...... کپڑے وہیں لٹکے ہوئے تھے دوسرے دن چونکہ انہوں نے لباس تبدیل کرنا تھا، میں ان کے اکثر لباس استری خود ہی کر دیا کرتی تھی، چنانچہ دوسرے دن کے لئے میں نے وہ لباس استری کر دیا تھا اور پھر وہ لباس مجھے نہیں ملا...... آپ یقین کیجئے کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ میں پرانے کپڑے کہیں ڈال دیا کرتی تھی اور بعد میں کئی کئی دن تک ان کو نہیں دھویا جاتا تھا...... لانڈری میں نہیں ڈالا جاتا تھا، میں اس لباس کو بھول ہی گئی اور وہ لباس وہاں موجود نہیں ملا...... مجھے یاد آیا کہ یہ تو وہی لباس ہے جو وہاں سے دستیاب ہوا ہے یعنی اس جگہ سے جہاں وہ خون میں ڈوبا ہوا پڑا تھا، جبکہ اس رات میں نے اس لباس کو وہیں ٹنگے ہوئے دیکھا تھا، اس کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے جو امی بتائیں گی، فاطمہ نے کہا اور فیصل رضا کی والدہ گلا صاف کر کے بولیں۔

"ہاں، کیونکہ ہم لوگوں نے یہ طے کیا تھا کہ یہ تمام تفصیلات وکیل صاحب کو بتائی جائیں گی، اصل میں مجھے شوگر کا مرض ہے اور اس کی وجہ سے اکثر رات کو میں جاگ کر واش روم جاتی ہوں...... کئی بار اُٹھ کر پانی بھی پیتی ہوں، اس رات بھی میں اپنی جگہ سے اُٹھی تھی تو میں نے محسوس کیا تھا کہ کوئی باہر موجود ہے، پہلے تو میں یہ سمجھی کہ شاید فیصل کسی کام سے باہر نکلا ہے، جھانک کر فیصل کے کمرے میں دیکھا تو وہ گہری نیند سو رہا تھا...... فاطمہ ہمارے ساتھ ہمارے کمرے میں سوتی ہے وہ بھی اپنی جگہ موجود تھی اور فاطمہ کے ابو بھی، میں نے یہی سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ صرف میرا وہم ہو اور بلاوجہ ان لوگوں کو جگا کر میں پریشان نہ کروں...... بعد میں خیال ہی نہ رہا...... دروازہ اسی طرح بند تھا اور کوئی ایسی نشانی بھی نہیں تھی جس سے یہ سمجھا جائے کہ کوئی اندر داخل ہوا تھا، لیکن اب یہ پتا چلتا ہے کہ وہ لباس باقاعدہ چوری کیا گیا تھا، سمجھ رہے ہیں نا وکیل صاحب، وہ لباس کسی نے فیصل کو پھنسانے کے لئے چوری کر لیا تھا اور بعد میں اسے خون میں ڈبو کر پھینک دیا گیا۔"

"جی، آپ نے بہت اچھا پوائنٹ بتایا ہے مجھے، ہم اس بات کو ذہن میں رکھیں گے، بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ ہیں...... آپ لوگوں کو مکمل حوصلے سے کام لینا چاہئے اور ایک سوال میں آپ سے اور کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ ہزاروں سوال کیجئے۔"

"کسی نے اس کے بعد آپ کو کوئی پریشان کرنے کی کوشش تو نہیں کی۔"

"نہیں...... ہماری پریشانی تو بس یہی رہی ہے کہ ہمارا بچہ زندگی اور موت کے درمیان لٹک کر رہ گیا ہے...... اب کیا کیا جائے اور کیا نہ کیا جائے...... بس یہ سمجھ میں نہیں آرہا صورت حال جو ہوئی ہے اس کا آپ کو اندازہ ہے وکیل صاحب۔"

"پولیس نے یہاں آپ کے گھر کی تلاشی تو لی ہوگی۔"

"بڑی باقاعدگی سے اور بہر حال کسی کو کیا کہا جائے، تقدیر کی خرابی تو پتا نہیں کیا کیا کرا لیتی ہے۔"

"کیا مطلب۔"

"وہ پولیس افسر جو آئے تھے وہ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہم سب کو اس قتل کے الزام میں گرفتار کرنا چاہتے ہوں یا سب کو ہی قاتل سمجھ رہے ہوں، ان کا رویہ بہت خراب تھا۔ بڑے تلخ انداز میں ہم سے ایک ایک چیز کے بارے میں پوچھتے رہے...... فیصل کے پورے کمرے کی تلاشی لی تھی انہوں نے۔"

"کچھ لے گئے تھے یہاں سے۔"

"نہیں...... انہیں کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو وہ ساتھ لے جاتے، یہ بھی ان کی برہمی کی وجہ تھی، وہ ہر قیمت پر فیصل کے خلاف کوئی ثبوت حاصل کرنے کا شوق رکھتے تھے اور ان کا شوق پورا نہیں ہو سکا تھا۔"

"ہوں...... ٹھیک تو اور کوئی ایسی بات جو آپ کے ذہن میں ہو، یاد کر کے بتائیے۔"

"اور تو کوئی ایسی بات ذہن میں نہیں آتی۔"

"ٹھیک ہے، بہت بہت شکریہ...... آپ یوں سمجھ لیجئے جو معلومات آپ نے ہمیں فراہم کی ہیں وہ بھی بڑی اہمیت کی حامل ہیں اور آپ یہ نہ سمجھئے بلکہ میں بتاؤں آپ کو اس وقت تک آپ اس بات کو کسی اور کو بتائیے بھی نہیں جب تک ہم آپ کو مشورہ نہ دیں۔"

"ایک بات بتائیے وکیل صاحب۔" رضا حسین نے سوال کیا اور شہاب ان کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"ہاں...... پوچھئے۔"

"آپ نے واقعی ہمارا کیس اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے...... میرا مطلب ہے عدنان واسطی صاحب نے۔"

"ارے...... آپ کو کوئی شبہ ہے۔"

"شبے کی بات نہیں ہے اصل میں ہم کچھ بھی تو نہیں دے سکے انہیں، اب ایسی بات نہیں ہے کہ ہم انہیں کچھ نہ دے سکیں...... بچے کے لئے جو کچھ بھی ممکن ہو سکتا ہے وہ ہم کریں گے، کچھ عزیز واقارب بھی مالی امداد پر آمادہ ہو گئے ہیں...... آپ صرف یہ بتادیجئے کہ کیا۔"

"رضا حسین صاحب وہ عزیز واقارب جو آپ کی مالی مدد پر آمادہ ہو گئے ہیں، بے شک آپ کا ان سے خون کا رشتہ ہوگا اور کوئی بھی زبردستی یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ وہ آپ کا عزیز ہے...... ہماری خواہش تو یہ تھی کہ آپ ہمیں بھی اپنے عزیزوں میں ہی تصور کر لیتے اور کچھ نہ ملتا تو کم از کم آپ کی طرف سے دعائیں ہی مل جاتیں، دعاؤں کی بھی بہت بڑی قیمت ہوتی ہے...... بہر حال جہاں تک معاملہ لین دین کا ہے تو اس بارے میں آپ سے جو گفتگو ہو چکی ہے اس میں مزید کوئی بات کہنا بس یہ احساس ہوگا کہ آپ ہمارا خلوص بے مقصد سمجھتے ہیں اور اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ کوئی کسی کے ساتھ مخلصانہ طور پر بھی مصروف کار ہو سکتا ہے، اب یہ آپ کی مرضی ہے کچھ دینا چاہتے ہیں تو بے شک عدنان واسطی صاحب کو کچھ دے دیں، ورنہ یہ انہی کے الفاظ ہیں...... ہاں، ایک بات آپ کو بتادوں جب خلوص کی توہین کی جاتی ہے تو دل ٹوٹ جاتا ہے اور اس وقت پھر انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ مدمقابل اسے یا تو چھوٹا سمجھ رہا ہے یا اس کی شخصیت کو قبول نہیں کر رہا۔" جواب میں رضا حسین نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے اور سر جھکا کر کہا تھا۔

"دس جوتے مار لیجئے ان الفاظ پر مگر خدارا برا نہ مانئے گا...... کیا کروں پاگل ہو چکا ہوں، دیوانہ ہو گیا ہوں تھوڑا سا۔"

"اپنے آپ کو سنبھالئے رضا حسین صاحب اور اس وقت کا انتظار کیجئے جب آپ کا بیٹا مشکلات سے نکل آنے کے بعد سرخرو ہو کر واپس گھر آ جائے گا۔"

"اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔" بہر حال یہ تمام جذباتی منظر ہوتے تھے اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، اس سے پہلے بھی ایسے کئی مواقع پیش آ چکے تھے کیا کیا جاتا مجبوری تھی۔ مجرم جرم کرتا ہے اور کبھی کبھی اپنا جرم کسی اور کے سر منڈھنے کی کوشش بھی کرتا ہے، پھنسنے

والا اس طرح پھنستا ہے کہ بیچارہ زندگی سے ہی محروم ہو جائے...... ایسے موقع پر جو بھی کہہ ڈالے وہ کم ہے، لیکن بہر حال اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا، سوائے اس کے کہ خاموشی اختیار کر لی جائے...... بینا اور شہاب وہاں سے واپس چل پڑے تھے اور پھر بینا نے یہ پوچھا کہ شہاب کہاں جا رہا ہے، لیکن جب شہاب نے اپنے اسی مخصوص ہوٹل کے سامنے روکی جہاں ان کی زندگی کے بیشتر واقعات رونما ہوئے تھے تو بینا کے ہونٹوں پر مدھم مسکراہٹ پھیل گئی۔ ہوٹل میں داخل ہوتے ہوئے کہنے لگی۔

"اور یقینی طور پر اب ہم اسی کیبن میں جائیں گے۔"

"ہاں اور ویٹر ہمیں مسکراتی نگاہوں سے دیکھے گا۔"

"کیوں نہ اس ویٹر کو ہم یہ حقیقت بتا دیں کہ مسئلہ اب مختلف ہو چکا ہے۔"

"نہیں بینا چلنے دو...... اسے اس بات میں لطف آتا ہے۔"

شہاب نے کہا...... لیکن آج اس کیبن میں اس ویٹر کی ڈیوٹی نہیں تھی بلکہ وہ نظر نہیں آیا تھا...... نئے ویٹر سے انہوں نے اس کے بارے میں معلوم کیا تو پتا چلا کہ وہ چھٹی اپنے گاؤں چلا گیا ہے اور کچھ دن کے بعد واپس آئے گا، اپنے لئے مطلوبہ اشیا طلب کرتے ہوئے شہاب نے بینا سے کہا۔

"ہاں...... بہر حال میں یہ سمجھتا ہوں بینا کہ اس وقت ہمارا ان کے گھر جانا بڑا کار آمد رہا"

"بہت زیادہ...... اس سے کم از کم ایک بات تو منظر عام پر آئی کہ کوئی شخصیت ایسی جو اس سارے معاملے کو فیصل رضا کے سر تھوپنا چاہتی ہے۔"

"بالکل...... وہ شخصیت کون ہو سکتی ہے۔"

"میں یہ سمجھتی ہوں شہاب کہ ہمیں اپنی تمام تر توجہ امجد فضل خان کی جانب مبذول کرنی چاہئے...... اس کے بارے میں تفصیل سامنے لانا ضروری ہے۔"

"ویری گڈ...... یقین کرو مجھے تم سے اسی بات کی توقع تھی، تم نے سوچا تو ہو گا کہ سے اہم کردار کو میں نے ابھی تک نگاہوں سے اوجھل کر رکھا ہے۔"

"جی نہیں...... اگر اپنے آپ کو سمجھنے کے سلسلے میں میری جان کاری کا دعویٰ ہیں تو آپ کا کیا خیال ہے کیا میں اس کی وجہ نہیں سمجھ سکی ہوں گی۔"

"ویری گڈ...... بتانا پسند فرمائیں گی آپ۔"

"جی فرمائے دیتی ہوں کوئی حرج نہیں ہے۔"

تو ارشاد فرمائیے گا۔

"کیا مجھے یہ بات معلوم نہیں ہے کہ آپ نے ڈبل او گینگ کے آدمیوں کو مختلف لوگوں پر تعینات کر دیا ہے، ان میں جواد بیگ بھی ہیں...... انسپکٹر اقبال شاہ بھی اور دوسرے چند کردار بھی...... ویسے یہ نہیں معلوم مجھے ابھی تک ان میں سے کسی کی طرف سے کوئی رپورٹ موصول ہوئی ہے یا نہیں۔"

"بس اتنی ہی رپورٹ ہے کہ ابھی تک کوئی ایسی خاص بات نہیں ہوئی جسے قابل ذکر کہا جا سکے۔"

"میں سمجھتی ہوں خاص بات ہونی چاہئے۔" بینا نے کہا۔

"مثلاً کیا۔"

"کم از کم ہمیں فوری طور پر امجد فضل خان کے بارے میں صحیح تفصیلات موصول ہونی چاہئیں۔"

"ہاں بینا...... میرا ذہن بھی اس طرف جاتا ہے، ہم تفصیلات معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"او کے...... اب اس سلسلے میں یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اس سب کی تفصیلات کیا ہے...... رمشہ کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنا پڑیں گی، دیکھتے ہیں صورت حال کیا نکلتی ہے۔"

"او کے۔"

"میرے لئے کیا حکم ہے جناب۔"

"کیا مطلب۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ میں بس اب گھر ہی میں بیٹھی رہوں یا باہر نکل کر کوئی کام بھی کروں۔"

میرا خیال ہے تم اس وقت گھر پر نہیں ہو بینا۔"

"ہاں گھر پر تو نہیں ہوں لیکن جناب کی کچھ اجازت بھی درکار ہے۔"

"کیا کرنا چاہتی ہو۔"

"نہیں آپ یقین کریں فی الحال تو کچھ بھی نہیں، لیکن اگر کوئی کام کرنے کو موڈ بنے تو

"سرکاری افسر ہیں آپ اور تنخواہ لے رہی ہیں اس لئے اگر کچھ کرنے کا موڈ ہو تو

کرم ضرور کیجئے گا، وہ تو آپ کے ساتھ اخلاقاً رعایت برت دی گئی ہے کہ بیچاری نئی نئی شادی

شدہ ہے...... چلو کھا، کھیل لینے دو بعد میں مصروف تو ہونا ہی ہے...... سرکاری کاموں میں

سہی غیر سرکاری کاموں میں...... میرا مطلب ہے بچوں وغیرہ میں۔" بینا مسکرانے لگی

پھر اس نے کہا۔

"منہ دھو رکھئے آپ...... ابھی ان جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہتی...... ویسے بھی ملک

ذرا احتیاط کی ضرورت ہے، ہم محبّ وطن لوگ کہلانا چاہتے ہیں۔" جواب میں شہاب کا قہقہہ

گونج اُٹھا تھا...... بہرحال زندگی کے یہ معمولات تو زندگی کے ساتھ تھے...... ایک جانب

گھریلو زندگی جس میں ایک ہنستا بولتا خوبصورت گھر تھا تو دوسری جانب یہ ہنگامہ آرائی، اپنے

گھر کی خوشیوں میں دوسرے گھروں کی خوشیوں کا خیال رکھ لینا بھی یہ سمجھ لیا جائے کہ اپنے

گھر کی خوشیوں کو برقرار رکھنے کے لئے ایک ادائیگی ہے تو غلط نہیں ہوتا...... ہر چیز کا ایک

صلہ ہوتا ہے اور صلہ دینے والی ذات ذاتِ باری تعالیٰ کی ہے، اسے ہمیشہ ذہن میں رکھنا

چاہئے، شاید یہی وجہ تھی کہ شہاب کی ہر طرح سے پذیرائی ہو رہی تھی، ملازمت میں بڑی

ترقی ہوئی تھی۔ زندگی کی ہر خوشی حاصل ہو گئی تھی اور ہر مسئلے میں کامیابی اس کے قدم

چومتی تھی۔ بہرحال اس وقت یہ مظلوم خاندان نگاہوں کے سامنے تھا اور شہاب کی کوشش

تھی کہ جلد از جلد اس مسئلے کو نپٹا لے...... ہر چند کہ نادر حیات صاحب نے اس کی توجہ

منشیات کے سمگلروں کی جانب سے ہٹانے کے لئے اور اس سلسلے میں شدید جذباتی ہونے سے

بچانے کے لئے اسے یہ چھٹی دی تھی، لیکن بہرحال شہاب کے سامنے یہ مسئلہ آ گیا تھا اور یہ

اپنی جگہ ایک الگ نوعیت کا حامل تھا، بلکہ اس سے پہلے زیادہ تر واقعات اسی شکل میں ہوتے

رہے تھے اور یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ صحیح معنوں میں شہاب کی زندگی کی ابتدا ایسے ہی

حالات سے ہوئی تھی، چنانچہ انہیں نظر انداز کر دینا تو کسی طور پر ممکن تھا ہی نہیں، پھر مختلف

اطلاعات کے بعد اسے ایک اہم اطلاع فراز کی جانب سے موصول ہوئی...... فراز اور فراست

کے سپرد یہ ذمہ داری کی گئی تھی کہ وہ امجد فضل خان کے بارے میں تمام تفصیلات معلوم

کر کے شہنشاہ کو رپورٹ دیں، اس وقت شہاب بینا کے ساتھ اپنے کمرے میں موجود تھا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد سب لوگ معمول کے مطابق آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے تھے

کہ ٹرانسمیٹر پر شہاب کو اشارہ موصول ہوا...... شہاب کی بجائے بینا نے ٹرانسمیٹر دیکھا تھا اور

جلدی سے شہاب کو اس کی جانب متوجہ کیا تھا، تب شہاب نے یہ کال موصول کی۔

"سی پی کالنگ...... سی پی کالنگ اوور۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہیلو...... فراز میں نے تمہاری آواز پہچان لی ہے۔"

"سر...... خادم ہی بول رہا ہے۔"

"یقیناً اس وقت کال کرنے کی کوئی خاص وجہ ہو گی۔"

"سر جن معلومات کے سلسلے میں کوششیں کی جا رہی تھیں، ان میں سے کچھ کی تکمیل

ہو گئی ہے۔ ان معلومات کو آپ کے پاس محفوظ کر دینا ضروری تھا، چنانچہ اس جذبے کے

تحت یہ کام کیا ہے اور اس بات پر ذرا اُلجھا ہوا ہوں کہ غلط وقت پر مخاطب تو نہیں کر لیا۔"

"کیا تمہیں وقت کا تعین کرنا چاہئے۔" شہاب نے سوال کیا۔

"نہیں سر...... آئی ایم سوری...... بس یونہی ایسے ہی۔"

"تفصیل بتاؤں۔"

"سر...... ایک مکمل تفصیل ہے جسے مکمل طور پر ہی ذہن نشین کرنا ہو گا...... آپ کی

اجازت ہو تو مسٹر شہاب سے اس سلسلے میں رابطہ قائم کر لیا جائے۔"

"نہیں فراز...... بولو، کیا صورت حال ہے اور کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"سر امجد فضل خان کے بارے میں خاصی تفصیلات معلوم ہو چکی ہیں...... امجد فضل

خان حقیقی طور پر رمشہ کے والد حاجی غیاث فضل خان کا بھائی نہیں ہے بلکہ صحیح بات تو یہ ہے

کہ غیاث فضل خان سے اس کا کوئی رشتہ ہی نہیں ہے بلکہ غیاث علی خان سابق مشرقی پاکستان

میں ہوا کرتا تھا اور امجد فضل خان بھی وہاں پر اس کا منیجر تھا...... امجد فضل خان وہیں سے

غیاث علی خان کے ساتھ یہاں آیا، وہاں پر یہ لوگ اور کاروبار کرتے تھے، یہاں آنے کے

بعد دونوں ساتھ ساتھ ہی رہے اور پھر اس کے بعد غیاث علی خان نے یہ ٹرانسپورٹ کمپنی

کھولی، جس میں امجد فضل خان بس ایک ساتھی کی حیثیت سے تھا لیکن غیاث علی خان چونکہ

بہت ہی اچھا انسان تھا اور پھر یہ لوگ سابق مشرقی پاکستان سے کچھ ناخوشگوار یادیں لے کر

آئے تھے، اس لئے ان کے درمیان خاصی مفاہمت اور دوستی رہی اور ایک طرح سے بالکل

گھریلو سی کیفیت پیدا ہوگئی...... غیاث علی خان کی بیگم کا انتقال ہو چکا تھا اور غیاث علی خان بھی اس دُنیا سے رخصت ہو گیا...... امجد فضل خان کے ہاتھ میں کیونکہ غیاث علی خان کا پو کار... ر تھا اس لئے کسی کو یہ پتا ہی نہیں چل سکا کہ امجد فضل خان کی اصل حیثیت کیا ہے اس کے بعد سے اب تک یہ شخص سارا کاروبار خود سنبھالے ہوئے ہے، اس کے علاوہ جناب ایک اور بیل میرے علم میں آئی ہے جو خاص طور پر قابل ذکر ہے۔"

"وہ کیا۔" شہاب نے دلچسپی سے پوچھا۔

"رمشہ کی ایک جگہ منگنی ہو گئی تھی...... وہ ایک الگ خاندان ہے احمد خان کپڑے تھوک بیوپاری ہے...... علی شہزاد اسی کا بیٹا ہے...... احمد خان بھی کسی زمانے میں سابق مشر پاکستان میں رہ چکا ہے اور وہیں سے امجد فضل خان کے اس سے تعلقات تھے...... اب یہ تو مج نہیں معلوم کہ رمشہ کی منگنی اس کے باپ غیاث علی خان کے دور ہی میں ہوئی تھی یا بعد میں یہ کام ہوا...... صحیح تفصیل مجھے نہیں معلوم، لیکن بہر حال آپ یہ دیکھ لیجئے کہ یہ خاندان ک طور منظر عام پر نہیں آیا اور رمشہ کے قتل کے بعد کسی بھی مسئلے میں اس کا نام نہیں ملتا۔"

"ویری گڈ...... یہ بات تو شاید اقبال شاہ کو بھی معلوم نہیں ہے اور مرزا جواد بیگ بھی نہیں، یہ بات اگر ان دونوں کو معلوم ہے تو اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے اسے انتہا پوشیدہ رکھا ہے...... گڈ...... ویری گڈ...... فراز تم نے واقعی کام کیا ہے...... شہ... کو اس سلسلے میں تفصیل بتائی۔"

"نہیں سر، چونکہ آپ نے براہ راست یہ کہا تھا کہ تفصیل آپ کو بتائی جائے، چنانچہ ابھی تک شہاب صاحب سے اس سلسلے میں کوئی رابطہ قائم نہیں ہوا۔"

"خیر ٹھیک ہے...... میں خود شہاب سے رابطہ قائم کرلوں گا، تم مطمئن رہو۔"

"سر کوئی نئی ہدایت۔"

"نہیں...... ابھی نہیں...... فی الحال تم اپنا کام جاری رکھو، لیکن احتیاط کے ساتھ۔ کیا تم نے علی شہزاد کو دیکھا ہے یا احمد خان سے ملاقات کی ہے۔"

"جی سر، براؤن کلر کی ایک شیراڈ گاڑی ہے جس میں ایک نوجوان آدمی آتا ہے، ا شکل و صورت کا مالک ہے، بعد میں پتا چلا یہی علی شہزاد ہے، چونکہ آپ کی طرف سے سلسلے میں کوئی ہدایت نہیں تھی اس لئے ہم نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی ہے۔"

"تم میں سے کون کون ساتھ ہے...... میرا مطلب ہے دو افراد کی ڈیوٹی ہے نا۔"

"جی سر...... دوسرا افراست ہے۔"

"ہاں...... اب تم یہ کرو کہ تقسیم ہو جاؤ، لیکن اس وقت جب علی شہزاد تمہارے سامنے آئے...... تم میں سے ایک کو علی شہزاد کے پیچھے لگ جانا ہے۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"او کے...... ویسے ان معلومات کے لئے شکریہ۔" شہاب نے کہا اور ٹرانسمیٹر بند کر دیا...... اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل رہی تھی...... بینا اس کی صورت دیکھ رہی تھی، بینا نے کہا۔

"گفتگو تو میں نے سن لی ہے، لیکن تم بہت زیادہ پر جوش ہو گئے ہو شہاب۔"

"یار بینا...... دیکھو نا کتاب کے چپکے ہوئے اوراق کھلتے جا رہے ہیں...... یہ اوراق ایک دوسرے سے چپک گئے تھے، لیکن ان کے درمیان کی تحریر نمایاں ہوتی جا رہی ہے...... خوشی کی تو بات یہی ہے......" پھر شہاب اور بینا بہت دیر تک اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے...... یہ حقیقت ہے کہ کوئی شخص اگر اپنے کام سے دلچسپی رکھتا ہو تو اسے بیکاری کے لمحات سخت ناگوار گزرتے ہیں...... نادر حیات صاحب نے تو اپنے طور پر اسے مکمل طور پر آزادی دے دی تھی اور ان کا خیال تھا کہ دو مہینے کی یہ چھٹی شہاب بڑے سکون سے گزارے گا، لیکن شہاب کو ایک مشغلہ مل گیا تھا اور مشغلہ بھی کافی دلچسپ، ایک طرف عدنان واسطی صاحب نے یہ کیس اپنے سپرد لے لیا تھا تو دوسری جانب شہاب اپنے طور پر یہ کوشش کر رہا تھا اور شاید اس سلسلے میں جواد بیگ صاحب کو بھی خاصی تشویش ہو گئی تھی...... پیشی کی دوسری تاریخ پڑی اور عدنان واسطی صاحب نے تیاریاں کیں اور پھر اس کے بعد عدالت میں کچھ جرح ہوئی اور نئی تاریخ کا اعلان ہو گیا...... جواد بیگ صاحب آج کچھ زیادہ ہی برہم تھے...... کمرۂ عدالت سے باہر نکلنے کے بعد انہوں نے عدنان واسطی صاحب سے کہا۔

"واسطی صاحب...... اصولی طور پر آپ بے شک مجھ سے سینئر ہیں، لیکن جہاں تک ہمارے اور آپ کے درمیان کام کا تعلق ہے تو میرے مقابلے میں آپ کا کام شاید پچیس فیصد بھی نہ ہو، میں چاہتا ہوں کہ یہ کیس جلد سے جلد نپٹا کر اپنے اور کام شروع کروں...... یہ میرا اصول ہے کہ میں اپنے کاموں کو کبھی بے پروائی میں نہیں ڈالتا، آپ کیوں اس معاملے

میں ٹانگ اڑا رہے ہیں۔"

"آپ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر مجھے تعجب ہوتا ہے جواد بیگ صاحب...... کیا کبھی کسی کیس میں معاملہ یکطرفہ ہو سکتا ہے، مدمقابل کوئی نہ کوئی وکیل تو ہوتا ہی ہے۔"

"ہاں ہوتا ہے مقدمے کی نوعیت جب صاف ہو جائے، قاتل سامنے آ جائے تو بہتر یہی ہوتا ہے کہ حق و حقدار رسید ہو۔ اس شخص نے اس بچی کو قتل کیا ہے، اسے اقرار جرم کرنے دیجئے، بلاوجہ بیچ میں آپ نے ٹانگ رکھی ہوئی ہے۔"

"آپ اگر اس ٹانگ کو ہٹا سکتے ہیں جواد صاحب تو ضرور ہٹا دیجئے گا، آپ تو بہت بڑے وکیل ہیں نا۔" عدنان واسطی صاحب کو بھی غصہ آ گیا تھا...... جواد بیگ نے سرد نگاہوں سے عدنان واسطی صاحب کو دیکھا اور بولے۔

"عزت تو میں بے پناہ کرتا ہوں آپ کی، لیکن بہرحال ایک پیشہ ور وکیل ہوں اور مجھے اپنا بھرم بھی قائم رکھنا ہے...... بہتر تھا آپ میری بات مان لیتے اور اگر ایسا نہیں کرتے آپ تو پھر مجھے باقاعدہ آپ کے مدمقابل آ کر گستاخی کرنا ہوگی۔"

"میں اس گستاخی کا منتظر رہوں گا۔" عدنان واسطی صاحب نے بے پروائی سے کہا......

اس وقت یہ لوگ تنہا نہیں تھے بلکہ کچھ اور وکیل بھی اس کے پاس موجود تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ پچھلے کچھ عرصے سے عدنان واسطی صاحب کی حیثیت میں بہت فرق پڑ گیا تھا، لیکن مرزا جواد بیگ مانے ہوئے ایڈووکیٹ تھے اور ان کے کسی مسئلے میں ٹانگ اڑانا بڑا خطرناک کام ہوتا تھا، کیونکہ وہ مانے ہوئے ایڈووکیٹ تھے اور جج صاحبان بھی کسی اہم کیس میں ان کی رائے کو بڑی اہمیت دیا کرتے تھے اور اس کے لئے ان کا احترام بھی کیا جاتا تھا۔ بہرحال عدنان واسطی صاحب نے یہ تمام باتیں شہاب کو بھی بتائی تھیں...... ہر معاملے میں شہاب سے رابطہ تو قائم رہتا ہی تھا...... شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ تو اچھی بات ہے کہ جواد بیگ صاحب نے ہمارے عزم کو جلا بخشی ہے اور ہمیں کام کرنے کا موقع دے رہے ہیں...... آپ ان کی باتوں کی بالکل فکر نہ کریں...... کام آگے بڑھ رہا ہے اور امید ہے کہ اس سلسلے میں بہت جلد کوئی بہت ہی موثر پیش رفت ہوگی...... ویسے ذاتی طور پر تو آپ کو کوئی الجھن یا پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا۔"

"ارے...... نہیں میاں تم لوگوں کی موجودگی میں بھلا مجھے کوئی اُلجھن پیش آ سکتی ہے؟"

اصل میں بڑے بڑے لوگوں سے تو کبھی کوئی جھگڑا مول نہیں لیا، یہ لوگ بلاشبہ تجربہ کار بھی ہیں اور زمانہ شناس بھی، یہ جانتے ہیں کہ کون سے کیس میں انہیں کیا کرنا ہے، اسی انداز میں اپنے کام کا آغاز کرتے ہیں...... میرا مسئلہ تو شہاب تمہیں معلوم ہے کیا رہا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ ایسے بڑے بڑے کیسوں سے بچتا رہا ہوں جن میں بہت بڑی بڑی شخصیتیں شامل ہوتی ہیں...... بھئی، ظاہر ہے میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا، وہ طاقتور لوگ ہیں...... صاحب اختیار ہیں اور میرے تجربے نے مجھے یہی بتایا کہ دل تو چاہتا ہے کہ حق اور سچ کا ساتھ دو اور وہی کہو جو حق ہو، پیشے کا انتخاب ذرا غلط ہو گیا۔ فطرتاً ایسا انسان نہیں تھا کہ مصلحتوں کا لبادہ اوڑھ کر زندگی کو خوشنما پھولوں سے سجا لیتا، بس کرنا تھا سو کیا...... ہاں، البتہ اپنے آپ کو محدود کر لیا کہ بھائی تھوڑا کھاؤ، تھوڑا کماؤ، وہ کرو جس سے عاقبت میں بھی کوئی خدشہ باقی نہ رہے اور تھوڑی بہت صورت حال ایسی پیدا ہو جائے کہ موت کے بعد زندگی کو کوئی خوف نہ رہے۔ مرزا جواد بیگ جیسے لوگ دنیا میں بڑے کامیاب لوگ ہیں، بس یہ خیال ہوتا ہے کہ جو عزت اللہ تعالیٰ نے عطا کر دی ہے تم بچوں کے حوالے سے اس میں بٹہ نہ لگ جائے۔ شہاب نے عدنان واسطی کو تسلیاں دیں اور اس کے بعد اس نے اپنی کارروائیوں میں مزید کچھ اضافہ کر دیا۔ ڈبل او گینگ کے تمام ممبرز مختلف لوگوں پر تعینات تھے...... اس سلسلے میں ایک اہم اطلاع جو شہاب کو موصول ہوئی تھی وہ ایک شخص کے بارے میں تھی جس کا نام جمالو تھا......

جمال الدین یا جمالو کسی زمانے میں کچی شراب بنانے کا بہت بڑا ماہر رہا تھا، کئی بار کا سزا یافتہ تھا، بعد میں یہ پتا چلا کہ جمالو نے توبہ کر لی ہے اور توبہ کی وجہ ایک ایسی عورت تھی جس سے اس نے شادی کر لی تھی، لیکن اپنا کاروبار چھوڑ دینے کے بعد جمالو کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس کے بارے میں بھی تھوڑی بہت معلومات مختلف لوگوں کو حاصل تھیں، بہرحال معاملہ اقبال شاہ کا تھا جمالو کو اقبال شاہ کے ساتھ دیکھا گیا تھا، وہ اقبال شاہ کی جیپ میں بیٹھ کر کئی ایسی جگہوں پر گیا تھا جو ذرا مشکوک تھیں اور جمال الدین عرف جمالو کے ساتھ اقبال شاہ کا رویہ بہت اچھا تھا، چونکہ شہاب نے ایک ایک بات کو اپنے گروہ کے افراد کو سمجھا رکھا تھا، اس لئے جب اقبال شاہ اور جمالو امجد فضل خان کی ٹرانسپورٹ کمپنی میں گئے اور وہاں کافی دیر تک بیٹھے رہے تو ڈبل او گینگ کے ان ممبران کو جو ان دونوں کے پیچھے لگے ہوئے تھے، کچھ شبہ ہوا، پھر وہاں سے اقبال شاہ تو چلا گیا، جمالو تھوڑی دیر کے بعد نکلا تو وہاں سے چلتا ہوا کافی دُور پیدل

گیا، پھر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر شہر کے ایک بڑے جنرل سٹور گیا، جنرل سٹور سے آگے بڑھ کر اس نے ایک میڈیکل سٹور سے کافی دوائیں خریدیں اور اس کے بعد ہسپتال پہنچا، بعد میں تفصیل معلوم ہوئی کہ اس کا پانچ سال کا بیٹا ہسپتال میں داخل ہے، یہ کچھ ایسے واقعات تھے جنھوں نے شہاب کو اپنی جانب متوجہ کر لیا تھا، شہاب نے اپنے آدمیوں کو ہدایت دی کہ ایک ایک لمحے جمال الدین کا تعاقب کریں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ امجد فضل خان، اقبال شاہ اور جمالو کا کیا گٹھ جوڑ ہے، چنانچہ اس سلسلے میں بھی معلومات حاصل کی جا رہی تھیں اور مزید تفصیلات میں علی شہزاد اور اس کا باپ احمد دین بھی آ گئے تھے۔ شہاب چونکہ اس وقت یہ سمجھ چکا تھا کہ معاملہ مرزا جواد بیگ جیسے وکیل کا ہے جو بہر حال تجربہ کار آدمی ہیں، فتح و شکست کا معاملہ نہیں تھا...... ایک بے گناہ کی زندگی بچانے کا کھیل چل رہا تھا، حالانکہ یہ بات سبھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسی بھی وکیل کو کسی ایسے شخص سے ذاتی دشمنی نہیں ہوتی جو کسی طور بے گناہ ہو، بات ثبوتوں اور عدالتوں کی آ جاتی ہے اور ملزم مخالف وکیل کی نگاہوں میں خود بخود مجرم بن جاتا ہے...... مرزا جواد بیگ بھی اپنے کیس کو کامیابی کے ساتھ لڑنا چاہتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ انہیں اس کا بہترین معاوضہ ملا ہوگا، چونکہ معاملہ امجد فضل خان کا تھا، چنانچہ اب اس سلسلے میں دو ہی باتیں تھیں یا تو شہاب اپنی چھٹیوں کو کینسل کر کے اس کیس کو اپنے ہاتھ لے اور تحقیقات کرے یا پھر اسی طرح عدنان واسطی صاحب کی مدد کرتا رہے۔ پہلی صورت میں اسے وہ آسانیاں حاصل ہو جاتیں جن سے اسے کافی مدد مل سکتی تھی، لیکن کبھی کبھی تجربات بھی اپنی جگہ دلکش اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اور اب تک شہاب نے اس تجربے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی، وہ اپنے طور پر کام کر رہا تھا اور اس کے ساتھی مصروف عمل تھے، چنانچہ علی شہزاد کے بارے میں یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ رین بو کلب کا مستقل ممبر ہے اور عام طور پر ہفتے میں تین دن رین بو کلب میں دیکھا جاتا ہے، فطرتاً دلچسپ آدمی تھا، یقینی طور پر شہاب اگر کوشش کرتا تو اس تک رسائی حاصل کر سکتا تھا اور شہاب نے ایسا ہی کیا...... رین بو کلب میں داخلہ شہاب جیسی شخصیت کے لئے مشکل تو نہیں تھا اور پھر مختلف مراحل سے گزرتا ہوا وہ آخر کار علی شہزاد تک پہنچ ہی گیا۔ علی شہزاد جوان آدمی تھا اور اچھی شکل و صورت کا مالک، شہاب کی اصلیت سے تو خیر ناواقف تھا لیکن شخصیت میں اس نے شاید دلچسپی بھی لی تھی، شہاب اس سے خود ہی مخاطب ہوا۔

"ہیلو۔"

"ہیلو...... نجانے کیوں آپ کی صورت کچھ جانی پہچانی سی لگی تھی مجھے...... اس لئے میں آپ کی جانب متوجہ ہوا تھا، بہر حال کسی کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ معافی چاہتا ہوں آپ سے۔"

"ارے...... ارے...... آپ نے تو مجھے شرمندہ کر دیا جناب مخاطب تو میں نے کیا ہے آپ کو، شہاب نے کہا۔

"چلئے...... اگر ایسی بات ہے تو میں اپنی شرمندگی واپس لے لیتا ہوں...... آیئے تعارف ہو جائے۔" اس نے کہا اور شہاب مسکراتا ہوا اس کے ساتھ ایک میز پر بیٹھ گیا۔

"بس یونہی آپ سمجھ لیجئے کہ یہاں آ گیا، حالانکہ میری ذمہ داریاں مجھے اس کی اجازت نہیں دیتیں، لیکن کیا کروں انسان بھی ہوں اور کبھی کبھی خود کو انسان سمجھنے کو دل چاہتا ہے۔"

"ہاں، لیکن جناب میرا نظریہ اس سلسلے میں ذرا آپ سے مختلف ہے۔"

"یقیناً...... نظریات میں اختلاف اگر نہ ہو تو انسان مخلصانہ طور پر گفتگو نہیں کر سکتا۔"

"ویری گڈ...... اچھا یہ بتایئے کیا پئیں گے آپ۔"

"اس گندی شے کے علاوہ سب کچھ۔"

"زندہ باد، یہ کچھ مزید بات آگے بڑھی، حالانکہ میرے والد بڑی اچھی حیثیت کے مالک ہیں...... بہت عمدہ کما رہے ہیں، میں بھی ان کا ساتھ دیتا ہوں، لیکن سچ عرض کروں آپ سے، جھوٹ نہ سمجھئے گا...... شراب نہیں پیتا۔"

"معافی چاہتا ہوں اگر کچھ جذباتی باتیں بلکہ یوں کہوں کہ فرسودہ باتیں کر جاؤں تو۔"

"چلئے معاف کر دیا، آپ فرسودہ باتیں کیجئے۔"

"کچھ برائیاں کوشش کے باوجود انسان کو اپنی جانب راغب نہیں کر پاتیں، ان کی وجہ جانتے ہیں آپ۔"

"نہیں آپ ہی بتایئے۔"

خاندانی پس منظر ہوتا ہے...... جواب میں علی شہزاد ہنسنے لگا، پھر بولا۔

"آپ کے نظریات کو چیلنج کر کے یا آپ کے تجربے کو کسی طرح غلط ثابت کر کے مجھے ذرہ برابر خوشی نہیں ہوگی۔ اصل میں ذرا سا اختلاف ہے مجھے آپ کی اس بات سے اور اس کی

وجہ یہ ہے کہ میں خاندانی طور پر بھی کوئی معزز آدمی نہیں ہوں...... میرے والد کا نام احمد دین ہے، مشرقی پاکستان میں ٹیکسی ڈرائیور تھے، ٹیکسی چلایا کرتے تھے اور ہم لوگ بڑی پسماندہ زندگی گزار رہے تھے، پھر یوں ہوا کہ ایک دن ٹیکسی میں انہیں ایک بریف کیس ملا۔ وہ تقریباً ایک مہینے تک بریف کیس کو اسی طرح بند کئے بریف کیس کے مالک کو تلاش کرتے رہے۔ اب اسے دیانت، شرافت کہہ لیں یا بے وقوفی کہ انہوں نے ایسا کیا، لیکن مہینہ بھر کی کاوشوں کے بعد جب بریف کیس کے مالک کا پتانہ چلا تو انہوں نے وہ بریف کیس پولیس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا...... میری والدہ جو ہیں نا وہ والد کی نسبت سمجھدار تھیں، کہنے لگیں کہ احمد دین ذرا کھول کر تو دیکھو بریف کیس میں ہے کیا...... اگر کوئی قیمتی چیز ہوئی تم نے پولیس کے حوالے کر دی تو پولیس اس کو ہڑپ کر لے گی، بلکہ اگر زیادہ ہی قیمتی چیز ہوئی تو تمہاری زبان بند رکھنے کے لئے ہو سکتا ہے کہ خود تمہیں کوئی نقصان پہنچانے پر تل جائے، اس لئے ذرا عقل کے ناخن لو، ذرا کھول کر تو دیکھ لو ہے کیا اور بس جناب بریف کیس میں ہماری تقدیر بند تھی...... بہت بڑی رقم تھی اس میں، اب انسان فرشتہ تو ہو نہیں سکتا، فرشتے تو بہت مقدس اور بڑے بلند ہوتے ہیں...... رقم دبا گئے ہم لوگ، اس کے بعد میرے والد صاحب نے کچھ ٹیکسیاں خرید لیں...... ٹیکسیوں کا کاروبار بند ہوا تو بسوں کی جانب آگئے، نتیجہ یہ ہوا کہ اچھا خاصا ٹرانسپورٹ کا کاروبار شروع ہو گیا...... بس پھر یہاں آگئے اور یہاں آنے کی وجہ آپ کو معلوم ہے...... سانحہ مشرقی پاکستان کے بعد بے شمار لوگ یہاں پہنچے تھے، انہی میں ہم بھی تھے...... والد صاحب نے یہاں بھی ٹرانسپورٹ کا کاروبار شروع کر دیا اور آخر کار ہم لوگوں نے یہاں بھی اپنے قدم جمالئے...... خدا کا شکر ہے بڑی بہتر حالت میں زندگی گزار رہے ہیں، جہاں تک خاندانی معاملات کا تعلق ہے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ کیا ہیں...... اب کہئے کیا کہتے ہیں آپ۔"

شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"ایک بات کہوں آپ سے مسٹر علی شہزاد، دوستیاں بڑھانا اچھی چیز ہوتی ہے، ہر انسان کسی نہ کسی شکل میں دوستی کا خواہشمند ہوتا ہے، میں بھی آپ سے دوستی چاہتا ہوں مگر ایک بے لوث اور بے غرض دوستی اس میں تھوڑی سی ضرورت اور غرض بے شک شامل ہے، لیکن بہر حال دوستی اپنی جگہ ایک مستحکم چیز ہوتی ہے...... آپ نے اپنے ماضی کے بارے

میں بتایا ہے نا، آپ کیا سمجھتے ہیں ہمارا مذہب، ہمارا دین انسان کی تفریق کے سخت خلاف ہے، جس شخص نے کلمہ پڑھ لیا وہ دین کے رشتے میں منسلک ہو جاتا ہے...... ہماری تفریق پیشوں کے لحاظ سے تو نہیں ہے۔"

"ہاں...... یقینی طور پر، مذہب بہر حال اپنی جگہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور ہم اسے مکمل طور پر تسلیم کرتے ہیں۔"

"بڑائی انسان کی اپنی ذات میں چھپی ہوئی ہوتی ہے اور میرے خیال میں آپ ایک بڑے آدمی ہیں۔"

"ابھی آپ نے ایک عجیب بات کہی تھی جس نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔" علی شہزاد نے کہا۔

"کیا۔" شہاب نے پوچھا۔

"یہ کہ ایک غرض تو تھی آپ کی مجھ سے ملاقات کی، گویا یہ ملاقات جانی بوجھی ہے۔"

"جی ہاں...... یہی سمجھ لیجئے آپ...... اب میں یہ بات آپ سے کھل کر کہہ سکتا ہوں۔"

"ارے بھائی، ملاقات تو اتفاقیہ طور پر ہوئی ہے...... یہ بتایئے آپ کرتے کیا ہیں۔" علی شہزاد نے پوچھا۔

"بس یہ سمجھ لیجئے کہ محکمہ پولیس سے تعلق ہے۔"

"اوہو...... کوئی تفتیش، کوئی ایسا عمل جس میں کسی طور میری ضرورت ہو۔"

"ہاں...... ایسی ہی بات ہے۔" شہاب نے کہا اور علی شہزاد کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے، احمق شہاب بھی نہیں تھا...... اصل میں شخصیتوں کی شناخت اگر صحیح انداز میں نہ ہونے پائے تو کم از کم ایسے بڑے کام نہیں کئے جا سکتے جو شہاب کر رہا تھا، اس کے تجربے نے یہ بات بتائی تھی کہ علی شہزاد صاحب ظرف انسان ہے، حالانکہ اس کے بارے میں جس انداز سے شہاب کو معلومات حاصل ہوئی تھیں وہ بالکل الگ نوعیت کی حامل تھیں، لیکن اب صورت حال ایک دم بدل گئی تھی...... علی شہزاد نے کہا۔

"ویسے تو میں نے سنا ہے کہ پولیس والے یا محکمہ خفیہ والے بہت کایاں ہوتے ہیں اور بڑی ہوشیاری سے وہ اپنے کام کا آغاز کرتے ہیں...... ظاہر ہے نہ کریں تو جرم کا خاتمہ کیسے ہو لیکن زندگی میں پہلی بار تجربہ ہو رہا ہے...... حسین شخصیت ہے آپ کی اور آپ یقین

کریں کہ میں آپ سے شخصیت کی بنا پر ہی متاثر ہوا تھا، اب مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ آ
میرے لئے گھاس لئے کھڑے ہوئے ہیں، یعنی آپ بھی مجھے گھاس ڈالیں گے۔“ شہاب
ہنسنے لگا پھر بولا۔

”تو پھر کیوں میں رین بو میں آپ کا مہمان ہوں اور آپ ہی کی وجہ سے رین بو
ہوں، ورنہ میں پہلے کبھی اس کلب میں نہیں آیا...... میرا مطلب ہے کلب کے کسی ممبر وغیر
کی حیثیت سے، چنانچہ اب آپ پر میری خاطر داری کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور یقینی طو
پر آپ مجھے بہت عمدہ سی کافی پلائیں گے مسٹر علی شہزاد۔“ علی شہزاد ہنسنے لگا پھر اس نے وی
کو طلب کر کے کافی کے لئے کہہ دیا پھر وہ بولا۔

”تجسس پیدا ہو گیا ہے ذہن میں اور خاصا مضطرب ہوں کیونکہ بزرگوں نے کچھ عجیب
وغریب باتیں کہی ہیں محکمہ پولیس کے افراد کے بارے میں۔“

”یعنی یہ کہ ان کی قربت سے بچنا چاہئے۔“

”خیر بزرگوں کے تجربے کو چیلنج نہیں کر رہا لیکن کم از کم آپ جیسے کسی آدمی ک
بارے میں انہیں یہ نہیں کہنا چاہئے تھا۔“ علی شہزاد نے ہنستے ہوئے کہا۔

”خیر اب میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا کیونکہ معاملہ بزرگوں کا ہے، بات
اصل میں یہ ہے علی شہزاد صاحب کہ آپ امجد فضل خان کو تو جانتے ہوں گے، امجد فضل
خان صاحب یہاں ٹرانسپورٹ کمپنی کے مالک ہیں اور آپ ہی کے شعبے سے تعلق رکھتے
ہیں، حالانکہ آپ یقین کیجئے کہ مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ آپ کے والد صاحب
بھی۔“

”امجد فضل خان کے بارے میں ایک اور بات آپ کے علم میں نہیں ہو گی یا اگر ہے ت
ابھی آپ نے مجھے بتانا پسند نہیں کی ہو گی۔“ علی شہزاد سنجیدہ ہو کر بولا۔

”کیا۔“ شہاب نے بغور اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”رمشہ غیاث علی خان قتل ہو گئی ہے یہ بات آپ کو معلوم ہے۔“

”جی ہاں اور میں اسی کے سلسلے میں تفتیش بھی کر رہا ہوں۔“

”مجھے اندازہ ہو گیا تھا، میرا مطلب ہے اب اس وقت جب آپ کی شخصیت میر
سامنے آئی، خدا کی قسم میں خود اس معاملے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا، میرے والد صاحب

نے بھی مجھے محتاط کر دیا تھا حالانکہ میں جانتا تھا کہ حالات کے تحت پولیس مجھ تک بھی آئے
گی۔ اس سلسلے میں میں نے اپنے گھر میں مشورے بھی کئے تھے اور والد صاحب نے یہی کہا تھا
کہ جب تک پولیس اس سلسلے میں خود ہمارے پاس نہ پہنچے یا امجد فضل خان صاحب ہمارے
بارے میں کوئی نشاندہی نہ کریں خاموشی ہی اختیار کی جائے اور صرف انتظار کیا جائے کہ وہ
ہمارے لئے کیا کرتے ہیں۔“

”کون...... امجد فضل خان۔“

”جی۔“

”خیر، میں نے آپ کو بڑے خلوص کے ساتھ آپ تک پہنچنے کی کہانی سنائی ہے اور
اب میں اس بات کا منتظر ہوں کہ آپ مجھے اس بارے میں جس قدر تفصیل آپ کے علم میں
ہے بتا دیں گے۔“

”پتا نہیں آپ لوگوں کو، میرا مطلب ہے آپ کو میرے بارے میں کیا کیا معلومات
حاصل ہوئی ہیں جس کے نتیجے میں آپ مجھ تک پہنچے ہیں...... میں آپ کو شروع سے ساری
تفصیل بتائے دیتا ہوں، اس میں جہاں کہیں مجھے ٹوکنے کی ضرورت پیش آئے آپ بلاشبہ
ٹوک دیجئے گا...... ہم لوگ جیسا کہ آپ کو بتایا جا چکا ہے سابق مشرقی پاکستان میں تھے، امجد
فضل خان اصل میں بذات خود کچھ نہیں تھا بلکہ وہ رمشہ کے والد غیاث علی خان کی فرم کا منیجر
تھا...... 1970ء میں جب حالات بہت زیادہ خراب ہوئے تو ہم تمام لوگ یہاں منتقل
ہو گئے...... غیاث علی خان نے اپنا کاروبار پھر سے سنبھال لیا، امجد فضل خان اس وقت بچھڑ چکا
تھا لیکن یہاں وہ نظر آ گیا اور غیاث علی خان صاحب نے اسے بڑی محبت کے ساتھ اپنے
کاروبار میں شامل کر لیا، پہلے بھی وہ ان کا منیجر رہ چکا تھا، اب یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ وہاں
صورت حال کیا تھی، کیونکہ اس وقت ظاہر ہے میں بہت چھوٹا تھا، لیکن یہاں آنے کے بعد
یہ سمجھ لیجئے آپ کہ غیاث علی خان کا سارا کاروبار امجد فضل خان کی نگرانی میں چلنے لگا اور پھر
غیاث علی خان کا رمشہ کے علاوہ کوئی تھا بھی نہیں، ادھر ہم لوگوں نے بھی جیسا کہ میں آپ
کو بتا چکا ہوں یہاں آ کر اپنے کاروبار کا آغاز کر دیا۔ غیاث علی خان کی ملاقات میرے والد احمد
دین سے ہوئی حالانکہ ہمیں ہمیشہ اپنی اصلیت کا احساس رہا اور ہم نے کبھی خود کو کسی اونچے اور
بڑے خاندان کا فرد ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی، لیکن جب غیاث علی خان کی مجھ سے

ملاقات ہوئی تو انہوں نے میرے بارے میں میرے والد سے سوال کیا کہ میری شادی کر دی گئی، والد صاحب نے ظاہر ہے اس سلسلے میں منع ہی کیا تھا تو غیاث علی خان کی طرف سے اشارہ موصول ہوا کہ اگر میرے والد صاحب رمشہ کے لئے رشتہ دیں تو غیاث علی خان قبول کر لیں گے...... حیرت تو ہوئی تھی ہم لوگوں کو، غیاث علی خان نے یہ کہہ کر بات ہی ختم کر دی کہ موجودہ دور میں خاندانوں کی شناخت تو تقریباً ناممکن ہو گئی ہے، کچھ وقت پہلے خاندانوں کا یہ معاملہ بنیادی حیثیت رکھتا تھا، لیکن اب بنیاد ہی کا پتا نہیں ہے...... اعلیٰ درجے کی کوٹھیوں میں وہ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں جنہوں نے اس پائے کی کوٹھیوں میں نوکری تک نہیں کی تھی، چنانچہ یہ تصور اب فرسودہ ہو گیا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری منگنی کی تاریخ طے ہو گئی اور منگنی سے کچھ عرصہ پہلے ہی غیاث علی خان صاحب کا انتقال ہو گیا...... اتنا اچانک اور غیر متوقع کہ ہم سب حیران رہ گئے...... بہر حال زندگی اور موت کے معاملات اللہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، امجد فضل خان نے رمشہ کی دیکھ بھال شروع کر دی اور اس کے بعد خاصا وقت گزر گیا...... یہ بات بھی سچ ہے کہ میرے اور رمشہ کے درمیان پسندیدگی کا کوئی رشتہ قائم نہیں ہو سکا، مطلب یہ کہ ہم دونوں کے بارے میں بزرگوں نے جو طے کیا تھا اس کے بعد بھی ہماری کوئی خاص ملاقات ایک دوسرے سے نہیں ہوئی اور نہ ہمارے ذہنوں میں ایک دوسرے کے لئے کوئی تاثر پیدا ہوا، جبکہ میرے والد صاحب کا خیال تھا کہ یہ شادی ضرور ہونی چاہئے لیکن اب جبکہ غیاث علی خان کا انتقال ہو چکا تو بات زیادہ اہمیت اختیار کر گئی تھی، لیکن بہر حال ہم لوگوں نے اس انتظار میں وقت گزارنا شروع کر دیا کہ اب فوری طور پر ظاہر ہے رمشہ کا غم غلط ہوئے بغیر یہ صورت حال کچھ غیر مناسب سی ہے کہ ہم منگنی یا شادی کا مطالبہ کریں...... تھوڑا سا وقت گزر جائے گا تو پھر صورت حال کا جائزہ لے لیا جائے گا اور جناب وقت گزرتا رہا، کچھ عرصے قبل اچانک ہی میرے کانوں میں یہ اطلاع پڑی کہ رمشہ کسی اور نوجوان میں دلچسپی لینے لگی ہے اور اکثر وہ اس نوجوان کو اپنے ساتھ اپنی کار میں ہوٹلوں، پارکوں وغیرہ میں لے کر جاتی ہے...... ویسے تو میں نے والد صاحب کی بات مان لی تھی اور ان کی خواہش پر رمشہ سے شادی پر رضامند ہو گیا تھا کیونکہ سچ عرض کروں آپ سے...... پہلے میرے ذہن میں کوئی اور لڑکی تھی بھی نہیں...... شادی کے معاملے میں میرے ذہن میں صرف یہ تصور تھا کہ ضرورت ہے ایک حقیقت ہے، بہتر ہے والدین کو ہی خوش ہونے کا

موقع دے دیا جائے اور ان کی مرضی سے کر لی جائے، لیکن بہر حال یہ صورت حال ذرا ایسی تھی جس پر مجھے سوچنا پڑا، اگر رمشہ کسی اور کو چاہتی ہے تو پھر اسے اختیار ہے کہ اپنی پسند کی شادی کرے...... یہاں میں والد صاحب سے بھی تعاون نہیں کر سکتا تھا، لیکن اس اطلاع کو ملے ہوئے زیادہ وقت بھی نہیں گزرا تھا کہ اچانک ہی رمشہ کے قتل کی اطلاع ملی اور پھر اس سلسلے میں وہ نوجوان گرفتار کر لیا گیا تھا۔ ہمیں صرف اتنی دلچسپی تھی اس بات سے کہ غیاث علی خان کی زندگی میں میرا اور رمشہ کا معاملہ طے ہوا تھا لیکن اب وہ ہی نہ رہی تھی تو ہماری دلچسپیاں ایک طرح سے بے مقصد ہو گئیں، ہاں بس یہ خیال ضرور تھا کہ بیچاری ایک نوجوان لڑکی زندگی کھو بیٹھی پتا نہیں اس کے عوامل کیا تھے تو جناب شہاب صاحب یہ صورت حال ہے اب اس سلسلے میں اگر مزید کہیں میری ضرورت پیش آتی ہے تو آپ سمجھ لیجئے کہ خلوص دل سے راضی ہوں...... ہاں ایک درخواست ضرور کرتا ہوں نہ تو رمشہ کا عاشق تھا نہ اس کا کوئی ثبوت آپ کو کہیں سے مل سکے گا...... خدارا کہیں مجھے قاتل وغیرہ نہ سمجھ لیجئے گا، ابھی دُنیا میں کچھ نہیں دیکھا ہے میں نے...... زندگی گزارنے کے بڑے بڑے پلان بنا رکھے ہیں میں نے، بہر حال یہ بات میں نے مذاق میں کہی ہے...... آپ اس بات پر یقین کر لیجئے کہ میں کسی بھی شکل میں نہ تو رقابت کا قائل ہوں اور قتل وغیرہ تو بہت بھیانک سی چیز ہے، بہت چھوٹا سا تھا میں اس وقت جب سانحہ مشرقی پاکستان ہوا تھا لیکن پھر بھی کچھ مناظر ذہن میں موجود ہیں...... اس بات کی سخت مخالفت کرتا ہوں کہ انسان انسان کی زندگی لینے کی کوشش کرے...... یہ تو اللہ کا کام ہے زندگی دے اور لے...... وہ جانتا ہے یہ بدبخت انسان خود کو بلاوجہ گناہ گار کر لیتا ہے، خیر شہاب کافی دیر تک کافی پیتا رہا تھا اور سوچوں میں گم رہا تھا...... کم از کم اس شخص کی بات سے بھی یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ رمشہ کے قتل سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن بہر حال گنجائش چھوڑی جا سکتی تھی، اب اس کے بعد امجد فضل خان رہ گیا تھا جس سے کسی نہ کسی شکل میں ملاقات کرنی تھی، کہانی ان چند کرداروں کے گرد ہی گھومتی تھی......

فیصل رضا نے اگر رمشہ کو قتل کیا تو کیا اس کی وجہ صرف ہوس ہو سکتی ہے...... پڑھا لکھا نوجوان تھا اور بے داغ ماضی رکھتا تھا، کم از کم اس سے اس دیوانگی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی اور اگر اس نے یہ دیوانگی کی بھی تھی تو اپنے آپ کو منظر عام پر لانے کے لئے یہ سب کچھ کس طرح کیا جا سکتا تھا، وہ لباس جو کسی عمارت میں پھینک دیا گیا تھا جلا کر خاکستر بھی کیا جا سکتا تھا،

اچانک ہی شہاب کو اس لباس کا بھی خیال آیا تھا، بہرحال علی شہزاد سے یہ ملاقات بہت مناسب رہی تھی اور شہاب کو بہت سی معلومات حاصل ہو گئی تھیں، پھر اس نے دوسرے عمل کے طور پر عدنان واسطی کے ذریعے وہ خون آلود لباس لیبارٹری تک پہنچایا اور اس پر لگے ہوئے خون کے دھبوں کا کیمیاوی تجزیہ کیا گیا، اقبال شاہ پولیس آفیسر نے اس کے لئے کوشش نہیں کی تھی لیکن جو کیمیاوی رپورٹ شہاب کو موصول ہوئی تھی وہ بڑی مضحکہ خیز تھی...... پتا یہ چلا تھا کہ لباس پر کسی انسان کے خون کے دھبے نہیں بلکہ بکرے کے خون کے دھبے تھے جن سے اس لباس کو رنگ دیا گیا تھا، لباس واپس خاموشی سے سرکاری مال خانے تک پہنچا دیا گیا جہاں اسے اس وقت تک رکھنا تھا جب تک فیصل رضا کے کیس کا فیصلہ نہ ہو جائے لیکن یہ رپورٹ شہاب کے لئے بڑی کار آمد تھی، فیصل رضا کی بے گناہی کا ایک اور ثبوت...... بینا، شہاب اور عدنان واسطی سر جوڑ کر بیٹھ جاتے تھے اور اس سلسلے میں گفتگو ہوتی رہتی تھی، چنانچہ اقبال شاہ کے ساتھ جس شخص کو سرگرمیوں میں ملوث دیکھا گیا تھا اب اس پر توجہ دینے کی ضرورت تھی اور ڈبل او گینگ کے مختلف افراد اس کا جائزہ لے رہے تھے اور اس کے بارے میں مکمل طور سے معلومات حاصل کر رہے تھے...... جمال الدین عرف جمالو اب ہسپتال ہی میں دیکھا جاتا تھا، اس کا بچہ سخت بیمار تھا اس لئے عارضی طور پر اس کے خلاف کوئی عمل نہیں کیا گیا تھا، البتہ یہ معلومات حاصل ہو گئی تھیں کہ اس کا پانچ سالہ بچہ ہسپتال میں داخل ہے اور زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے...... پھر شہاب نے عدنان واسطی صاحب سے مشورہ کیا اور اس کے بعد یہ طے پایا کہ اب امجد فضل خان سے مل لیا جائے اور براہ راست اس سلسلے میں کارروائی کر لی جائے، چنانچہ طے شدہ منصوبے کے مطابق امجد فضل خان سے اس وقت اس کی کوٹھی پر ملاقات کی گئی جب وہ اپنے معاملات سے فراغت حاصل کر کے اپنی کوٹھی میں پہنچ گیا تھا...... شہاب نے ملازموں کے ذریعے معلومات حاصل کر کے امجد فضل خان تک رسائی حاصل کی تھی، صورت سے ہی ایک اجڈ اور گنوار قسم کا آدمی معلوم ہوتا تھا، کہنے لگا۔

"فرماؤ جی...... کیا حکم ہے ہمارے لئے۔"

"امجد فضل خان صاحب میرا نام عدنان واسطی ہے، آپ سے اتفاق سے کورٹ میں ملاقات نہیں ہوئی چونکہ اپنی بھتیجی رمشہ کے قتل کے سلسلے میں صرف آپ کا وکیل کام کر رہا

ہے، آپ خود عدالت تک نہیں جاتے۔"

"او بھائی جی...... کیا سمجھتے ہو آپ، بچی ماری گئی، کوئی معمولی بات ہے...... ارے، نوکر رہے تھے ہم غیاث علی خان کے لیکن سگا بھائی تھا وہ ہمارا، کوئی مائی کا لال یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ہم دونوں سگے نہیں ہیں...... بس اس سے غلطی ہوئی تھی یا مجھ سے کہ میں اس کی ماں کے پیٹ سے نہیں پیدا ہوا تھا...... ایسی ہی یاری تھی ہماری کہ سگے بھائیوں میں بھی کبھی کبھی اختلاف ہو جاتا ہے...... میرے اور اس کے درمیان کبھی اختلاف نہیں ہوا، میرا یار اپنی ایک امانت میرے سپرد کر گیا تھا اور میں انتظار کر رہا تھا کہ اس کی برسی ہو جائے تو اس امانت کو ان لوگوں کے حوالے کر دوں جن کے لئے یہ رشتہ طے ہو گیا تھا، بس جی بدقسمتی بیچ میں آ گئی اور وہ بچی بھی مجھ سے جدا ہو گئی۔" امجد فضل خان کی آواز بھرا گئی۔

"خان صاحب...... بات ذرا تھوڑی سی غیر مناسب ہے، لیکن بحالت مجبوری بہت سے سوالات کرنے پڑتے ہیں ان کے بارے میں، میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں لیکن سوال کرنا بڑا ضروری ہے۔"

"کرلو بھائی، کرلو، جو سوال دل چاہے کرلو، غم میں ڈوبے ہوئے ہیں، کسی سے کہیں گے تو دنیا یہی کہے گی کہ اداکاری کر رہے ہیں، کون کس کے لئے غمزدہ ہوتا ہے آج کل۔"

"نہیں خان صاحب ایسی بات بھی نہیں ہے...... ابھی دنیا اتنی بری نہیں ہو گئی ہے...... اب بھی محبتوں کا وجود ہے۔ آپ یقینی طور پر اتنی ہی محبت کرتے ہوں گے، جو بات میں معلوم کرنا چاہتا ہوں اس کی کچھ وجوہات ہیں۔"

"زیادہ پڑھے لکھے آدمی نہیں ہیں ہم...... ہم سے جو بات بھی کرو نا اتنی صاف کرنا کہ ہمیں سمجھنے میں دقت نہ ہو۔"

"پہلا سوال تو یہ ہے امجد فضل خان صاحب کہ آپ کا اور غیاث علی خان کا موجودہ کاروباری رشتہ کیا تھا۔"

"حالانکہ اس سوال کا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے...... میرا یار مر چکا ہے...... اب کیا معلوم کرنا چاہتے ہو اس کے بارے میں مجھ سے بولو۔"

"نہیں بہت سی باتیں ضروری ہوتی ہیں امجد فضل خان صاحب۔"

"مجبور کر رہے ہو تو سنو، جب وہ وہاں سے چلا تھا تو اس کا سب کچھ لٹ چکا تھا، کچھ بھی نہیں تھا اس کے پاس، صرف اپنی بیوی اور بیٹی کی جان بچا کر یہاں تک آ گیا تھا اور یہاں آنے کے بعد بڑی بے کسی کی زندگی گزار رہا تھا...... دوسری جانب ہم خوش قسمت تھے اس کی نسبت کہ کچھ پیسہ بچا کر لے آئے، حالانکہ ہم وہاں اس کے منیجر تھے ہم، نوکری کرتے تھے اس کی، لیکن یہاں آنے کے بعد بس یوں سمجھ لو کہ اس بے چارے کے پاس کچھ نہیں تھا جبکہ ہمارے پاس ہماری جمع شدہ رقم تھی جسے ہم نکال لانے میں کامیاب ہو گئے تھے، پھر اس کے بعد ہم نے اپنا وہی پرانا کاروبار شروع کر دیا...... میں اپنے یار کی روح کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتا، لیکن یہ سمجھ لو کہ بس دوستی نبھائی ہے میں نے، ورنہ اس کاروبار میں بھی اس کا کچھ نہیں تھا...... سوائے اس کی محنت کے، مگر میں نے اس سے کہہ دیا کہ میرے دوست سب کچھ تیرا ہی ہے...... جب تیری بیٹی کی شادی ہو گی تو اتنا کچھ دوں گا میں جتنا اپنی بیٹی کو دے سکتا ہوں، یہی وعدہ کیا تھا اس سے اور یہی سوچا تھا، لیکن خدا غارت کرے اس بدنصیب آدمی کو جس نے رمشہ کو بہکا کر اپنے فریب میں لانے کی کوشش کی، حالانکہ رمشہ ایک عزت دار لڑکی تھی، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس خوبصورت لونڈے کے جال میں پھنس گئی تھی، لیکن جب اس لڑکے نے اس کی آبرو پر ہاتھ ڈالا تو وہ جان پر کھیل گئی اور آخر اس بدبخت نے اسے مار ڈالا۔" امجد فضل خان رونے لگا...... شہاب، عدنان واسطی اور بینا اس کا بغور جائزہ لے رہے تھے، جتنی گفتگو ان لوگوں سے کی جا سکتی تھی وہ کر لی گئی۔ امجد فضل خان نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ فیصل رضا کے علاوہ کوئی اور اس کا قاتل نہیں ہو سکتا...... بہرحال جب یہ لوگ وہاں سے چلے تو بہت سی باتیں ان کے ذہن میں تھیں بعد میں بیٹھ کر اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو عدنان واسطی صاحب نے کہا۔

"شہاب میاں اس شخص کی باتوں سے یہ اندازہ تو آپ نے با آسانی لگا لیا ہو گا کہ کس قدر شاطر آدمی ہے اور یہ اندازہ بھی لگا لیا ہو گا کہ کہنا اور کرنا کیا چاہتا ہے، گویا بڑے آرام سے یہ غیاث علی خان کے پورے کاروبار پر قابض ہو گیا اور اگر قبل از وقت کہے جانے والی بات نہ ہو تو کھل کر یہ بات کہہ دوں کہ یہ کوئی باقاعدہ قتل نہیں بلکہ سازش ہے اور اس سازش میں امجد فضل خان کے علاوہ کوئی اور شریک نہیں ہے، یقینی طور پر اس دولت کو ہتھیانے کے لئے یہ ساری کارروائی کی گئی ہے، اب یہاں پر چند کردار آجاتے ہیں جن پر

شک کیا جا سکتا ہے...... مثلاً وہ نوجوان جس کا نام علی شہزاد ہے یا پھر وہ شخص جو اس وقت ہسپتال میں ہے اور اپنے بچے کی تیمارداری کر رہا ہے، ذرا اس کے بارے میں تھوڑی اور معلومات حاصل ہو جائیں، ویسے یہ امجد فضل خان صاف ستھرا آدمی نہیں ہے اس بات کی گواہی میرا دل دے رہا ہے اور میں پورے یقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں۔"

"ہوں...... بہرحال میرے ذہن میں بہت سے وسوسے ہیں، میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سلسلے میں کیا ہونا چاہئے، ویسے فیصل رضا کی پوزیشن آہستہ آہستہ صاف ہوتی جا رہی ہے۔"

"ہاں...... وہ تو ویسے بھی ہماری نگاہوں میں قاتل نہیں تھا اور ایک صاف ستھرا نوجوان تھا...... اب یہ بتاؤ آگے کیا کرنا ہے۔"

"میرے اپنے ذہن میں ایک تصور ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس پر عمل کر ڈالنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

"وہ کیا۔"

"اس شخص کو ہی اغوا کر لیا جائے جس کا نام جمال الدین عرف جمالو ہے۔"

"اغوا کر لیا جائے۔" عدنان واسطی حیرت سے بولے۔

"ہاں۔"

"مگر کیوں۔"

"بس جناب اگر آپ دیکھنا ہی چاہتے ہیں تو چلئے تھوڑا سا تماشا میں بھی آپ کو دکھائے دیتا ہوں۔"

"یعنی یہ کوئی جادوگری ہو گی۔"

"جادوگری تو نہیں لیکن واسطی صاحب بس سمجھ لیجئے کہ ایک عمل ہے جس کی تکمیل کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے اچھا لگے گا، اگر مجھے بھی ان معاملات میں شریک کر لو۔"

"ٹھیک ہے، حالانکہ کچھ غلط کر رہا ہوں، لیکن بہرحال مجبوری کے عالم میں یہ کرنا پڑتا ہے کیونکہ جو صورت حال میرے ذہن تک پہنچی ہے اس میں کچھ ایسی ہی باتوں کا دخل ہے۔"

"یقینی طور پر کوئی ایسا ہی مسئلہ ہو گا جس کے لئے تم اس قدر سنجیدہ ہو گئے ہو۔"

"اگر آپ یہ سمجھتے ہیں تو یہ تصور کر لیجئے گا کہ واقعی ایسا ہی مسئلہ ہے۔"

"کمال ہے، اچھا ٹھیک ہے اگر ایسی بات ہے تو پھر تم دیکھ لو کیا صورت حال ر
ہے۔" واسطی صاحب نے کہا اور شہاب اپنے عمل کے لئے تیار ہو گیا، باقی سب لوگوں
ساتھ معاملات جوں کے توں چل رہے تھے لیکن انجم شیخ سردار علی اور فراز نے اس دو
جمال الدین عرف جمالو کو ہسپتال سے اپنے قابو میں کیا تھا جب رات کو وہ گہری نیند سو رہا
اس کی بیوی اور بچہ ہسپتال ہی میں تھے اور وہ باہر ہسپتال کے لان میں سو رہا تھا، اسے بے ہو
کی ہلکی سی دوا سونگھا کر بے ہوش کیا گیا اور پھر ایک گاڑی میں ڈال کر کریم سوسائٹی کی کو
میں لے آیا گیا...... یہاں شہاب اور بینا موجود تھے...... عدنان واسطی صاحب کو بھی انہو
نے دعوت دی تھی ویسے عدنان واسطی صاحب نے بینا سے پوچھا تھا۔

"یہ شہاب کو اچانک جمال الدین عرف جمالو کی کیا سوجھ گئی۔"

"پتا نہیں آپ یقین کیجئے کہ مجھ سے بھی اس موضوع پر کوئی خاص بات نہیں ہو سکی۔"

"اب تک تو بالکل یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کچھوے کی رفتار سے رینگ رہا ہو، ویسے و
کارروائی کر رہا تھا، میں نے محسوس کیا تھا کہ قدم بہ قدم بڑے اچھے انداز میں چل رہا
لیکن اچانک ہی اس نے جمال الدین عرف جمالو کو کیوں اغوا کر لیا اور یہ اغوا کرانا، خیر میں
اخلاقیات پر لیکچر نہیں دوں گا، مگر بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی ہے۔"

"جمالو کو ہوش میں آ جانے دیجئے اس کے بعد وہ کیا کہتا ہے یہ دیکھنا ہے۔" عد
واسطی صاحب بھی بڑے متجسس تھے، جمالو کو ہوش میں لایا گیا...... صبح ہو چکی تھی، ہوش
آنے کے بعد وہ دیر تک ماحول کا جائزہ لیتا رہا پھر ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا...... اس نے پھٹی
آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا، ان تینوں کو دیکھا اور رندھی ہوئی آواز میں بولا۔

"ارے بھائی...... یہ میں کہاں آ گیا...... یہ کہاں لے آئے آپ لوگ مجھے......
بھائی میرا بچہ ہسپتال میں ہے، میرا بچہ بیمار ہے بھائیو...... خدا کے واسطے مجھے بتا دو یہ کون
جگہ ہے، کیوں لے آئے ہو مجھے یہاں...... کوئی غلطی ہو گئی ہے کیا مجھ سے، بھائی تمہا
مہربانی ہو گی...... مجھے کم از کم میرا قصور تو بتا دو، کچھ ہو گیا ہے کیا مجھ سے، بھائی تمہیں
واسطہ میری مدد کرو مجھے بتا دو...... مجھ سے اگر کوئی غلطی ہو گئی ہے تو مجھے معاف کر دو

میں تو ویسے ہی زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہوں...... میں تو، وہ رونے لگا......
شہاب نے اسے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"تمہیں یہ احساس نہیں ہے جمالو کہ کچھ وقت کے بعد تمہیں سزائے موت ہونے والی
ہے اور جب تمہیں سزائے موت ہو جائے گی تو تمہاری بیوی اور تمہارا بچہ کس عالم میں ہو گا۔"

"سز...... سز...... سز...... سزائے موت۔"

"ہاں، ایسا ہی ہوتا ہے جمالو...... ایسا ہی ہوتا ہے، یہ بڑے لوگ دُنیا میں کبھی کسی کے
ہوئے ہیں، بتاؤ جواب دو، کیا اتنا بڑا آدمی امجد فضل خان تمہارے بچے کو کسی اچھے ہسپتال میں
داخل نہیں کرا سکتا تھا...... بولو اس نے اپنا کام تو تم سے نکال لیا...... یقینی طور پر تمہیں اس کا
معاوضہ بھی ادا کیا ہو گا، لیکن جب اس کی جان پر آ پڑی تو نہ اقبال شاہ اور نہ ہی وہ کوئی بھی
تمہارے کام نہ آیا، بلکہ خاموشی سے تمہیں قانون کے حوالے کر دیا گیا...... کیا سمجھے۔"

عدنان واسطی تو عدنان واسطی خود بینا بھی حیران رہ گئی تھی...... شہاب کے الفاظ ان کی سمجھ
میں نہیں آ رہے تھے، پہلا موقع تھا کہ شہاب نے بینا سے اپنے ذہن کے بارے میں کچھ نہیں
کہا تھا اور خاموشی سے دل میں کوئی فیصلہ کر کے جمالو سے یہ باتیں کرنے لگا تھا، لیکن جمالو کے
چہرے پر ایک دم ایک سرد سی کیفیت طاری ہو گئی تھی، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان تینوں کو
دیکھ رہا تھا، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"تو اس نے ہمارا نام لے ہی دیا آخر، بتا دیا اس نے ہمارے بارے میں۔"

"پتا نہیں تم نے کہاں زندگی گزاری ہے جمالو...... ان بڑے لوگوں سے کبھی واقفیت
حاصل نہیں ہوئی تمہیں، کبھی نہیں جان سکے انہیں...... یہ صرف اپنا مطلب نکالتے ہیں پھر
اس کے بعد انسان کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکتے ہیں۔"

ساری بلا تمہارے سر آ گئی ہے، کوئی بھی اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری قبول کرنے کو
تیار نہیں ہے...... کسی سے ایک بار کہلوا کر تو دکھا دو کہ قصوروار کوئی اور ہے...... یہ تو کہلوا دو
کسی سے کہ تمہارا کوئی ذاتی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ یہ تم نے کسی اور کے کہنے پر کیا ہے...... سمجھ
رہے ہو نا جمالو، کہلوا دو کسی سے یہ بات۔ جمالو کی گردن جھک گئی تھی، پھر اس نے کہا۔

کیا کہلوا دیں جی کسی سے، اپنی سزا خود بھگتنی پڑتی ہے، پر بابو صاحب ایک کام کر دو اگر
ہو سکے تو، صرف ایک کام کر دو۔

"ہاں بولو...... کیا کام۔"

"بابو صاحب، میرا بچہ ہسپتال میں ہے، وہیں تھا میں رات کو...... آپ لوگوں کے ہا
کیسے لگا، یہ نہیں معلوم، پر اتنی مہلت دے دو...... آپ کی بڑی مہربانی ہوگی کہ ذرا سی میر
بچے کی دیکھ بھال ہو جائے، کوئی ایسی ترکیب نکال لو جی۔"

ترکیب نکال لی جائے گی، جمال الدین، ترکیب بالکل نکال لی جائے گی تم یہ مت
کہ ہم جانور ہیں، ہمیں معلوم ہے تمہارا بچہ ہسپتال میں داخل ہے...... تمہاری بیوی اس
پاس موجود ہے اور تم اس کے لئے پریشان ہو، جواب میں جمال الدین پھوٹ پھو
رونے لگا تھا، کسی نے اس کو نہ ٹوکا، بینا اور عدنان واسطی، شہاب کی یہ جادوگری دیکھ ر
تھے، جمال الدین روتا رہا، شہاب نے اسے رونے دیا، پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔

سزا تو مجھے مل رہی ہے صاحب، زندگی گناہوں میں ہی کٹی ہے، ارے کون سا نیک
کیا ہے، میں نے اپنی زندگی میں کبھی، سارے ہی کام برے برے کرتا رہا ہوں...... یہ بچ
کر کے اپنی بھی اولاد ہے، بس ہوتا ہے، صاحب جی ہوتا ہے، یوں تو ہزاروں برائیاں کی
میں نے، قتل پہلا ہی کیا ہے جی...... اس لڑکی کو میں نے ہی مارا ہے، صاحب جی بتائے
ہوں آپ کو سب کچھ...... ساری تفصیل بتائے دیتا ہوں، باقی آپ جانیں اور اللہ جانے،
جو حشر ہونا ہے میرا...... وہ تو ہو ہی جائے گا کر سکتے ہو تو اللہ کے نام پر ایک کام کر دینا، صا
جی...... میرے بچے کی خبر گیری کر لینا، وہ ٹھیک ہو جائے، میرا کچھ بھی بنے...... اللہ مالک
اب مجھے اس کی زیادہ پروا نہیں ہے جمالو نے کہا اور اس کے بعد خاموش ہو کر آنکھیں
کر لیں...... وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

عدنان واسطی، بینا ششدر نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے، کیونکہ ابھی ابھی اس
رمشہ کے قتل کا اعتراف کیا تھا اور یہ بات ناقابل یقین تھی، لیکن بینا شہاب کو جانتی
شہاب ایک ایسا ہی جادوگر تھا، جس نے بینا پر بھی جادو کر دیا تھا اور آج بینا جس نے اپنی ز
میں نا جانے کیا کیا منصوبے ترتیب دیئے تھے، ایک محبت کرنے والی بیوی تھی اور اگر
ہزاروں زندگیاں ملتیں، تو وہ شہاب پر جان قربان کرنے کو تیار ہو جاتی۔

بہرحال جمالو کچھ دیر تک گہری سوچ میں ڈوبا رہا اس کے بعد گردن اٹھا کر بولا۔

"صاحب جی...... زندگی میں کیا کیا کچھ کیا ہے، برائی کرنے والا کبھی بھولتا

یہ الگ بات ہے کہ اس کے دل میں سیاہی جمتی چلی جاتی ہے اور پھر یہ سیاہی اسے کچھ
سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں چھوڑتی، آپ ان پرانی باتوں کو جانے دو جی...... ہم جرم کرتے
رہے ہیں، ایک بندہ ہے، شیر خان نام ہے اس کا، ہمارے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا......
خود بھی دو چار چھوٹے موٹے جرم کئے تھے اس نے، پھر کہتا تھا شریف آدمی بن گیا ہے،
ہماری سلام دعا تھی جی اس سے ایک دن اس نے ہماری ملاقات ایک بندے سے کرائی، نام تھا
اس کا امجد فضل خان، شیر خان اسی کی ٹرانسپورٹ کمپنی میں کام کرتا تھا...... امجد فضل خان بڑا
آدمی تھا جی، اب یہ الگ بات ہے کہ صورت سے وہ بڑا آدمی بالکل نہیں لگتا تھا، پر کوشش
کر رہا تھا بڑا آدمی بننے کی...... ہمیں دیکھا، ہم سے ہمارے بارے میں پوچھا، ایک طرح سے
ہمارا انٹرویو لیا اور بولا کہ ہمیں ایک کام کرنا ہے، جہاں تک پیسوں کا تعلق ہے وہ اس سے طے
کر لیا جائے، لیکن کام ہوشیاری سے کرنا ہے اور یہ جاہلوں والا کام نہیں ہے بلکہ اس میں عقل
سے کام لینا ہے...... صاحب جی جرم تو کئے ہیں ہم نے، لیکن جیسا کہ ہم نے آپ کو بتایا کہ یہ
قتل ہم نے پہلا ہی کیا ہے، چھوٹے موٹے جرم کرتے ہوئے ہم نے کئی بار ایسا سوچا کہ کوئی
ایسا بڑا کام ہاتھ میں آجائے جو زندگی ہی میں لاکھ دو لاکھ روپے دے دے تو پھر ہم جرم کی یہ
زندگی چھوڑ کر، بلکہ یہ شہر ہی چھوڑ کر چھوٹی موٹی دکان ڈال لیں جی۔ آدمی کی جب اولاد پیدا
ہو جاتی ہے نا تو خیال ہی بدل جاتا ہے سسرے کا...... پھر سوچتا ہے کہ زندگی بھر کے گناہوں
کو نظر انداز کر کے فرشتہ بن جائے، اب یہ تو مالک ہی بہتر جانتا ہے جی، گناہوں کی سزا کیا
ہوتی ہے اور بندہ اپنے آپ کو فرشتہ سمجھ لے تو اپنے سمجھنے سے فرشتہ نہیں ہو جاتا، بس
صاحب جی اس بندے نے ہم سے کہا کہ معاملہ ایک لڑکی کو قتل کرنے کا ہے اور اس سلسلے
میں اس نے ہمیں جی پچاس ہزار روپے دیئے، صاحب جی ساری زندگی میں کبھی پچاس ہزار
روپے نہیں دیکھے تھے اور بات ان پچاس ہزار تک ہی نہیں تھی جی، اس نے کہا کہ ہر وہ کام جو
ہم کریں گے اس کے لئے اس کا الگ الگ معاوضہ ہوگا، پچاس ہزار روپے اس لڑکی کو قتل
کرنے کے لئے جس کا نام رمشہ تھا، پانچ ہزار روپے فیصل رضا کے گھر سے اس کے کپڑے چرا
کر لانے کے اور انہیں خون میں بھگو کر گٹھڑی بنا کر ایک خاص جگہ پھینک دینے کے۔ یہ تو
الگ کام ہوا اس کے بعد صاحب جی باقی باتیں ہماری شیر خان سے ہوئیں اور شیر خان ہمارے
اور اس کے درمیان رابطے کا ذریعہ بن گیا...... پیسے نقد مل گئے صاحب جی اور ہم نے انہیں

احتیاط سے زمین میں گڑھا کھود کر گاڑھ دیا...... بنک وینک میں رکھنا تو خطرناک تھا، پھر پانچ
ہزار روپے جو ہمیں کپڑے چرانے کے ملے، انہیں ہم نے خرچ کرنا شروع کر دیا...... صاحب
جی آگے کے بھی کام تھے جو ہمیں دیئے گئے تھے، ان میں یہ کام تھا جی کہ کیس عدالت میں
چلے گا اور کپڑے برآمد ہونے کے بعد فیصل رضا کو قاتل کی حیثیت سے پکڑ لیا جائے گا،
پیشیاں ہوں گی، امجد فضل خان نے کہا کہ شیر خان ہمیں صورت حال سے آگاہ کرتا رہے
پھر جب کئی پیشیاں ہو جائیں گی اور فیصل رضا پر فرد جرم عائد ہو جائے گی تو صاحب جی ہمیں
عدالت میں پیش ہونا پڑے گا...... اس دوران ایک اور کام تھا جی وہ یہ کہ ہمارا بیٹا کچھ دن اپنی
خالہ کے پاس جا کر رہے گا اور ہم یہ مشہور کر دیں گے کہ ہمارے بیٹے کو اغوا کر لیا گیا ہے...
محلے کے دو چار گھروں میں اطلاع دے دیں گے، بیوی ذرا رو پیٹ لے گی، صاحب جی پانچ
ہزار روپے اس بات کے تھے، پھر صاحب جی پچیس ہزار روپے اس بات کے تھے کہ ہم وقت
پر عدالت میں پیش ہوں گے اور وہاں جا کر یہ اعتراف کریں گے کہ ہم نے ایک اور بندے کو
قتل کرتے ہوئے دیکھا تھا...... رمشہ کو ایک اور بندے نے قتل کیا ہے اور ہم اس کے آنکھوں
دیکھے گواہ ہیں صاحب جی...... بڑی سے بڑی قسم کھانی پڑے گی ہمیں وہاں پر اور اس کے بعد
ہم یہ بتائیں گے کہ اصل قاتل کون ہے؟ ہم یہ بھی بتائیں گے کہ ہماری زبان بند رکھنے کے
لئے اس نے ہمارے بیٹے کو اغوا کر لیا تھا اور ہمیں دھمکیاں دی تھیں کہ اگر ہم نے کہیں زبان
کھولی تو ہمارے بیٹے کو قتل کر دیا جائے گا...... پھر صاحب جی ہم یہ بھی بتائیں گے کہ اس نے
ہمیں پیسے بھی دیئے تھے اور وعدہ کر لینے پر ہمارے بیٹے کو واپس ہمارے حوالے کر دیا تھا...
صاحب جی اس طرح جرم فیصل رضا سے ہٹ کر ہماری گواہی میں دوسرے بندے پر آ جائے
گا اور اس دوسرے بندے کا نام علی شہزاد ہے جی...... وہ بھی ایک ٹرانسپورٹر کا بیٹا ہے اور اس
ٹرانسپورٹر کا نام احمد دین ہے...... صاحب جی ہمیں باپ بیٹوں کی شناخت کرا دی گئی ہے......
کام ہمیں کرنا تھا جی مگر تقدیر نے سارا کھیل ہی الٹا کر دیا...... پیسے تو ہمارے ہاتھ آ گئے قتل بھی
ہم نے کر دیا، مگر صاحب جی اللہ نے ہماری گردن پکڑ لی، بیٹا ہمارا مشکل میں پڑ گیا جی اور اب
زندگی اور موت کا شکار ہے...... آپ بتاؤ صاحب، پیسے مل جائیں گے ہمیں...... کیا کریں گے
ہم اس کا، بتاؤ صاحب جی، ہم کیا کریں گے اس کا؟ خود میاں بیوی ان پیسوں کو لے کر گھومتے
رہیں گے شہر شہر، بیوی تو ہماری آدھی پاگل ہو گئی ہے جی اور ہم یہ جانتے ہیں کہ تباہی

ہمارے گھر کا راستہ دیکھ لیا ہے، اب آپ ہمیں پکڑ لائے ہو، برے کام کا برا نتیجہ جو تقدیر میں
لکھ دیا گیا ہے، پر صاحب جی ایک کام کر دو، تمہارے بھی بال بچے ہوں گے، ہر بندے کے
ہوتے ہیں ہمارے بچے کی خبر گیری کر و ذرا، صاحب جی ہمیں کچھ نہیں چاہئے...... جھونک دیا
ہے بھاڑ میں سب کچھ، بچے کو زندگی مل جائے، ہمیں سب کچھ مل جائے گا، ہمیں ہی پھانسی
ہو جائے گی نا، برا کیا ہے نتیجہ بھگتیں گے، جو کچھ بھی ہو گا دیکھ لیں گے صاحب جی اللہ مالک
ہے...... پر بچہ بچ جائے ہمارا...... جمال الدین پھوٹ پھوٹ کر روتا رہا اور یہ تاسف بھری
نگاہوں سے اسے دیکھتے رہے، بینا اور عدنان واسطی شدید حیران تھے ایک عجیب و غریب کیس
تھا جو زندگی میں کبھی ان کے سامنے نہیں آیا تھا، وہ پوری طرح بات سمجھ ہی نہیں پا رہے تھے،
لیکن انہوں نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی...... شہاب آنکھیں بند کئے کچھ دیر تک سوچتا رہا
پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"سنو جمال الدین ابھی تمہارے بارے میں یہ ساری کہانی صرف ہمیں معلوم ہے،
بات اصل میں یہ ہے جمال الدین کہ میں نے زندگی میں ہمیشہ صرف جذباتی کھیل کھیلے ہیں،
اللہ پر بھروسا کیا ہے...... باقی میں کچھ نہیں جانتا، تم نے ایک انسانی زندگی لی ہے، تمہیں اس
کی سزا مل رہی ہے، اب کون جانے کہ اللہ اپنے کون سے بندوں کو معاف کر دیتا ہے، ہمیں
اتنی واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کرنی بھی نہیں چاہئے، بلکہ اللہ کی طرف دیکھنا چاہئے کہ
وہ اپنے کسی بندے کے لئے کیا فیصلہ کر چکا ہے، سنو جمال الدین تم نے ایک انسانی زندگی کی
قیمت وصول کی ہے، اللہ نے تمہیں سزا میں ڈال دیا ہے، یہ لو یہ تھوڑی سی رقم ہے اسے اپنے
پاس رکھ لو...... میں تمہیں یہاں سے واپس جانے کی اجازت دیتا ہوں، حالانکہ میں ایک اعلیٰ
پولیس افسر ہوں اور تم اقبالی مجرم، ساتھ میں ایک ایسے وکیل صاحب بھی ہیں جو اس شخص
کی وکالت کر رہے ہیں جسے مجرم اور قاتل قرار دیا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود اللہ کی ذات پر
بھروسا کرتے ہوئے میں تمہیں آزادی دے رہا ہوں...... یہ رقم لے جاؤ، اپنے بیٹے کا علاج
کرو، ابھی تمہارے پاس وقت ہے، اگر تمہارے بیٹے کو صحت اور زندگی مل جائے تو یہ سمجھ لینا
کہ تم نے اپنے گناہ کا احساس کر لیا، تو اللہ نے تمہارے بیٹے کو زندگی دے دی، سمجھ رہے ہو نا
تم، باقی میں تم سے رابطہ قائم رکھوں گا، جو بھی صورت حال ہو گی، وہ سامنے آ جائے گی، تمہارا
ضمیر اگر تمہیں ایک اور گناہ کرنے پر مجبور نہ کرے تو جیسا میں نے کہا ہے ویسا ہی کرنا، سنو

فیصل رضا نے چونکہ قتل نہیں کیا...... جرم نہیں کیا ہے، اسے تو میں بچا ہی لوں گا کم از کم اس جرم سے، یہ میری ذمہ داری ہے لیکن تمہارے اوپر جو ذمہ داری عائد ہو گئی ہے، اگر تم نے اسے پورا نہ کیا تو کون جانے کے کون کون سے عذاب تم پر نازل ہوں گے جاؤ بھاگ جاؤ..... یہ پیسے لو...... جو نوٹ شہاب نے نکال کر جمالو کو دیئے تھے، وہ بیس پچیس ہزار سے کم نہیں ہوں گے جمالو کے ہاتھ آگے نہ بڑھے تو شہاب نے کہا۔

"اور یہ سمجھ لو کہ یہ تمہیں ایک نیک اور اچھا انسان بنانے کی قیمت ہے جو میں تمہیں ادا کر رہا ہوں...... باقی سب کچھ تم خود بہتر سمجھتے ہو...... جاؤ میں کہہ رہا ہوں وہ کرو، میں تم سے خود رابطہ رکھوں گا اور اس کے بعد تمہیں وہ کرنا ہو گا جو میں کہوں گا۔" اپنی بیوی اور بچے کو لے کر یہاں سے بھاگ جانے کی کوشش کرو گے تو برا کرو گے، کیونکہ پہلی بات تو یہ کہ میں تمہارے ضمیر کو جگا رہا ہوں...... تمہارا مردہ ضمیر اگر نہ جاگا تو دنیا کے جس گوشے میں بھی ہو گے، میں تمہیں اس گڑھے سے کھود کر باہر نکال لاؤں گا، بس اس سے آگے میں کچھ نہیں کہوں گا۔

شہاب نے وہ نوٹ جمالو کی جیب میں ٹھونس دیئے اور اس کے بعد بولا۔

"خدا حافظ جاؤ...... میرا دماغ خراب مت کرو...... جمالو چلا گیا، عدنان واسطی اور بینا شدید سنسنی خیز کیفیت کا شکار تھے اور شہاب کا جائزہ لے رہے تھے...... شہاب کچھ لمحے آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا، اس کے بعد اس نے مسکرا کر ان دونوں کو دیکھا...... اس کا موڈ ایک دم بدل گیا تھا، اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میری پرفارمنس کیسی رہی، کیا اچھی اداکاری کی ہے میں نے یا نہیں۔"

بینا اور واسطی صاحب چونک پڑے...... واسطی صاحب نے کہا۔

"اداکاری؟"

"ہاں ایک جذباتی منظر کے لئے میں نے جو کوشش کی ہے اس کی بات کر رہا ہوں۔"

"لیکن شہاب، ہماری تو عقل حیران ہے...... یہ سب کچھ کیا ہوا ہے...... کیسے ہوا ہے، میرا خیال ہے، میں تو زندگی بھر نہیں سمجھ سکوں گا، عدنان واسطی نے کہا۔"

"لیکن میں سمجھ گیا ہوں جناب...... یہ بات تو ثابت ہو گئی ہے کہ بے چارے فیصل رضا کو پھنسانے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ بات بھی ثابت ہو گئی ہے کہ فیصل رضا کو جرم کی سزا نہیں ہو گی، مجرم البتہ سامنے آ گیا، یعنی امجد فضل خان ٹرانسپورٹر...... وہ میرے سامنے

ہے اور جناب محترم عدنان واسطی صاحب مجھے افسوس اس وقت ہو گا، جب مرزا جواد بیگ اپنا چہرہ لٹکائے ہوئے یہ کیس ہار جائیں گے۔

"انہیں ہارنا چاہئے بھئی، کسی بے گناہ کی زندگی کو موت کے حوالے کرنے کا کام کوئی اچھا کام تو نہیں ہے...... ہاں یقین کرو اگر کسی کی زندگی بچ جانے کی امید ہوتی اور ان کے کسی عمل سے مجھے ایسی کوئی شکست ہوتی تو بخدا خلوص دل سے قبول کر لیتا، اول تو میں ایسا کوئی کیس ہی نہیں لیتا جس میں ایسے جھگڑے والی بات ہوتی...... بہر حال فرشتہ بننے کی کوشش نہیں کر رہا، سچ کہہ رہا ہوں میں۔

عدنان واسطی صاحب جذباتی ہونے کی وجہ سے جملہ پورا نہیں کر سکے تھے، شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور محترمہ بینا صاحبہ، آپ کا کیا خیال ہے؟" بینا کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی، کہنے لگی۔

"اگر استاد محترم کے خیالات کو اس انداز میں نہ سمجھ سکی تو استاد محترم مجھے زوجہ محترمہ کا درجہ نہ دیتے، ہماری بھی کچھ صلاحیتیں ہیں جن کی بنا پر آخر کار ہمیں یہ خلعت فاخرہ ملی، کیا سمجھے آپ حضرات، جناب شہاب صاحب پورا کیس میرے ذہن میں آ گیا ہے اور اس دعوے کے ساتھ یہ بات کہہ رہی ہوں کہ غلط نکل آئے تو گولی مار دیجئے گا مجھے۔"

عدنان واسطی نے سر پکڑ لیا تھا اور شہاب مسکراتی نگاہوں سے بینا کو دیکھنے لگا تھا، پھر اس نے کہا۔

"نہیں بی بی، کچھ نہیں پوچھوں گا آپ سے، نہ اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں، کیونکہ آپ کی زندگی مجھے دنیا کی ہر شے سے زیادہ قیمتی ہے اس لئے ابھی آپ اس کیس کے بارے میں کچھ نہ بتائیے، ہاں واسطی صاحب بس مطمئن ہو کر کچھ پوائنٹس پر گفتگو کیجئے گا، وہ ہم مل جل کر تیار کر لیں گے، باقی سب خیریت ہے...... اگر آپ کی ملاقات رضا حسن صاحب سے ہو تو ان سے کہہ دیجئے کہ انشاء اللہ ان کا بیٹا اس جرم سے آزادی پا کر جلد از جلد گھر واپس پہنچ جائے گا، کیوں بینا۔"

انشاء اللہ، بینا نے بھی بڑے خلوص سے کہا تھا۔



بینا جانتی تھی کہ مشرقی ماحول میں عورت کی ذمہ داری کسی بھی صورت میں نہیں
بدل سکتی۔ وہ چاہے جتنی مرضی بڑی حیثیت کی حامل کیوں نہ ہو، اپنے گھر میں اسے اسی مقام
پر رہنا ہوتا ہے جس کی ایک ترتیب صدیوں سے چلی آئی ہے اور بہر حال انسان کی اپنی سوچ
کہیں سے کہیں پہنچ جائے لیکن اس ترتیب کو بدلنا شاید ممکن نہ ہو کیونکہ وہ ترتیب خلافِ
فطرت ہوتی ہے اور جہاں یہ ترتیب بدل گئی وہاں ایسے غلط سلط حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے
انسان کو انسانیت ہی مسخ ہو کر رہ گئی ہے...... ہم فرسودہ خیال لوگ نہیں ہیں...... دنیا میں
جہاں انسانی زندگی کو بہتر طور پر گزارنے کے لئے منصوبے تراشے گئے ہیں وہاں اگر زندگی
واقعی بہتر بن گئی ہے تو اس کی تعریف کرنا انسانی فطرت ہے، صرف اپنے اس خیال کے تحت
کسی نظام کے خلاف گفتگو کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے...... عورت کے معاملے میں اگر ہم
یورپ اور مغربی اقوام پر نگاہ ڈالیں تو صرف تعصب کی بات نہیں ہے، کچھ اچھے عمل بھی
وہاں کئے جاتے ہیں، لیکن صحیح معنوں میں اگر غور کیا جائے تو یورپ میں عورت بے وقعت
ہو گئی ہے، اس کا کوئی اہم مقام نہیں۔ ہے، قصے کہانیوں کے طور پر، افسانہ طرازی کے طور پر
چند کرداروں کی تصاویر اخباروں میں دیکھ کر یا ان کے بارے میں خبریں پڑھ کر یہ فیصلہ کر لیا
جائے کہ کون سا کام کس جگہ بہتر ہو رہا ہے تو شاید اسے کچے ذہن کی تخلیق سمجھا جا سکتا ہے
کیونکہ کسی بھی چیز کو حقیقت کی نگاہوں سے اور گہرائیوں کے ساتھ دیکھنا ایک بالکل الگ کام
ہے اور اگر یہ سچائیاں اتنی ہی مستحکم ہوتیں تو لیڈی ڈیانا کی موت اس طرح دنیا کی زبان پر نہ
آتی اور بے مقصد طریقے سے کسی کردار کو اتنی اہمیت نہ ملتی...... ہر چیز کا کوئی نہ کوئی پس منظر
ہوتا ہے اور ہم اگر اپنے ماحول اور اپنے طرزِ معاشرت کی بات کرتے ہیں تو ہمارے ہاں بھی

عورت کا ایک منفرد مقام ہے، کچھ مقدس ناموں کے ساتھ سب سے بڑی چیز جو اسے دی گئی
ہے وہ اس کا احترام ہے اور کوئی بھی اخبار یا اعلیٰ سوسائٹی کا کوئی بھی فرد کم از کم مشرق کے کسی
ملک میں یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ عورت کوئی بے مقام شے ہے...... اب اگر ٹیلی ویژن میں
اسے بے لگام کر دیا جائے اور مختصر سے لباس میں پیش کر کے چند پیسے کمانے کی کوشش کی
جائے تو یہ تو ان گندے ذہنوں کی پیداوار ہے جن کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے، ورنہ
مشرق کی روایات میں چاہے کسی بھی قوم اور کسی بھی مذہب و ملت کی بات لے لی جائے،
عورت کو ایک مقدس مقام دیا گیا ہے، ایک پر احترام مقام، بات کسی ایک نکتے پر جا کر رک
جاتی ہے لیکن کائنات کی بیکراں وسعتوں میں کوئی ایک نکتہ کوئی آخری حیثیت نہیں رکھتا،
مختصراً یہ کہ اس بحث میں پڑنا مقصود نہیں ہے کہ وہ نکتہ کونسا ہے لیکن بہر حال ہم اپنے
معاشرے میں عورت کا ایک پر وقار مقام پا سکتے ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ اس مقام کو مکمل
طور پر اپنے نظام حیات پر مسلط رکھنے کا عزم کرتے ہیں...... عدنان واسطی کی بیٹی بینا جس نے
باپ کے ساتھ وکالت کی تعلیم حاصل کی تھی اور ایک اچھے اسسٹنٹ کی طرح اپنی نیک
فطرت کے ساتھ اپنے باپ کے ساتھ معاونت کر رہی تھی، بزرگوں کی مثال ہے کہ اللہ
تعالیٰ ہر شخص کو اس کا صحیح مقام عطا کرتا ہے...... اچھی عورتوں کو اچھے مرد اور اچھے مردوں
کو اچھی عورت، بہر حال یہ ساری حقیقتیں نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں اس لئے ان پر کوئی
وہم نہیں کیا جا سکتا...... بینا ایک پولیس آفیسر کی حیثیت بھی رکھتی تھی، ایک ذہین ایڈووکیٹ
کی بھی اور ایک ذہین ترین آفیسر کی اسسٹنٹ کی بھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک نئے
منصب سے آشنا ہو چکی تھی اور وہ منصب اس گھر کی ذمہ داریاں تھیں...... نعیمہ بیگم گھر میں
بنیادی حیثیت رکھتی تھیں، اس کے بعد ثریا بیگم کا نمبر آتا تھا جو فائق حسین کی بیوی تھی اور
پھر ایک اور حیثیت بینا کو ملی تھی اور بینا نے بڑے خلوص سے نعیمہ بیگم اور ثریا بھابی سے کہا تھا۔
کوئی اعتراض، ثریا اب بینا نے یہ بات نکالی ہے تو تم بھی خلوص دل سے اپنے موقف کا
اظہار کرو۔" ثریا بھابی بھی فراخ دل خاتون تھیں کہنے لگیں۔

"دیکھو بینا بات اصل میں یہ ہے کہ اب میں تم سے یہ کہہ کر اپنے آپ کو بے وقوف
نہیں ظاہر کرنا چاہتی جب عورت کسی گھر کو اپنی عزت سمجھ لیتی ہے تو خود اپنے اوپر کیا ذمہ
داریاں محسوس کرتی ہے...... یہ گھر میری بھی عزت ہے چونکہ یہ میرے شوہر کا گھر ہے......

فائق حسین بہت اچھے انسان ہیں، انہوں نے اپنی زندگی میں مجھے وہ سب کچھ دیا جس کی کوئی بھی عورت طلب کر سکتی ہے تو مجھ پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ میں فائق حسین کے گھر کو ہر طرح کی عزت دینے کی کوشش کروں، چنانچہ اس گھر کا ایک ایک فرد میرے اپنے کلیجے کا ٹکڑا ہے اور شاید تم اس بات پر یقین نہ کرو کہ شہاب بھی مجھے اپنے سگے بھائیوں کی مانند عزیز ہے اور واثق بھی، سمجھ رہی ہو نا میرے بچے یا میرے بھائی کی بیوی میرے لئے کیا ہو سکتی ہے، وہ تم ہو بینا...... ہمارے درمیان کوئی ایسی تفریق نہیں ہے...... تمہاری اپنی ذمہ داریاں الگ ہیں، جب بھی تم اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے نکلو مجھے ان کے بارے میں بتادو، باقی جہاں تک اس گھر کی ذمہ داریاں ہیں تو خدا نے ہمیں یہ موقعہ عنایت کیا ہے کہ کسمپرسی اور بے کسی کی زندگی سے نکلنے کے بعد ہم عیش و عشرت اور آرام کی زندگی گزار رہے ہیں۔ میں یہ الفاظ بالکل نہیں کہوں گی کہ تم شہاب کو نہیں جانتیں یا حالات سے واقفیت نہیں رکھتیں، شہاب اگر چاہیں تو نہایت اعلیٰ درجے کی رہائش حاصل کر سکتے ہیں، وہ ایک عالی شان کوٹھی بھی ہوگی اور نجانے کیا کیا کچھ ہوگا اس میں، نوکروں کی بھرمار ہر چیز مہیا ہو سکتی ہے، وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ بے وقوف نہیں ہیں، ہم جانتے ہیں تمہاری ذاتی آمدنی بھی کتنی شاندار ہے اور پھر شہاب جس قدر ذہنی صلاحیتوں کا مالک ہے ایک بڑی بہن یا بھابی ہونے کی حیثیت سے کیا مجھے اس کے بارے میں معلوم نہیں ہے، لیکن امی کے ایک لفظ نے شہاب کو ہمیشہ کے لئے اس تصور سے بے نیاز کر دیا کہ ہم اس گھر کو چھوڑیں اور سچی بات تو یہ ہے بینا کہ مجھے بھی اس گھر سے اتنا ہی پیار ہے، بات کچھ زیادہ طویل ہوگئی مگر کیا کیا جائے تم ہی نے چھیڑی ہے، مطلب یہ ہے کہ تم اپنے ذہن پر کوئی ایسا بوجھ نہ محسوس کرنا کبھی جس سے تمہیں یہ احساس ہو کہ ہم میں سے کوئی تم سے کسی مسئلے میں گریز کرنے کی کوشش کر رہا ہے، باقی بچیوں کا معاملہ ہے تو بیٹیاں پرائی ہوتی ہیں جس طرح ہم اپنے گھر میں پرائے تھے یعنی وہاں جہاں ہم پیدا ہوئے اور آخر کار یہاں آ گئے۔"

"میں جانتی تھی آپ کو نہیں شہاب کو جانتی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ جس گھر میں اس کی تربیت اور تخلیق ہوئی ہے وہ کیا ہوگا...... خدا آپ کو خوش رکھے، میں ہمیشہ آپ کی غلامی کر کے فخر محسوس کروں گی، بینا جب باہر نکلی تو واثق حسین گردن جھکائے کھڑا تھا...... بینا اسے دیکھ کر چونکی اور پھر بولی۔

"کیسے ہو واثق بھیا۔"

"آپ کے ساتھ آپ کے کمرے تک جانا چاہتا ہوں۔"

"آؤ خیریت ویسے تم آج تک مجھ سے اس طرح مخاطب نہیں ہوئے۔"

"جی بڑی خود غرض چیز ہوتی ہے انسان، آپ کو کیا پتا بھابی بیگم۔"

"اچھا تو آجاؤ اے خود غرض انسان، چلو میرے کمرے میں آجاؤ۔" شہاب گیا ہوا تھا بینا واثق حسین کے ساتھ اندر آگئی...... واثق حسین بدستور گردن جھکائے بیٹھا تو پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"چہرے سے سعادت مند لگتا ہوں نا۔"

"چہرے سے ہی نہیں آج تک تو تم سعادت مند ہی رہے ہو۔"

"اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ آپ ایک اچھی شخصیت کی مالک ہیں چھوٹی بھابی لیکن اس وقت میں تھوڑی سی اداکاری کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"کیا اس اداکاری کی کوئی اہم ضرورت ہے۔"

"ہاں۔"

"تو پھر بتاؤ۔" جواب میں واثق حسین نے جیب سے ایک تصویر نکالی اور دوسری طرف رخ کر کے بینا کی طرف بڑھا دی تھی اور بینا ہنس پڑی، اس نے کہا۔

"آج تو تم واقعی کمال کر رہے ہو، لگ رہے ہو شہاب کے بھائی ہو۔"

"آپ تصویر دیکھئے گا بعد میں اس بارے میں آپ سے بھی سوال پوچھوں گا۔" بینا نے تصویر دیکھی ایک خوبصورت لڑکی کی تصویر تھی، نوجوان اور خوبصورت لڑکی جو دیکھنے ہی سے حسین لگ رہی تھی، بینا کی آنکھوں میں مسکراہٹ ناچ اُٹھی اس نے پلٹ کر تصویر کو دیکھا تو لکھا تھا۔

"نام ناظمہ فاروق، عمر اکیس سال، قد پانچ فٹ نو انچ، وزن ایک سو بائیس پونڈ، پتا ایک سو اٹھارہ گرین سکوائر، تعلیم بی اے۔" بینا مسکراتی نگاہوں سے تصویر دیکھتی رہی پھر بولی۔

"جی تو معاملات کہاں تک ہیں۔"

"بات ان کے والدین کے کانوں تک پہنچ چکی ہے۔"

"کیسے۔"

"ناظمہ کی بھابی کے ذریعے۔"

"میری کیا خدمات ہیں۔"

"کیا صرف ناظمہ ہی کی بھابی ہے میری کوئی بھابی نہیں ہے۔"

"کیوں نہیں، میں ہوں نا۔"

"تو ابھی آپ اپنی ذمہ داریاں پوچھ رہی تھیں، کبھی ہم سے بھی اس بارے میں پوچھ لیا ہوتا۔"

"سوری۔"

"کوئی بات نہیں عارضی طور پر معاف کیا جاسکتا ہے، اب باقی ذمہ داری آپ کی ہے، اصل میں ہمارے شہاب بھائی تھے نا آپ کو نہیں پتا ان کے بارے میں ایک زمانے میں گھر میں سب کی ناپسندیدہ شخصیت تھی، لوگوں کا خیال تھا کہ یہ زندگی بھر کچھ نہیں کریں گے، خیر میں ان لوگوں میں شامل نہیں تھا لیکن انہوں نے بھی کبھی کسی کو اپنا شریک کار نہیں بنایا، ان کے ذہن میں کیا تھا یہ بات تو بہت دیر میں معلوم ہوئی، اصل میں ابو ایک بے باک اور سچے صحافی تھے، ہمیشہ سچائیوں کی راہ میں اپنے آپ کو لٹاتے رہے، یہاں تک کہ اپنی سچائیوں کے ہاتھوں مارے گئے، بھائی جان کے ذہن میں اسی وقت سے ایک جنون پل رہا تھا جو آخر کار اپنی اصل حالت میں آگیا۔"

"ہاں شہاب بہت بڑے انسان ہیں، بہت ہی بڑے انسان۔"

"اور اس بہت بڑے انسان کی پسند بھی بہت بڑی ہوگی، مگر شرط یہ ہے کہ آپ اس بات کا ثبوت پیش کریں۔"

"ٹھیک ہے واثق اطمینان رکھو...... انشاءاللہ ہمارے گھر کی تیسری رونق ناظمہ ہی ہوگی۔"

"یہ ٹافی پیش کرسکتا ہوں اس وقت، مٹھائی ادھار رہی۔" واثق نے کہا اور جیب سے ایک ٹافی نکال کر بینا کو دے دی...... بینا نے ہنستے ہوئے اسے قبول کرلیا تھا، اس گھر میں بہر حال زندگی ویسے ہی کافی خوشگوار تھی، شہاب بھی خوش تھا بینا بھی یہاں آکر خوش تھی، پچھلے دن شہاب نے جو عمل کیا تھا جمال الدین عرف جمالو کے ساتھ وہ بھی بڑا جذباتی نوعیت کا عمل تھا، ابھی تک اس بارے میں بینا کی شہاب سے کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی تھی، لیکن موقع ملتے ہی اس نے شہاب سے کہا۔

"کیا جمال الدین کے پیچھے بھی ڈبل او گینگ کے کچھ افراد مخصوص کردیئے گئے ہیں۔"

"نہیں۔"

"اور اگر وہ نکل جائے تو۔" جواب میں شہاب نے بینا کو دیکھا اور کہا۔

"کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"وہ تو انتہائی اہم کردار تھا تم نے اس طرح اسے چھوڑ دیا۔"

"بینا میں نے اسے اسی طرح چھوڑ دیا ہے...... تم فکر مت کرو، بہر حال اگر اس نے برا کیا تو معاملہ ذرا مختلف ہوجائے گا۔"

"ابھی تک اس بارے میں کچھ معلوم کرنے کی کوشش کی۔"

"یقین کرو بالکل نہیں، بس میں بھی ذرا آرام کررہا ہوں اور ویسے بھی نادر حیات صاحب نے جو چھٹی دی ہے اسے بالکل ہی بیکار تو نہیں کرسکتا۔"

"کہاں آرام کررہے ہیں آپ...... یہ تو میری سمجھ میں نہیں آیا، جناب شہاب صاحب کیا کوئی اور بہتر جگہ۔"

"گڈ...... گڈ...... گڈ...... اگر یہ سوال نہ کرتی تو مجھے تم سے شکایت ہوتی۔"

"کیا مطلب۔"

"بہتر جگہ یعنی ابھی عمر کی بات ہے ناں۔"

"جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے منہ دھو رکھیئے گا۔"

"فرض کرو ایسا ہوجائے تو۔"

"کچھ نہیں سوائے اس کے کہ میں سمجھوں گی کہ یقینی طور پر یہ بھی آپ کی کوئی ضرورت ہوگی۔"

"اب مجھے جذباتی کرنے کی کوشش نہ کرو۔"

"خیر یہ بتایئے اس کیس کے سلسلے میں کوئی تیز رفتاری نہیں دکھائی جاسکتی، اصل میں فیصل رضا جیل میں ہے ایک ناکردہ گناہ کو قید میں رکھا گیا ہے اور صورت حال خراب سے خراب تر ہوتی جارہی ہے۔"

"کیوں بھئی خراب سے خراب تر کیوں، یوں سمجھو بہتر سے بہتر ہوتی جارہی ہے مگر معاملہ بڑا گڑبڑا چل رہا ہے...... یہ صورت حال کافی خطرناک ثابت ہوگی۔"

"خیر کوئی ایسی بات نہیں ہے دیکھ لیں گے جو کچھ بھی ہے۔" اس کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا تھا، بہت غور کرنے کا مقام تھا، غالباً تین دن گزر چکے تھے...... شہاب بھی اس دوران بڑی تفریحات کر رہا تھا، گھر والوں کے ساتھ پکنک کا پروگرام بنا تھا...... شہاب کے لئے اپنا موڈ بدل لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا اور اکثر کبھی کبھی اچانک ہی کوئی ایسا عمل کر ڈالتا تھا جس کی گھر والوں کو کوئی توقع نہیں ہوتی تھی...... یہ پکنک کی تجویز بھی انہی لوگوں نے پیش کی تھی...... بینا بھی اس پکنک پر بڑی دلچسپی محسوس کر رہی تھی، بہت شاندار دن گزارا گیا اور اس رات بینا نے شہاب سے کہا۔

"تمہارا یہ موڈ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔"

"بھئی کمال کر رہی ہو آخر چھٹیاں منا رہے ہیں ہم لوگ۔"

"ہوں...... ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے...... میں اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گی۔" بینا نے کہا لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ شہاب کچھ انتظار کر رہا ہے، پھر کریم سوسائٹی سے جوہر خان کا ٹیلی فون وصول ہوا تھا...... بینا اس وقت کسی کام میں مصروف تھی، شہاب باتھ روم میں تھا...... فون بینا نے ہی وصول کیا تھا۔

"کون بول رہا ہے۔"

"وہ جی مجھے شہاب ثاقب صاحب سے بات کرنی ہے۔" جوہر خان نے کہا۔

"کون صاحب ہیں آپ۔"

"کیا بینا بی بی بول رہی ہیں۔"

"ہاں لیکن تم۔"

"معافی چاہتا ہوں آواز بدل کر بول رہا تھا، جوہر خان ہوں۔"

"صاحب موجود ہیں۔"

"ہاں...... ہاں ہیں...... واش روم میں ہیں۔"

"وہ جی، ایک بندہ آیا ہے، پہلے بھی آپ لوگوں کے ساتھ یہاں آچکا ہے۔"

"کون ہے کیا کہتا ہے۔"

"جمالو بتاتا ہے اپنا نام۔"

"کہاں ہے وہ۔"

"یہیں موجود ہے کہتا ہے صاحب سے ملنا چاہتا ہے۔"

"ہوں...... ایسا کرو ایک دس منٹ انتظار کر لو، اس کے بعد میں تمہیں وہاں فون کراتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" جوہر خان نے کہا اور فون بند کر دیا...... بینا بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی تھی، کچھ لمحوں کے بعد شہاب واش روم سے برآمد ہوا تو بینا نے جلدی سے کہا۔

"شہاب کریم سوسائٹی سے فون آیا تھا۔"

"کس نے کیا تھا۔" شہاب چونک کر بولا۔

"جوہر خان نے۔"

"خیریت۔"

"جمالو وہاں آیا ہے۔" بینا نے کہا اور شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"خدا اس کے بچے کو زندگی، تندرستی عطا کرے، بینا تیار ہو جاؤ فٹافٹ، چل رہے ہیں۔"

"کیا مطلب۔"

"تیار ہونے کا مطلب تیار ہونا ہوتا ہے۔"

"آپ...... آپ بس۔" اس کے بعد بینا نے الماری سے کپڑے نکالے اور واش روم میں داخل ہو گئی، تھوڑی دیر کے بعد دونوں باہر نکلے اور اپنی کار میں بیٹھ کر چل پڑے، راستے میں بینا نے شہاب سے کہا۔

"یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تم اس بات کے منتظر تھے، آخر جوہر خان کا فون اور جمالو کی وہاں آمد۔"

"تم نے محسوس نہیں کیا ہے بینا بعض اوقات بڑی موٹی موٹی باتیں نظر انداز کر جاتی ہو۔" شہاب آہستہ سے بولا۔

"اب تفصیل بھی فرما دیجئے گا جناب۔"

"کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتی ہو...... کریم سوسائٹی کی کوٹھی کو میں نے کتنا محفوظ رکھا ہے، دوسروں کی نگاہوں سے اور کس طرح سے اس میں اپنے آپ کو خاموشی سے برقرار رکھے ہوئے ہوں، اگر جمالو جیسے جرائم پیشہ فرد کو میں نے خوشی سے کچھ رقم دے کر وہاں سے

خود چلے جانے کی اجازت دے دی تھی تو کیا تمہارے خیال میں کوئی حماقت کی تھی میں نے۔

"سمجھی نہیں ہوں اب تک۔"

"مطلب یہ تھا کہ مجھے امید تھی کہ وہ وہاں آئے گا اور ضروری تھا کہ وہ کوٹھی تلاش کرتا ہوا وہاں پر آئے اور اسے کوئی دقت نہ ہو۔"

"اوہ...... بینا پر خیال نگاہوں سے شہاب کو دیکھنے لگی پھر بولی۔

"گویا تم اس کے وہاں آنے کے منتظر تھے۔" شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا، کچھ دیر کے بعد وہ کریم سوسائٹی کی کوٹھی میں پہنچ گئے، جوہر خان منتظر تھا...... اس نے کہا۔

"ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے میں نے اسے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"غلطی تو نہیں کی صاحب۔"

"نہیں۔" شہاب نے مختصر اُجواب دیا اور اس کے بعد بینا کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا...... جمالو صوفے پر بیٹھا ہوا تھا اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا...... شہاب نے ایک نگاہ میں اس کا جائزہ لے لیا تھا، کم از کم اس قدر انسان شناسی تو اسے تھی کہ چہرے کے تاثرات اندازہ لگا لے اور جمالو کے چہرے کا اندازہ لگا کر اسے خوشی ہوئی تھی، اس نے کہا۔

"مبارک باد پیش کرتا ہوں ڈیئر جمالو۔" جمالو ایک لمحے تک شہاب کو گھورتا رہا پھر بے اختیار آگے بڑھا اور پھر شہاب کے قدموں میں بیٹھ کر اس نے اس کی ٹانگیں پکڑ لیں۔

"ارے ارے کیا کر رہے ہو، غلط، بالکل غلط مسٹر جمال الدین بالکل غلط۔"

"میں...... میں اپنے جذبات کا اظہار کیسے کروں۔" جمالو نے کہا اور بے اختیار رو پڑا۔ شہاب نے آہستہ سے اس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

"بیٹھو، بیٹھو...... بینا جمالو کے لئے کسی مشروب وغیرہ کا بندوبست کرو۔"

"ہاں میں ابھی آئی۔"

"صاحب نہیں کچھ نہ کریں مجھے...... مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں محسوس ہو رہی...... آپ کے پاس، آپ کے پاس۔"

"اچھا ٹھیک ہے بیٹھو، کیسا ہے بچہ۔"

"صاحب اللہ کا بہت بڑا احسان ہے اب ٹھیک ہو گیا ہے...... ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں

ابھی دو چار دن تک ہسپتال میں رہنا زیادہ اچھا رہے گا...... اس کے بعد چھٹی کر دیں گے۔"

"مطلب یہ کہ وہ خطرے سے نکل گیا ہے۔"

"ہاں صاحب، ہم نے اسے خود خطرے میں ڈالا تھا۔" جمال الدین نے کہا۔

"نہیں جمال الدین بات انسان کی غلطی کی ہے اور غلطی ہو جاتی ہے۔"

"صاحب وہ ٹھیک ہو گیا ہے ہم نے یہ سوچ لیا ہے کہ اب ہم اس کی شکل میں جئیں گے...... اب ہم صاحب اس کے وجود میں زندہ رہیں گے...... اللہ نے اسے زندگی دی ہے تو ہم اپنی زندگی کی قربانی پیش کر دینا چاہتے ہیں...... یہ ہونا چاہئے صاحب جب ہم نے خلوص دل سے اللہ سے یہ دعا مانگی ہے اور آپ نے ہمیں اس کا موقع دیا ہے تو اللہ سے دھوکا نہیں کریں گے...... ہم آپ کے پاس مشورہ لینے آئے ہیں صاحب، تمام تفصیل کے ساتھ اپنی گرفتاری پیش کر دیں یا پھر کیا کریں آپ ہمیں بتائیے چند روز کے بعد ہمارا بچہ ہسپتال سے فارغ ہو جائے گا، ہم اپنی بیوی کو بتا دیں گے کہ سارا کام کیا ہے، بس پھر ہم اپنے آپ کو عدالت میں پیش کر دیں گے صاحب، آپ سے ایک مشورہ لینے بھی آئے ہیں۔"

"ہاں بولو۔"

"ہم چاہتے ہیں اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کرنے سے پہلے وہ پیسے جو ہمارے پاس موجود ہیں ان کے ساتھ اپنی بیوی کو یہاں سے کہیں دور بھجوا دیں تاکہ بیوی اور بچے پر کوئی مشکل پیش نہ آئے۔"

"یہ بتاؤ کہ تمہاری سسرال کہاں ہے۔"

"کہیں نہیں ہے صاحب، دو تین چھوٹے موٹے رشتے دار ہیں، مطلب یہ کے بیوی کہ وہ بہت دور دراز کے شہروں میں ہیں، غریب لوگ ہیں ان سے رابطہ بھی نہیں ہے ہمارا، اصل میں جو پیسے ہیں نا ہمارے پاس یعنی میرا مطلب ہے جو ہمیں مل چکے ہیں اور جنہیں ہم نے چھپا رکھا ہے...... صاحب ان کے ساتھ ہم اسے ایک ایسی جگہ بھجوا دیتے ہیں جہاں وہ آرام سے رہ سکے گی...... اب اسے ساری صورت حال تو بتائی نہیں جا سکتی۔ ہم کہہ دیں گے اس سے کہ ہم ملک سے باہر جا رہے ہیں کہیں دبئی وغیرہ میں نوکری مل رہی ہے ہمیں...... وہاں جا کر کام کریں گے، یہ پیسے ایڈوانس میں ملے ہیں...... صاحب گھر کی گھر میں ہونی چاہئے اور باہر کی باہر، بیوی کو ساری تفصیلات کا پتا تو نہیں ہے نا...... ہم تو آپ سے مشورہ لینے آئے ہیں۔"

"ہوں...... ٹھیک جمال الدین فرض کرو تم اپنی بیوی کو اگر کہیں بھیجتے تو کون سے شہر میں بھیجتے۔"

"بہت پرانی بات ہے صاحب کہ ایک جان پہچان والا تھا اپنا اپنی ماں کے ساتھ رہتا تھا ایک شہر میں، کبھی کبھی اس سے یاد اللہ ہو جاتی ہے...... وہ بھی ویسے وطن سے باہر ہے...... نے یہی سوچا تھا کہ اس کے ہاں بھیج دیں گے، اپنا خرچہ خود اٹھائے گی سمجھا دیں گے اسے۔ بعد میں تو صاحب جو اللہ کا حکم ہو گا ہو ہی جائے گا، اللہ ہی سب کی سرپرستی کرتا ہے۔"

"تم ایسا کرو جلد بازی میں یہ فیصلہ نہ کرو بلکہ اگر مجھ سے مشورہ لینا چاہتے ہو تو میں تمہیں مشورہ دینے کے لئے تیار ہوں۔"

"ہاں...... بولو صاحب۔"

"شیر خان تم سے اب بھی ملتا ہے۔"

"بالکل ملتا ہے، ابھی تو کیس باقی ہے بس اس لئے تھوڑی سی خاموشی اختیار کر رکھی ہے ان لوگوں نے کہ انہیں ہمارے بچے کی بیماری کا پتا ہے۔"

"سنو، پھر بات سنو، آرام سے اپنے بچے کو لے کر گھر جاؤ جس طرح سے شیر خان ملتا رہتا ہے اسی طرح سے کرتے رہو، کسی اور کو قتل کرنے کی کوشش نہ کرنا جو بھی صورت حال ہو مجھے بتاتے رہنا، میں کوئی وعدہ تو نہیں کرتا تم سے لیکن تمہیں وعدہ معاف گواہ بنا کر بچانے کی کوشش کروں گا یا اگر نہ بھی بچا سکا تو تم یہ سمجھ لو کہ تمہیں موت کی سزا نہیں ہونے دوں گا، ہو سکتا ہے کہ تھوڑی بہت قید ہو جائے...... کیا یہ بہتر نہیں رہے گا۔ جمال الدین بلک بلک کر رو پڑا تھا...... اس نے کہا۔

"صاحب ہر آدمی کی خواہش ہوتی ہے کہ اپنی اولاد کے ساتھ خوشی کی زندگی گزارے...... ہمارے دل میں بھی یہ خواہش ہے لیکن جو کر چکے ہیں، اس کے لئے اپنے آپ کو سزاوار پاتے ہیں...... بس اللہ سے معافی مانگتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کیا کہہ کر معافی مانگیں، ایک بچی کی زندگی چھین لی اور اس کے بعد اپنے آپ کو معافی کے قابل بھی سمجھیں۔"

"خیر میری بات تو سمجھ رہے ہو نا تم لیکن شرط یہ ہے کہ ظاہر نہ ہونے پائے کسی پر تمہارے ذہن میں کوئی تبدیلی آئی ہے یا تم نے اپنے طور پر کچھ فیصلے کئے ہیں۔"

"صاحب برے آدمی ہیں، برے رہنا نہیں چاہتے، لیکن اگر اپنی برائی میں سے

ایک کا خاتمہ بھی اس انداز میں ہو جائے تو کم از کم دل کو یہ اطمینان تو ہو گا کہ چلو کچھ نہ کچھ تو کیا ہے...... آپ بالکل بے فکر رہو اور ہمیں حکم دیتے رہو، ہم آپ سے رابطہ کئے رکھیں گے صاحب۔"

"ایک ٹیلی فون نمبر رکھ لو جو یہاں کا ہے، اس عمارت کا جب بھی کوئی اطلاع دو کسی پبلک ٹیلی فون بوتھ سے یہ اطلاع دے دینا اور بتا دینا کہ کب اور کہاں ملنا چاہتے ہو، میں تم سے ملاقات کر لوں گا، بہت جلد تمہارے لئے میری طرف سے کچھ کام ہوں گے جو تمہیں سرانجام دینا ہوں گے۔"

"جان کی بازی بھی لگانی پڑی تو صاحب لگا دیں گے۔"

"اور ایک بات اور ذہن نشین کر لو اب اس کے بعد کسی بھی قیمت پر جرم کے بارے میں مت سوچنا۔"

"امجد فضل خان جو کچھ بھی تھا وہ ایک الگ بات ہے، لیکن نیرنگئ زمانہ بس عجیب چیز ہوتی ہے...... وقت کس کس طرح کروٹیں بدلتا ہے، اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے اور اسی کیفیت کا شکار ہونے کے بعد انسان یہ سوچتا ہے کہ اس کے اپنے بس میں کوئی بات نہیں ہے...... وقت جس طرح کی بھی تبدیلیاں مناسب سمجھتا ہے کر ڈالتا ہے اور یہ تمام تر تبدیلیاں قدرت کے اشاروں پر ہوتی ہیں، اب اس کے پیچھے کیا رنگ چھپے ہوتے ہیں...... اگر انسان اتنا ہی جان لیتا تو پھر بات ہی کیا تھا۔ بہر حال بات امجد فضل خان کی تھی، حقیقت یہ تھی کہ سابقہ مشرقی پاکستان میں وہ بہت ہی معمولی حیثیت کا حامل آدمی تھا اور یہ بات بھی بڑی اچھی طرح جانتا تھا کہ حاجی غیاث کس طرح نرم دل اور نرم فطرت کا مالک ہے...... پاکستان آنے کے بعد اس نے حاجی غیاث کی تلاش شروع کر دی تھی۔ حاجی غیاث سابق مشرقی پاکستان میں بھی ایک بہترین حیثیت کا حامل تھا، بہت بڑا حلقہ تھا اس کا، لیکن تقدیر کا ہمیشہ ہیٹا رہا اور کچھ ایسے واقعات پیش آتے رہے اس کے ساتھ جن کی تفصیل اگر جمع کر لی جائے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کے کام بس اللہ ہی جانتا ہے...... انسان کی سمجھ سے باہر ہوتے ہیں وہ، حاجی غیاث نے یہاں آنے کے بعد پھر اپنے آپ کو مستحکم کر لیا تھا اور ایک ٹرانسپورٹر کی حیثیت سے بڑے بڑے حلقوں میں اپنا ایک مقام بناتا جا رہا تھا۔ بیوی کا انتقال ہو چکا تھا، بس نوجوان بیٹی رمشہ تھی، پھر اچانک ہی وہ بھی ایک عجیب موت کا شکار ہو گیا۔ یہ

موت دم گھٹنے سے واقع ہوئی تھی۔ اب یہ دم کس طرح گھٹا، یہ کوئی نہیں جانتا تھا،
یہاں آنے کے بعد اس نے اپنے کاروبار کے لئے بڑی محنت کی تھی اور جب وہ اپنا کار
پوری طرح جما چکا تھا تو اس کو پھر امجد فضل خان ملا تھا...... اس میں کوئی شک
ٹرانسپورٹ کی لائن میں امجد فضل خان بہت زبردست تجربہ رکھتا تھا اور حاجی غیاث
اسے اس کے تجربے کی بنا پر ہی اپنا منیجر رکھا تھا...... وہاں سب کچھ ختم ہو گیا، سب
دوسرے سے بچھڑ گئے لیکن یہاں دوبارہ امجد فضل خان کے ملک جانے سے حاجی غیاث
بڑی تقویت ہو گئی تھی اور اس کے بعد اس نے امجد فضل خان کے ساتھ جو سلوک کیا
شاید ہی لوگ یقین کر پاتے کوئی سگا بھائی بھی سگے بھائی پر اتنا اعتماد نہیں کر سکتا، بات یہ
ہے کہ دنیا اعتماد سے خالی ہو چکی ہے، آج بھی آپ کو ایسے ایسے کردار نظر آئیں گے جو
کسی کے لئے کچھ کرنے پر آتے ہیں تو پھر فرشتوں ہی جیسی صفات اختیار کر لیتے ہیں۔
حاجی غیاث نے امجد فضل خان کو اپنے سگے بھائی کی حیثیت دی تھی...... امجد فضل خان
اپنے پورے خاندان کے ساتھ یہاں آیا تھا اور اسی خاندان میں وہ خبیث روح بھی تھی
ایک عجیب و غریب شخصیت کی مالک تھی، لیکن رئیسہ عجیب و غریب نوعیت کی حامل
امجد فضل خان کے علاوہ اب اس کا کوئی اور نہیں رہ گیا تھا...... بظاہر گوشہ نشین اور
عورت کے روپ میں بیوگی کی زندگی گزار رہی تھی، لیکن یہ بات تو بس شاید کوئی نہیں
تھا کہ وہ کس قسم کی مالک ہے اور پھر جب حاجی غیاث دوبارہ امجد فضل خان کو مل گیا تو یہ
رئیسہ ہی کی کوشش تھی کہ اس نے امجد فضل خان کو پٹی پڑھانا شروع کر دی...... امجد
خان ویسے تو کوئی بہت اچھا انسان نہیں تھا لیکن اس نے شاید ایسا کوئی غلط عمل نہیں کیا
جیسا کرنے کی ترغیب رئیسہ نے اسے دی۔ حاجی غیاث مل چکا تھا اور امجد فضل خان نے
کاروبار سنبھال لیا تھا...... رئیسہ بہت کم امجد فضل خان سے مخاطب ہوتی تھی، لیکن اس
امجد فضل خان سے خاص طور پر ملی اور امجد فضل خان نے سہمی ہوئی نگاہوں سے اسے
بہر حال رئیسہ کی شخصیت سے واقف تو تھا۔

"آؤ رئیسہ خیریت...... کیسے آنا ہوا۔"

"آنا تو بس ویسے ہی ہو گیا، کیا کروں باجی کے رشتے سے تم جیسے گدھے کو بھی منہ
پڑتا ہے۔"

"خیر بد تمیز تو تم ہمیشہ ہی کی طرح ہو، میں خود تمہیں کبھی منہ نہیں لگاتا اس لئے کہ تمہیں منہ لگنا ہی نہیں آتا۔"

"اچھا فالتو باتیں مت کرو، یہ بتاؤ کیا ارادہ ہے آگے۔"

"آج تمہیں میرے ارادے کی کس طرح سوجھ گئی۔" امجد فضل خان نے پوچھا۔

"اس لئے کہ اپنی بہن کے بچوں کی طرف دیکھتی ہوں، تمہاری طرف دیکھتی ہوں تو دل کو یہ احساس ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو غلام پیدا کیا گیا ہے اور وہ غلامی ہی میں مر جانے کے لئے اس دنیا میں جی رہے ہیں۔"

"بڑی اونچی اونچی باتیں کرنے لگی ہو جو بکنا چاہتی ہو صاف صاف بکو۔"

"تم دیکھ رہے ہو کہ جو وہاں تھا وہ یہاں ہو چکا ہے۔"

"کیا مطلب۔"

"حاجی غیاث آج پھر ایک بڑی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور تم وہی لکیر کے فقیر۔"

"مطلب کیا ہے تمہارا۔"

"مطلب یہ ہے کہ اسی فقیری میں مر جاؤ گے یا ہاتھ پاؤں ہلا کر کچھ کرو گے بھی۔"

"تم تو ایسے بات کر رہی ہو جیسے تم مجھے کوئی خزانہ دینے والی ہو اور کہنے والی ہو کہ یہ خزانہ لے کر میں اپنا کاروبار شروع کروں۔"

"فضل خان، فضل خان بلکہ امجد فضل خان...... فضل خان تو تمہارے باپ کا نام تھا...... دیکھو انسان اگر عقل کا کھوٹا ہو تو زندگی میں کچھ نہیں کر سکتا...... میں کہتی ہوں آخر جب عقل بٹ رہی تھی تو تم کہاں گئے ہوئے تھے۔"

"تمہاری بہن سے نکاح کرنے گیا ہوا تھا بس وہیں تو مارا گیا۔" امجد فضل خان نے کہا۔

"ارے قدر کرو میری، قدر کرو میری جو کچھ آج میں تمہیں بتانے جا رہی ہوں اگر کر لو تو سمجھ لو زندگی بن جائے گی۔"

"کیا بتانے جا رہی ہو بتاؤ۔"

"یہ حاجی غیاث کا کیا تمہیں اچار ڈالنا ہے۔"

"کیا مطلب۔"

"سب کے سب پر قبضہ جمائے بیٹھا ہے تم جو جہاں تھے وہاں ہو بس اسی منیجری میں

زندگی گزارتے رہو گے۔"

"خیر حاجی غیاث نے مجھے اپنی کوٹھی میں رکھا ہوا ہے، بچوں کے ساتھ وہ تایا کی طرح پیش آتا ہے...... رمشہ بے چاری بھی گردن اٹھا کر بات نہیں کرتی، سارے سیاہ و سفید کا مالک مجھے بنا رکھا ہے اس نے۔"

"بالکل ٹھیک ہے تھوڑے دن کے بعد رمشہ کی شادی ہو جائے گی۔"

"ہاں بالکل ہو جائے گی۔"

"اور حاجی غیاث کو اس کی تمام دولت اور جائیداد کا وارث مل جائے گا۔"

"وارث۔"

"اس کا اپنا داماد جو اگر کوئی چالاک آدمی ہوا تو سب سے پہلا کام تم جانتے ہو کیا کرے گا۔"

"کک کیا کرے گا۔"

"تمہیں کان سے پکڑ کر باہر نکال دے گا، آخر تم کس بنیاد پر اتنا سب کچھ حاصل کئے ہوئے ہو۔"

"مقصد کیا ہے تمہارا۔" یہ کام کرنا ہوتا تو حاجی غیاث خود کر لیتا دوسرا آدمی کیے کر سکتا ہے...... حاجی غیاث مجھے بھائی کا درجہ دیتا ہے۔

"اور تمہیں بھائی کا درجہ مل گیا...... مجھے ایک بات بتاؤ امجد فضل خان۔"

"ہاں پوچھو۔"

"اگر کوئی دعویٰ کر دیتا ہے تمہارے اوپر اور کہتا ہے کہ تمہارا آخر ٹرانسپورٹ کی اس کمپنی میں کیا حصہ ہے تو کیا کرو گے تم۔"

"ایں۔"

"بولو، بولو کیا کرو گے تم۔"

"مم...... میں...... میرا مطلب یہ ہے کہ حصے دار تو نہیں ہوں میں اس کمپنی کا، میں ملازم ہوں۔"

"اور مالک نہیں بننا چاہتے۔"

"رئیسہ مالک بننا چاہتا ہوں مگر کیسے بنوں۔"

"ہاں یہی تو میں کہہ رہی تھی تم سے ذرا اپنے منہ سے کچھ پھوٹو تو سہی تا کہ میں آ

تم سے اس موضوع پر بات کروں۔" رئیسہ نے کہا اور اب امجد فضل خان خاص طریقے سے رئیسہ کی جانب متوجہ ہو گیا تھا، کچھ لمحے رئیسہ کی شکل دیکھنے کے بعد اس نے کہا۔

"تمہارے ذہن میں کوئی خیال ہے مجھے بتاؤ۔"

"کوئی خیال نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں اس گھر کا بھلا چاہتی ہوں۔"

"خیر وہ تو میں جانتا ہوں اچھی طرح۔"

"سنو سب سے پہلے تمہیں حاجی غیاث کو راستے سے ہٹانا ہو گا...... اس کے بعد کچھ عرصے کے لئے مکمل خاموشی اختیار کر لو بعد میں تم سے جو کہوں وہ کرتے جانا۔"

"رئیسہ پلیز بتاؤ میں کیا کروں...... مجھے بتاؤ تو سہی۔" امجد فضل خان کہنے لگا۔

"سنو جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اسے سنو۔" اور اس کے بعد رئیسہ مدھم لہجے میں امجد فضل خان کو سب کچھ سمجھاتی رہی، کبھی امجد فضل خان کے چہرے پر خوف کے آثار پیدا ہو جاتے اور کبھی اس کی آنکھیں مسرت سے چمکنے لگتیں، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"اور اگر یہ بات منظر عام پر آ گئی تو۔"

"تو میرا نام لے دینا، سمجھ رہے ہونا...... میرا نام لے دینا، اس سے بڑی بات اور کیا کہہ سکتی ہوں، سب کچھ اپنے سر پر لے لوں گی میں، جاہل، گنوار، بے وقوف کہیں کے۔" رئیسہ نے کہا اور امجد فضل خان خاموش ہو گیا اور پھر حاجی غیاث خاموشی سے اس دنیا سے رخصت ہو گیا اور امجد فضل خان نے وہ ناٹک کیا کہ دیکھنے والے ششدر رہ گئے، تین دن تک کھانا نہیں کھایا تھا اس نے اور یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو ڈھکی چھپی ہو، خود اس کے اہل خانہ پریشان ہو گئے تھے...... رئیسہ منہ پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی تھی، لیکن جب ایک بار امجد فضل خان نے آنکھ دبائی تو رئیسہ نے تنہائی ملتے ہی سرگوشی کے عالم میں پوچھا۔

"کچھ ٹھونستے جا رہے ہو کیا، کہیں بھوک سے مر ہی نہ جاؤ۔"

"ٹھونسوں گا میں آواز نکل رہی ہے میری، بھوک کے مارے جو حالت ہے میری، اللہ جانتا ہے اور میں جانتا ہوں...... ڈاکٹر چیک کر کے گئے ہیں کہ کھایا پیا نہیں تو مر جاؤں گا۔ اب بولو اس سے زیادہ میں کیا کروں۔"

"ارے تمہارا ستیاناس...... تم نے تو کمال ہی کر دیا، اب ایسا کرو مرنے سے پہلے کچھ کھا لو تو زیادہ اچھا ہے۔" رئیسہ نے کہا اور بمشکل تمام اہل خاندان نے، دوستوں نے، جاننے

والوں نے امجد فضل خان کو سمجھایا، بجھایا کہ مرنے والے کے ساتھ مرا نہیں جاتا، یہاں تک کہ رمشہ نے بھی کہا۔

"چاچا جی کچھ کھالو تمہیں میری قسم۔" بس رمشہ کی قسم کافی تھی، امجد فضل خان دھاڑیں مار مار کر رویا اور بولا۔

"بیٹی تیرے لئے تو...... تیرے لئے تو زندہ رہنا چاہتا ہوں بس، تیرے لئے ہی زندہ رہنا چاہتا ہوں۔" اور اس کے بعد امجد فضل خان نے رمشہ کے لئے زندہ رہنے کی کوششوں کا آغاز شروع کر دیا اور یہ سلسلہ کافی عرصے تک خاموشی سے چلتا رہا لیکن پھر اس کے بعد ایک گڑ بڑ ہو گئی، ایک ایسی گڑ بڑ جو ذرا قابل غور تھی اور اس گڑ بڑ نے امجد فضل خان کو پریشان کر دیا۔ یہ گڑ بڑ اچانک ہی پیدا ہوئی تھی...... یہ احمد خان تھا، احمد خان نے اچانک ہی دعویٰ کیا تھا کہ حاجی غیاث کی زندگی میں علی شہزاد کی رمشہ سے منگنی ہو گئی ہے۔

"مگر میرے علم میں تو یہ بات نہیں ہے۔"

"تمہارے علم میں نہ ہو مگر میرے پاس اس کے ثبوت موجود ہیں اور بہت ساری ایسی چیزیں بھی جنہیں اگر تم کسی طرح بھی چیلنج کرو گے تو بات کھل کر سامنے آ جائے گی، اس کے علاوہ تم نے جو کچھ شروع کر رکھا ہے امجد فضل خان میں اس پر بھی گہری نگاہ رکھ رہا ہوں...... بات یہ نہیں ہے کہ میں کسی کی دولت پر قبضہ کرنا چاہتا ہوں، اللہ نے مجھے بھی بہت کچھ دے رکھا ہے۔ تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو لیکن چونکہ شروع ہی سے ایک معاملہ میرے اور حاجی غیاث کے درمیان طے تھا۔ مرحوم حاجی غیاث تو اپنی بات نبھا نہ سکے اور زندگی ہی سے روٹھ گئے، لیکن مجھے رمشہ کو دلہن بنا کر گھر لے جانا ہے۔ وہ تمہیں چاچا جی کہتی ہے اور تم بھی اس کے ملازم کی حیثیت سے سارے معاملات سنبھالے ہوئے ہو، چنانچہ میں چاہتا ہوں رمشہ کو رخصت کرنے کا فیصلہ کر لو اور کچھ عرصے کے بعد ہم اس سلسلے میں کوئی موثر قدم اٹھائے لیتے ہیں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا امجد فضل خان کہ حاجی غیاث کا ایک ایک پیسہ تمہارے پاس امانت ہے۔ اپنی ذمہ داریاں ضرور پوری کرو، اپنی محنت کا معاوضہ ضرور حاصل کرو لیکن باقی چیزوں کا دھیان رکھنا۔"

"مجھے کیا کرنا ہے ان تمام چیزوں کا، مجھے کیا کرنا ہے جو تمہارے پاس ثبوت ہیں، کم از کم وہ مجھے دکھا دینا تاکہ بعد میں کوئی مجھ پر الزام نہ رکھ سکے کہ میں نے اپنی مرضی سے حاجی

غیاث کی بیٹی تمہارے حوالے کر دی۔" اور پھر جو ثبوت احمد خان نے امجد فضل خان کو دکھائے وہ ناقابل تردید تھے اور ان سے یہ بات بالکل کھل کر ظاہر ہو جاتی تھی کہ رمشہ کی منگنی کر دی گئی ہے اور احمد خان جو کچھ کہہ رہا ہے وہ بالکل سچ ہے...... امجد فضل خان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی، پھر اسے اس شیطانی مشیر کا خیال آیا اور رئیسہ امجد فضل خان کی خلوت میں پہنچ گئی، ساری تفصیل سننے کے بعد وہ رخسار کھجاتے ہوئے بولی۔

"تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو، ابھی یہ بات کہہ دو کہ حاجی غیاث کی برسی سے پہلے اس بارے میں کچھ نہیں سوچا جا سکتا، وقت مل جائے گا تو سوچیں گے اور پھر کوئی موثر منصوبہ بنائیں گے۔" رئیسہ نے کہا اور امجد فضل خان نے یہی بات احمد خان سے کہہ دی اور احمد خان بخوشی اس بات کے لئے تیار ہو گیا...... بہر حال یہ سارا مسئلہ چلتا رہا، امجد فضل خان پریشان تھا، ویسے بھی پڑھا لکھا آدمی نہیں تھا، بس کام چلانا جانتا تھا اور جو ملازم دوسرے کام کرتے تھے ان میں سے سب اس کی مٹھی میں نہیں تھے...... سارے معاملات دیکھ رہا تھا اور ایک ایک قدم احتیاط سے اٹھا رہا تھا...... رئیسہ خاموش تھی، لیکن پھر تقدیر نے ایک موقعہ فراہم کر دیا اور یہ موقع بھی بدقسمتی سے رئیسہ ہی نے فراہم کیا تھا...... رئیسہ کیا کرتی تھی، کس طرح سے زندگی گزارتی تھی یہ تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن حقیقت ہے کہ بعض لوگ زمین پر صحیح معنوں میں شیطان کے پیروکار ہوتے ہیں...... رئیسہ نے ہی بے چاری رمشہ کو فیصل رضا کے ساتھ دیکھا تھا اور اس کے بعد چھان بین میں پڑ گئی تھی، شاطر قسم کی عورت تھی، زندگی میں اور کوئی کام نہیں تھا بس دوسروں کی ٹوہ میں رہتی تھی، کون کیا کر رہا ہے، کس طرح سے کیا کر رہا ہے اور اس کے بعد اس نے باقاعدہ فیصل رضا کے لئے اپنے کچھ ایسے خاص لوگوں کو منتخب کر لیا جو اسی کی طرح اس کے شیطانی کاموں کے حصے دار تھے، گھر کے ملازم تھے اور رئیسہ کو خفیہ رپورٹیں دیا کرتے تھے، چنانچہ رئیسہ کو خفیہ رپورٹیں ملیں کہ رمشہ فیصل رضا کی طرف متوجہ ہے، گاڑی لئے چھٹی ہونے کا انتظار کرتی ہے اور زبردستی اس ملازم لڑکے کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ ہوٹل بازی کرتی ہے، پارکوں میں ٹہلتی ہے، سمندر کے کنارے چہل قدمی کرتی ہے اور رئیسہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے جب اچھی طرح صورت حال کا جائزہ لیا تو ایک دن امجد فضل خان کو اپنے پاس بلا بھیجا اور کہنے لگی۔

"ہاں، میرے بے وقوف بہنوئی اب بتاؤ تم اس سلسلے میں کیا کر رہے ہو۔"

"میں کیا کر رہا ہوں...... میں تو ایک عجیب مصیبت میں پھنس گیا ہوں...... صحت نہیں دیکھ رہی ہو آج کل، کتنا دبلا ہو گیا ہوں۔"

"ہاں...... ہاں وہ لگ رہے ہو...... سارے نکمے آدمی اس طرح دُبلے ہو جاتے ہیں۔" رئیسہ نے کہا۔

"اگر تم لوگ مجھے اتنا برا آدمی سمجھتے تھے تو کیوں اپنی بہن میرے گھر بھیجی تھی۔"

"میں نے بھیجی تھی۔" رئیسہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"اچھا اب یہ بتاؤ کیا کریں۔" جب بھی سامنے آتا ہوں کچھ نہ کچھ برا بھلا کہنا شروع کر دیتی ہو۔"

"وجہ ہے نا اس کی۔"

"کیا وجہ ہے بھلا۔"

"وجہ یہ ہے کہ تم خود کوئی کام نہیں کر پاتے، ارے میں عورت ہو کر کتنی ذمہ داریاں قبول کروں، تم نے ابھی تک کوئی ترکیب سوچی...... کچھ کیا۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا سوائے اس کے کہ اپنا سر پھاڑ لوں۔"

"وہی کر لو...... جو سمجھ میں آئے وہی کر لینا چاہئے انسان کو، سر پھاڑ پھاڑ کر مر جاؤ تو از کم سکون تو ہو جائے کہ ایک نکما آدمی اس دُنیا سے چلا گیا۔"

"تم اتنی باتیں کرتی ہو کہ کہیں کسی دن میرے ہاتھوں ماری نہ جاؤ۔" امجد فضل خان نے کہا۔

"یہی تو تمہارے لئے سب سے زیادہ آسان کام ہے کہ مجھے مار دو...... کسی اور کو مارنا تمہارے بس میں کہاں۔"

"بابا جو کچھ تم مجھ سے کرا بیٹھی ہو وہ بہت ہے اور اب کیا کرانا ہے مجھے بتاؤ، اب کس کو مروانا ہے۔"

"کچھ آنکھیں کھلی رکھتے ہو کچھ نظر آتا ہے یا اندھے ہو گئے ہو۔"

"اندھی ہو جاؤ تم خود، میں کیوں اندھا ہو جاؤں، جو بکواس کرنی ہے کھل کر کرو نا۔"

"میں تمہارے دفتر کی باتیں تمہیں بتا رہی ہوں کچھ شرم آئے تو مجھے بتا دینا۔"

"میرے دفتر کی باتیں۔"

"ہاں...... تمہارے دفتر کی باتیں۔"

"بھلا وہ کیا۔"

"تھوڑے عرصے قبل کوئی نیا لڑکا تمہارے ہاں ملازم ہوا ہے۔"

"رمشہ کا فیصل رضا سے عشق چل رہا ہے، ساتھ لے جاتی ہے اسے اپنے...... گھماتی پھراتی ہے...... لڑکے کا کیا نظریہ ہے مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم لیکن تمہاری بھتیجی اس سے عشق کرنے لگی ہے...... ارے ایسی ترکیب آئی ہے میرے ذہن میں امجد فضل خان کہ سنو گے تو پاگل ہو جاؤ گے۔"

"پاگل تو میں آدھا ہو چکا ہوں...... میں کہتا ہوں آخر تمہیں یہ بات کیسے معلوم۔"

"یوں کرو پہلے دو چار دن میری بات کی تصدیق کر لو، پتا لگا لو پھر اس کے بعد مجھ سے بات کرنا۔"

"سنو تم غلط تھوڑی کہہ رہی ہو گی مگر کمال ہے بھئی تمہاری معلومات کو...... یہ سب تمہیں کہاں سے معلوم ہو گیا۔" امجد فضل خان نے کہا۔

"بھاڑ میں اور چولہے میں سے تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے سمجھے، جاؤ دو تین دن تک تصدیق کرو پھر اس کے بعد میرے پاس آنا۔"

"سنو تو سہی رئیسہ...... مجھے بتاؤ تو سہی یہ قصہ کیا ہے۔" امجد فضل خان نے عاجزی سے کہا اور رئیسہ اسے گھورنے لگی...... کافی دیر خاموشی سے امجد فضل خان کی صورت دیکھتی رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

"حالانکہ اپنے دل کا راز کسی اور کو دینا دنیا کی سب سے بڑی حماقت ہوتی ہے اور عام طور سے یہ دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں نے اپنا راز کسی کے سامنے کھول دیا انہیں نقصان کے علاوہ کچھ نہیں حاصل ہوتا لیکن بعض اوقات انسان کے دل میں کچھ باتیں اس طرح پکنے لگتی ہیں کہ اگر انہیں اُگلنے نہ دیا جائے تو سینہ پھٹ جاتا ہے...... تم نے کبھی میرے بارے میں کچھ سوچا امجد فضل خان۔"

"کیا مطلب میں سمجھا نہیں۔" امجد نے کہا۔

"بات بہت پرانی ہے بہت ہی پرانی لیکن چونکہ تم ہمارے خاندان سے کافی متعلق رہے ہو، تمہارے بزرگوں کو بہت سی ایسی باتیں معلوم تھیں جو عام لوگوں کو نہیں معلوم، تم نے

بھی کبھی غور نہیں کیا...... کیا تم نے اس بات پر غور کیا کہ میں اس طرح لاوارث اور بے
اپنی بہن یعنی تمہارے در پر کیوں پڑی ہوئی ہوں۔" امجد فضل خان نے حیرت سے رئیسہ
صورت دیکھی اور کہنے لگا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ نہ تم یہاں لاوارث پڑی ہوئی ہو اور نہ کسی غیر جگہ پڑی ہوئی
ہو...... یہ تمہاری بہن کا گھر ہے اور بات تمہاری بہن کے رشتے کی بھی نہیں ہے...... رئیسہ
ہم لوگ تو سابق مشرقی پاکستان میں بھی بہت اچھے دوست اور ساتھی تھے...... اس گھرانے
کے تعلقات تو بہت پرانے ہیں، کبھی یہ بات سوچی ہی نہیں گئی کہ تم کوئی غیر شخصیت ہو
سابق مشرقی پاکستان میں جو حادثہ ہم لوگوں کے ساتھ پیش آیا اور اس حادثے میں جس طرح
بربادیاں ہوئیں ان میں ہمارا گھر بھی شامل تھا۔ میں تمہارے گھر کو بھی اپنا گھر کہہ کر مخاطب
کر رہا ہوں جو ہو گیا اس کی تفصیل دہرانا بیکار ہے...... اس کے بعد تمہارے پاس اس گھر کے
سوا اور کون سی جگہ تھی اور پھر یہ گھر کب کس غیر کا ہے، تمہارا اپنا ہی تو ہے۔"

"ہاں میرا اپنا ہی ہے اور اس لئے میں چاہتی ہوں یہ گھر سلامت رہے، بنا رہے لیکن
آج میں تمہیں تھوڑے سے مختصر واقعات بتاتی ہوں...... تم جانتے ہو میری شادی کیوں
نہیں ہوئی...... تم جانتے ہو ساری زندگی میں نے اس طرح کیوں گزار دی۔"

"جہاں تک میرے علم میں ہے بس یہ ہے کہ تمہاری شادی کے سلسلے میں تمہارے
والدین نے کوئی خاص پیش رفت نہیں کی، کچھ رشتے ٹھکرا بھی دیئے گئے تھے اور اس کے بعد
یہ سلسلہ منقطع ہو گیا اور ہم لوگ حادثوں کا شکار ہوتے چلے گئے۔"

"نہیں یہ تو اب کی بات ہے، میں پرانی بات کر رہی ہوں...... احمد علی سے میری بچپن
میں منگنی ہوئی تھی، بہت چھوٹی عمریں تھیں ہماری، غالباً میری عمر اس وقت سات سال تھی
اور وہ مجھ سے تھوڑا سا بڑا تھا...... ہم دونوں کے والدین کے درمیان بڑے اچھے تعلقات
تھے...... احمد علی کے والدین میرے والدین سے بھائیوں کی طرح ہی محبت کرتے تھے، نتیجے
میں ایک بار یہ سلسلہ بھی سامنے آ گیا اور دونوں نے خوشی کے عالم میں ہم دونوں کی منگنی
کر دی...... میں نہیں جانتی امجد فضل خان کہ موٹر گاڑیوں کے درمیان، ان کے پرزوں کے
درمیان زندگی بسر کرتے ہوئے تمہارے دل میں جذبات، احساسات نام کی کوئی چیز باقی رہ
گئی ہے کہ نہیں...... لیکن بہر حال یہ الفاظ کہنے میں مجھے کوئی دقت نہیں محسوس ہوتی کہ بچپن

ہی میرے ذہن میں احمد علی کو ڈال دیا گیا تھا، ان کے حالات ہم سے ہزار درجے بہتر
تھے، بعد میں صورت حال آگے بڑھتی چلی گئی۔ ہم تو خیر تھے ہی غریب مگر احمد علی کو چار
چاند لگ گئے...... انہوں نے کپڑے کا کاروبار کیا۔ یہاں آ کر ٹرانسپورٹ کا کاروبار بھی کیا اور
وہ بہتر سے بہتر ہوتے چلے گئے...... میں جوان ہو گئی کیونکہ شروع ہی سے میرے دل میں احمد
علی کا نام بٹھا دیا گیا تھا...... اس لئے میں اسی کے نام پر جی رہی تھی، لیکن پھر جب سنجیدگی سے
اس سلسلے میں میرے والدین نے احمد علی کے والدین سے گفتگو کی تو وہ بے چارے تو خوشی
سے تیار ہو گئے، لیکن احمد علی نے مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا...... اس نے کہا بچپن
میں یہ کھیل کسی اور نے کھیلا تھا، اس نے نہیں وہ اپنی پسند سے شادی کرے گا اور میرے لئے
اس کے دل میں کوئی جگہ نہیں ہے...... میرے والدین خاموش ہو گئے، لیکن میں اپنی توہین
برداشت نہ کر سکی اور اس کے بعد میرے والدین ہی نہ رہے...... میرے لئے بہت سے رشتے
اس کے بعد بھی آئے لیکن میں نے انہیں قبول نہیں کیا اور خاموشی سے وقت گزارتی
رہی...... تم یقین کرو میرے دل میں احمد علی کے لئے عشق کا کوئی مقام نہ تھا، بالکل نہیں تھا،
لیکن میں اس سے نفرت کرتی تھی، میں اس سے بدلہ لینا چاہتی تھی، البتہ اس کے لئے مجھے
کوئی موقعہ نہیں مل سکا...... احمد علی کی شادی ہو گئی اور وہ زندگی کی خوشیاں سمیٹ کر مجھ سے
کنارہ کش ہو گیا، لیکن میں مسلسل اس آگ میں جلتی رہی ہوں اور پھر بعد کے واقعات
تمہارے علم میں ہیں، عمر کا ایک حصہ بیت گیا احمد علی کی شادی ہوئی۔ اولاد ہوئی اس کی،
مشرقی پاکستان بنگلہ دیش میں تبدیل ہو گیا...... ہم لوگ یہاں آ گئے...... ہماری اپنی حیثیت کچھ
بھی نہیں تھی، لیکن آخر کار یہ سب کچھ ہو گیا...... پھر اس کے بعد تمہیں حاجی غیاث دوبارہ
مل گیا اور آخر کار تمہاری تقدیر بدل گئی...... وہ اپنی بیٹی رمشہ کے ساتھ تمہارے ہمراہ رہنے لگا
اور تم نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے اس کے کاروبار پر قبضہ کر لیا، پھر اس کے بعد احمد علی
دوبارہ سامنے آیا اور اس نے بھی وہی کہانی دوبارہ شروع کر دی جسے ایک بار وہ ختم کر چکا تھا،
یعنی اپنے بیٹے علی شہزاد کا رشتہ رمشہ سے طے کر چکا تھا وہ، دو بڑے آدمی یعنی حاجی غیاث اور
احمد علی ایک بار پھر اسی کہانی کو جوڑ چکے تھے جو بچپن میں میری کہانی تھی اور یہاں سے ایک بار
پھر میرے دل میں انتقام کی آگ روشن ہو گئی۔ تم بھی مختلف انداز میں سوچنے لگے اور
صورت حال یہاں تک آ گئی اور اب اس سے آگے میں تمہیں جو کچھ بتانا چاہتی ہوں اسے غور

سے سنو اور اس پر عمل کرو۔" امجد فضل خان نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ انتقام میں جھلستی ہوئی ناگن اس وقت بری طرح زہر میں ڈوبی ہوئی ہے...... اسے خود تو بہت زیادہ تجربہ نہیں تھا لیکن بعد کے سارے حالات رئیسہ کی ڈائریکشن میں طے ہوئے، نجانے کہاں سے اس انتقام کی پیاسی کے ذہن میں یہ خوفناک منصوبے آتے گئے، ایک عورت چاہے وہ گھر کی چار دیواری ہے تو اس سے زیادہ خطرناک چیز اور کوئی نہیں ہوتی، اس کا اندازہ امجد فضل خان کو بخوبی ہو رہا تھا...... حاجی غیاث کو اس طرح چٹ پٹ کر دیا گیا کہ کسی کو کانوں کان شبہ بھی نہ ہو سکا، اس میں بھی رئیسہ کی کارکردگی شامل تھی۔ صورت حال بالکل ہی گم ہو گئی اور کہیں سے بھی کوئی برائی سامنے نہ آسکی...... ادھر امجد فضل خان نے نہایت چالاکی سے حاجی غیاث کے کاروبار پر قبضہ کر لیا...... رمشہ کو اپنی سگی بیٹی کی حیثیت سے پروان چڑھانے لگا وہ اور اس کے بعد رئیسہ نے احمد علی کے بارے میں اسے آگے کے حالات سے آگاہ کیا...... جمال الدین عرف جمالو کو اس سلسلے میں شامل کیا گیا اور رمشہ کی عشق کی داستان کی تصدیق آخر کار امجد فضل خان کو بھی ہو گئی۔ جب یہ تصدیق مکمل ہو گئی تو رئیسہ نے امجد فضل خان کو دوبارہ اپنے حضور طلب کر لیا۔

"ہاں تو سارے کام میری پیش گوئی کے مطابق ہی ہوئے نا امجد۔"

"ہاں رئیسہ اور میں شدید حیران ہوں کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا...... بے حد تعجب کی بات ہے رئیسہ، بے حد تعجب کی بات ہے لیکن بہر حال تمہاری بات بالکل درست ہے، اب میں کیا کروں یہ بتاؤ مجھے۔"

"اس لڑکے فیصل رضا کو رمشہ کا قاتل ثابت کر دو اور رمشہ کو قتل کرانے کے لئے ایک مخصوص طریقہ کار متعین کرو۔" امجد فضل خان بالکل سحر زدہ ہو گیا تھا، بعد کے معاملات رئیسہ کی ہدایت کے مطابق ہی ہوتے رہے...... جمال الدین عرف جمالو سے رابطہ قائم کر کے رمشہ کو قتل کرا دیا گیا اور فیصل رضا پر اس قتل کی ذمہ داری عائد ہو گئی، لیکن جو اصل کھیل تھا اس کے بارے میں سن کر امجد فضل خان نے دونوں کان پکڑ لئے تھے، بہت ہی بھیانک منصوبہ تھا رئیسہ کا اور امجد فضل خان سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک گھریلو عورت اتنا بھیانک منصوبہ بنا سکتی ہے...... فیصل رضا کو صرف اس وقت کے لئے رمشہ کا قاتل قرار دیا جانے والا تھا جب تک صحیح صورت حال پر رئیسہ کو کنٹرول حاصل نہ ہو جائے، چنانچہ طے یہ

ہوا تھا کہ جب عدالت فیصل رضا کو رمشہ کا قاتل قرار دے کر سزا سنانے لگے تو جمال الدین عرف جمالو عدالت میں پیش ہو اور مکمل طور پر قسم کھا کر کہے کہ رمشہ کا قاتل فیصل رضا نہیں بلکہ احمد خان کا بیٹا علی شہزاد ہے اور اس کے لئے بھی رئیسہ نے باقاعدہ ایک کہانی پیش کر دی تھی...... اس نے کہا تھا کہ علی شہزاد کو قاتل قرار دینے کے لئے جمالو کو عین وقت پر عدالت میں پیش کیا جائے گا اور جمالو مکمل تفصیلات بتاتے ہوئے یہ کہے گا کہ علی شہزاد نے اس کی مدد سے فیصل رضا کو قاتل قرار دیا اور رمشہ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔ وہ یہ بتائے گا کہ جمالو کے ذریعے اس نے فیصل رضا کا لباس اس کے گھر سے چرایا اور اس کے بعد اس وقت جب رمشہ اور فیصل رضا ایک پارک میں سیاحت میں مصروف تھے تو علی شہزاد نے جمالو کی آنکھوں کے سامنے رمشہ کو قتل کیا اور اس سلسلے میں کچھ ایسے ثبوت فراہم کرنے ہوں گے جن کی تردید نہ ہو سکے...... مثلاً وہ خون آلود لباس وغیرہ اور اس وقت علی شہزاد کو قاتل قرار دے دیا جائے گا اور فیصل رضا کو بے گناہ اور یہ رئیسہ کا احمد علی سے انتقام ہو گا...... یہ بات صاف ظاہر کر دی جائے گی کہ چونکہ علی شہزاد اور حاجی غیاث کی بیٹی رمشہ کے درمیان رشتہ طے ہو چکا تھا اور رمشہ فیصل رضا کے ساتھ دیکھی جانے لگی تھی، اس لئے علی شہزاد جوش رقابت میں دیوانہ ہو گیا اور صورت حال کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے ایک کرائے کے غنڈے کی مدد سے یہ سارا ڈرامہ کیا تھا اور اب وہ اس بات سے بے حد مطمئن تھا کہ صورت حال چاہے کچھ بھی ہو حاجی غیاث اس دنیا سے چلا گیا اور اس کی بیٹی بھی، ایک طرف دولت قبضے میں آگئی اور دوسری جانب احمد علی کا پتہ کٹ گیا...... وہ اس شکل میں کہ اگر علی شہزاد کی شادی رمشہ سے ہو جاتی تو ظاہر ہے اس بات کو امجد خان سے زیادہ کون جانتا تھا کہ یہ سارا کاروبار اصل میں امجد خان کی نہیں حاجی غیاث کی ملکیت ہے اور امجد فضل خان اس پر صرف قبضہ جمائے بیٹھا ہے تو یوں یہ اُلجھی ہوئی کہانی چل رہی تھی...... اس سلسلے میں ظاہر ہے نہ تو بیچارے مرزا جواد بیگ کو ساری تفصیلات معلوم تھیں نہ ہی پولیس آفیسر اس بارے میں کچھ جانتا تھا، بس یہاں جو چیز صورت حال کا ایک مخصوص منظر بنا کر پیش کر دی جائے اسی پر غور کر لیا جاتا، یقین کر لیا جاتا ہے چنانچہ ذرا سی کوتاہی کی بات اپنی جگہ لیکن قصور اقبال شاہ کا تھا نہ مرزا جواد بیگ کا...... مجرم اسی طرح اپنے جال بنا کرتے ہیں اور ایسے ہی جال بے گناہوں کو پھانسی کے پھندے تک پہنچا دیا کرتے ہیں، لیکن بہر حال تقدیر نے فیصل رضا وغیرہ کا ساتھ

دیا تھااور ان لوگوں کی فریاد آسمان تک پہنچ گئی تھی اور نتیجے میں شہاب اس سلسلے میں عمل پیرا ہو گیا تھااور بات خاصی حد تک سدھر گئی تھی، کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جمال الدین عرف جمالو اس طرح پینترا بدل لے گا...... مرزا جواد بیگ نے بھی اپنا کیس مکمل کر لیا تھا اور ادھر انسپکٹر اقبال شاہ بھی اپنے طور پر اس سلسلے میں اپنا چالان مکمل کر چکا تھا...... عدالت میں اس بار جو پیشی ہوئی وہ اس بار تمام تر تیاریوں کے ساتھ تھی۔ بینا بھی تھی، شہاب بھی ویسے ضرورت نہیں پیش آئی تھی کہ شہاب اپنے اختیارات سے کچھ کام لے کر معمولی سی بات تھی اور عدنان واسطی صاحب مکمل تیاریاں کر کے پہنچے تھے...... البتہ مرزا جواد بیگ سے باہر ہی ملاقات ہو گئی تھی۔ مرزا جواد بیگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس دوران بہت سی معلومات حاصل کر چکا ہوں، واسطی صاحب اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بعض لوگوں کو اسی طرح الہ دین کے چراغ مل جاتے ہیں لیکن مجھے ایک بات بتایئے آپ...... اگر کیس سچ ہوں جیسا کہ آپ نے اپنا نظریہ تشکیل دیا ہے اور انسان یعنی کوئی وکیل ایسے کیس جیت لے تو مالی منافع کے علاوہ جو روحانی منافع حاصل ہوتا ہے میرے اپنے خیال میں تو وہ کم از کم مالی منافع سے بہت زیادہ ہوتا ہے، لیکن کسی مقدمہ قتل میں قاتل کو بچانے کی کوشش کیا ایک انسانی عمل ہے۔ معاف کیجئے گا ایک سوال ہے ہمارے چاہے کتنے بڑے فائدے ہی حاصل کیوں نہ ہو جائیں حقائق کو کسی بھی شکل میں مسخ کر دیا جائے، لیکن ضمیر کی بھی ایک عدالت ہوتی ہے...... کیا پیشہ وارانہ طور پر کسی معصوم لڑکی کے قاتل کو بے گناہ ثابت کر کے ضمیر کی عدالت میں بھی کیس جیتا جا سکتا ہے۔" عدنان واسطی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، انہوں نے کہا۔

"جواد بیگ صاحب اتنے اچھے الفاظ ادا کر کے آپ میرے ان جذبوں کو سرد نہ کریں جو آپ کے خلاف میرے دل میں بیدار ہیں۔ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں نا یہ ایک سچے اور اچھے انسان کے دل کی آواز ہوتی ہے اور اس آواز کو نظر انداز کرنا کسی بھی طرح ممکن نہیں ہو سکتا۔"

"کچھ نہیں...... ایک قاتل کو بے گناہ ثابت کرنا ایک بہت بڑا گناہ ہے، لیکن جس نے گناہ نہ کیا ہو اسے گناہ گار ثابت کرنا بھی تو بہت بڑا گناہ ہے۔"

"بات بہت بڑی ہے وکیل صاحب، پیشہ اپنی جگہ ایک الگ حیثیت رکھتا ہے اور میں

سمجھتا ہوں کہ ہر پیشے میں ایک ذمہ داری ہوتی ہے۔ دکاندار سودا بیچتا ہے اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنے گاہک کو صحیح چیز دے، اس کی صحیح قیمت وصول کرے، آپ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ اس کی مذہبی ذمہ داری بھی ہوتی ہے اور معاشرتی ذمہ داری بھی، اتنا منافع بے شک اسے لینا ہوگا جتنے میں اس کے اپنے اہل خاندان کی کفالت ہو سکے...... اب ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ دنیا میں فرشتے آکر آباد ہو گئے ہیں، لیکن جہاں تک ممکن ہو سکے تھوڑے سے دینی فرائض بھی نبھا لینے ضروری ہوتے ہیں...... ڈاکٹر کا بھی ایک پیشہ ہے اور انسانی بنیادوں پر نہایت زبردست اہمیت کا حامل، تکلیف سے تڑپتا ہوا شخص ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے، کبھی تنہا ہوتا اور کبھی اس کے ساتھ لواحقین ہوتے ہیں، سب کے چہروں پر ایک امید رقصاں ہوتی ہے کہ ڈاکٹر اسے دوا دے گا جسے تکلیف ہے اسے آرام ملے گا اور جو اس کی تکلیف سے پریشان ہیں، انہیں بھی سکون حاصل ہوگا۔ اس وقت ڈاکٹر پر صرف ایک پیشہ وارانہ نہیں بلکہ اخلاقی، انسانی اور مذہبی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ مریض کے مرض کی اپنی بساط کے مطابق صحیح تشخیص کرے اور اسے صحیح دوا دے اور یقینی طور پر مرزا جواد بیگ صاحب ڈاکٹر ایسا ہی کرتے ہیں لیکن کچھ ایسے ہوتے ہیں جو کسی مریض کو دیکھ کر پہلے اپنے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا کرتے ہیں، پھر افسوس بھری گہری گہری سانسیں چھوڑتے ہیں اور اس کے بعد نا صرف مریض بلکہ اس کے لواحقین کو بھی اس طرح اپنے جال میں الجھا لیتے ہیں کہ زندگی انہیں ایک بوجھ محسوس ہونے لگے، وکالت کا پیشہ بھی ایسا ہی ہے۔ ہماری تمام تر کوشش اس بات پر ہونی چاہئے کہ ہم جرم کی تشخیص کریں، کسی ڈاکٹر کی مانند اور جہاں تک ممکن ہو سکے گناہ گار کو سزا اور بے گناہ کو مشکل سے نجات دلائیں، صرف یکطرفہ عمل کے ذریعے ہم بعض اوقات ایسے عمل کر ڈالتے ہیں جنہیں شاید روز محشر ہمیں کبھی معاف نہ کیا جا سکے۔"

"ہمارے سامنے جو حقائق آتے ہیں...... ہم انہیں عدالت کے سامنے پیش کرتے ہیں اور عدالت ثبوتوں کی بنیاد پر سزا کا تعین کرتی ہے۔"

"صرف اس حد تک کہ تھوڑے سے حقائق پر غور کر لینا ضروری ہے۔"

"معاف کیجئے گا آپ نے ساری زندگی یہی سب کچھ کیا ہے...... میں معافی مانگ چکا ہوں لیکن آپ کو خود اندازہ ہے کہ آپ کا ماضی کیا رہا ہے۔ اب یہ چند معاملات میں کچھ

تھوڑی بہت کامیابی حاصل کر لینا اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی بہت بڑا کارنامہ ہے تو ضرور سمجھئے میں آپ کو اس سے نہیں روکتا۔" عدالت کی طرف سے مجرموں کے نام پکارے گئے تو یہ سلسلہ گفتگو ختم ہوا اور اس کے بعد وکلا ملزم کے ساتھ عدالت میں پیش ہو گئے...... فیصل رضا، اس کا باپ اور دوسرے افراد، بینا اور شہاب بھی ایک گوشے میں جا کر بیٹھ گئے تھے... آج کی پیشی بڑی اہم نوعیت کی حامل تھی...... اس وقت امجد فضل خان بھی موجود تھا اور اسے خاص طور سے اس سلسلے میں بلایا گیا تھا، کیونکہ اس کی جانب سے درخواست پیش کی گئی تھی کہ مجرم کے لواحقین ایک وکیل کے ذریعے اپنے تعلقات استعمال کر کے اس کیس کو زیادہ سے زیادہ الجھا رہے ہیں اور اس بنیاد پر یہ کام کر رہے ہیں کہ جس طرح کیس کی تاریخیں پڑتی جائیں گی اس کی اہمیت کم ہوتی جائے گی اور کچھ ایسے معاملات درمیان میں نکال لئے جائیں گے جن کے ذریعے گناہ گار کو سزا سے بچایا جا سکے اور ایک معصوم لڑکی کے قتل پر پردہ ڈالا جا سکے، بہر حال بڑی سنگین نوعیت کی پیشی تھی اور عدنان واسطی نے اس سلسلے میں کافی ہوم ورک کیا تھا...... خود شہاب اور بینا نے ان کے ساتھ بیٹھ کر کئی گھنٹے تک مغز ماری کی تھی اور اس پیشی کی نوعیت بڑی دلچسپ تھی۔ یہ کام بھی مرزا جواد بیگ نے اپنے اختیارات سے کام لیتے ہوئے کرایا تھا کہ آج عدالت میں صرف یہی ایک کیس تھا جس کے بارے میں مکمل طور پر بہت سے الٹ پھیر ہونے تھے...... سارے کا سارا کام تیار کر لیا گیا تھا اور اس طرح سے مقدمے کی نوعیت آج کے دن کے لئے کافی سنسنی خیز ہو گئی تھی۔ شہاب کے منصوبے کے مطابق سارے معاملات تیار تھے اور اگر کیس باقاعدگی سے چل جاتا تو ایک باقاعدہ ڈرامہ منظر عام پر آنے والا تھا...... بہر حال فیصل رضا کو کٹہرے میں پہنچا دیا گیا اور فاضل عدالت نے کیس کا فائل کھول لیا، امجد فضل خان کے وکیل مرزا جواد بیگ نے عدالت کو کیس کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔

"بڑا سادہ سا کیس ہے جناب والا جسے کچھ لوگوں نے ذاتی شہرت کے لئے ایک اُلجھا ہوا کیس بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ فیصل رضا جو ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ماضی میں اس کا کوئی مجرمانہ عمل اس کے مجرمانہ ذہن کی عکاسی نہیں کرتا، لیکن اس دور میں کچھ ایسے عوامل کار فرما ہیں کہ نوجوانوں کے سوچنے کا انداز بدل گیا ہے۔ فیصل رضا کو امجد فضل خان کے دفتر میں ملازمت مل گئی اور یہاں اس کی

ملاقات رمشہ حاجی غیاث سے ہوئی جو فضل خان کی بھتیجی اور مرحوم حاجی غیاث کی بیٹی تھی۔ یہ ملاقات رفتہ رفتہ عشق و محبت میں تبدیل ہو گئی، لیکن فیصل رضا ایک غریب گھرانے کا لڑکا تھا، اس نے رمشہ کو اس غرض کے تحت اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی تھی کہ ہو سکتا ہے کہ مستقبل میں اس کی تقدیر بدل جائے اور امجد فضل خان کا داماد بن کر وہ ایک شاندار حیثیت اختیار کر سکے...... جناب والا صورت حال کافی حد تک آگے بڑھتی چلی گئی۔ رمشہ اور فیصل رضا تنہائیوں میں ملاقات کرنے لگے، لیکن فیصل رضا نے بے صبری سے کام لیتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ رمشہ کو داغدار کر دے تاکہ وہ کبھی بھی اس کے چنگل سے نکلنے کی کوشش نہ کر پائے اور اس بے صبری میں وہ وحشت کا شکار ہو گیا اور نتیجے میں اس کے ہاتھوں رمشہ کی موت واقع ہو گئی، چنانچہ اب صورت حال کچھ کچھ بدل گئی...... ظاہر ہے انسان کو کچھ کرنے کے بعد ہی اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ فیصل رضا کیونکہ کوئی باقاعدہ مجرم نہیں تھا اس لئے وہ اپنے جرم کو چھپانے کے لئے احمقانہ حرکتیں کرتا رہا اور نتیجے میں گرفتار ہو گیا۔ یہ ساری صورت حال ہے کوئی بھی مجرم اپنا جرم اتنی آسانی سے قبول نہیں کرتا۔ ہاں، ضمیر کی بات اور ہے لیکن جہاں تک مسئلہ یہاں اس کیس کا ہے اس میں ضمیر ملوث نہیں ہے، سیدھا سیدھا قتل کا کیس ہے اور کچھ لوگ اسے اُلجھا کر مجرم کو بچانے کے خواہشمند ہیں جبکہ اس سلسلے میں کوئی ایسی اُلجھی ہوئی بات نہیں ہے جو قابل غور ہو۔" اس کے بعد عدنان واسطی صاحب نے جج صاحب کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔

"مرزا جواد بیگ صاحب نے اپنے طور پر اس کیس کو بہت سیدھا سادا بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے...... جناب والا، لیکن بہت سی بنیادی حقیقتوں کو انہوں نے یکسر نظر انداز کر دیا ہے کہ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ مرزا جواد بیگ جیسے فاضل وکیل کسی بے گناہ شخص کو مجرم قرار دینے پر کیوں تلے ہوئے ہیں...... بے شک وکالت کے معزز پیشے میں بہت سی بنیادی باتوں کا دھیان رکھا جاتا ہے لیکن مرزا صاحب نے چونکہ فیصل رضا کو ایک غریب اور نادار لڑکا تصور کر لیا ہے اور اپنے طور پر اپنے ذہن میں یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہی قاتل ہو سکتا ہے اور سیدھا سادا کیس ہے یہ، لیکن حقیقت کچھ اور ہے اس بارے میں کچھ تفصیلات پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔"

"مجھے اعتراض ہے جناب والا اور اعتراض یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے،

مرزا جواد بیگ نے کھڑے ہو کر کہا لیکن فاضل جج نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"آپ اپنا بیان جاری رکھئے عدنان واسطی صاحب۔"

"جناب والا کسی چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کو ہم بہت سرسری نگاہوں سے دیکھتے ہیں...... پولیس بہت سادگی سے اس کی تفتیش کرتی ہے، لیکن کبھی کبھی واقعات حقائق سے بالکل مختلف نکلتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ پولیس کی ذمہ داری ہے کہ تفتیش کو اتنی گہرائی کے ساتھ کرے، خاص طور پر قتل جیسے معاملے کی تفتیش کو کہ کسی بے گناہ کو سزا نہ ہو سکے...... یہاں صورت حال بالکل مختلف ہے، میں ماضی کے کچھ اوراق الٹنا چاہتا ہوں اور ثبوت کے طور پر یہ کچھ کاغذات پیش کرنا چاہتا ہوں۔" عدنان واسطی صاحب نے ایک فاضل عدالت کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"ان کاغذات میں کیا ہے۔" جج صاحب نے سوال کیا۔ "جناب عالی، اس کاغذات میں جو شواہد موجود ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ امجد فضل خان سابق مشرقی پاکستان میں حاجی غیاث صاحب کا ایک معمولی سا ملازم یا ان کی ٹرانسپورٹ کمپنی کا منیجر تھا...... امجد فضل خان 1971ء کے فسادات میں حاجی غیاث سے جدا ہو گیا اور اس کے بعد حاجی غیاث یہاں آگئے اور پھر کچھ عرصے کے بعد امجد فضل خان حاجی غیاث کو ملا اور حاجی غیاث نے اپنی محبت کے پیش نگاہ امجد فضل خان کو ایک بار پھر اپنی کمپنی میں اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ یہ وہ دستاویز ہیں جو بہر حال حاصل کی گئی ہیں...... پھر جناب عالی ایک اور واقعہ پیش آیا۔ وہ واقعہ حاجی غیاث کے انتقال کا تھا...... امجد فضل خان نے حاجی غیاث کو زہر دے کر قتل کر دیا۔ میں آپ کو اس کی تفصیلات ان کاغذات کے ذریعے پیش کرنا چاہتا ہوں...... اصل میں اس دوران جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ مرزا جواد بیگ صاحب نے تو صرف قتل کا ایک معمولی کیس اپنے ہاتھ میں لے کر اسے ایک معمولی سا قتل قرار دیا ہے لیکن معاملہ ایک بے گناہ کی زندگی کا تھا، چنانچہ مجھے اس سلسلے میں کچھ لوگوں کا سہارا لے کر تھوڑا سا کام کرنا پڑا اور اس میں سے سب سے بڑا کام یہ ہے کہ حاجی غیاث کی لاش کو اس کی قبر سے نکالنے کے بعد میں نے میڈیکل لیبارٹری سے اس کا تجزیہ کرایا ہے اور اس کے بعد ڈاکٹروں کی رپورٹ موجود ہے جس کے ذریعے کیمیکل ایگزامینر نے صاف صاف کہا ہے کہ حاجی غیاث طبعی موت نہیں مرا بلکہ اسے زہر دے کر ہلاک کیا گیا اور اس کی ہلاکت سے صرف اور صرف امجد فضل خان کو

فائدہ حاصل ہوا۔ یہ ان کاغذات کی نقول ہیں جن کی رو سے امجد فضل خان نے حاجی غیاث کے ٹرانسپورٹ کے مکمل کاروبار پر قبضہ کر لیا اور وہ تفصیلات ہیں جناب عالی جو اس وقت کے بنگلہ دیش سے امجد فضل خان کے بارے میں حاصل ہوئی ہیں اور ان تفصیلات میں ہمیں ایک اور نام بھی ملتا ہے اور یہ نام احمد خان کا ہے۔ احمد خان کی مکمل تفصیل ان کاغذات میں موجود ہے اور اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ احمد خان کے بیٹے علی شہزاد سے حاجی غیاث کی بیٹی کی منگنی ہو چکی تھی...... یہاں آنے کے بعد بھی یہ سلسلہ مسلسل جاری تھا کہ حاجی غیاث کی موت واقع ہو گئی اور پھر۔"

"مجھے اعتراض ہے جناب عالی، کیس کو الجھانے کے لئے بڑی مدلل کہانی گھڑی گئی ہے۔ ہم ماضی کی تمام باتوں کو مان لیتے ہیں، لیکن رمشہ کے قتل کا معاملہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ ان ماضی کے واقعات سے بھلا قتل کے اس واقعے کا کیا تعلق۔"

"وکیل صفائی آپ اپنا بیان جاری رکھئے۔" جج صاحب نے کہا اور عدنان واسطی گردن خم کر کے بولے۔

"یہ تعلق ہی میں ظاہر کر رہا تھا جناب...... اصل میں یہ سارا معاملہ ایک بالکل ہی مختلف نوعیت کی کہانی پر مبنی ہے۔ میں آپ کو لاتعداد ثبوتوں کے ساتھ اس کہانی کا اصل پیش کرتا ہوں اور ایک بالکل نئی کہانی وجود میں آتی ہے اور رمشہ کا قاتل فیصل رضا نہیں بلکہ خود امجد فضل خان کے اشارے پر کرائے کے ایک قاتل نے رمشہ کو قتل کیا اور اس کے پس پشت ایک گہری سازش تھی۔" کمرہ عدالت میں اچھی خاصی سنسنی پھیل گئی تھی۔ عدنان واسطی نے کہا۔

"اصل میں امجد فضل خان جو سابق مشرقی پاکستان میں صرف ایک ملازم کی حیثیت رکھتا تھا، یہاں آنے کے بعد حاجی غیاث کی نرم دلی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے پورے کاروبار پر قابض ہو گیا اور پھر جیسا کہ میں نے آپ کو اپنی رپورٹوں سے ظاہر کیا کہ امجد فضل خان نے حاجی غیاث کو زہر دے کر ہلاک کر دیا...... اب اس کے بعد اس کے سامنے رمشہ تھی لیکن یہ بات اس وقت اس کے ذہن میں نہیں تھی کہ رمشہ کو بھی راستے سے ہٹا دے، بلکہ اس نے سوچا تھا کہ رمشہ کی کہیں نہ کہیں شادی کر دے گا اور تھوڑا بہت لے دے کر سارے راستے ہموار کر دے گا، لیکن یہ اس کی بد قسمتی تھی کہ اس نے احمد خان کے

بارے میں نہیں سوچا تھا جو نمودار ہوا تو ایک نئی صورت حال سامنے آ گئی، یعنی ایک ایسا آدمی جو یہ بات جانتا تھا کہ اصل میں سب کچھ حاجی غیاث اور رمشہ ہی کی ملکیت ہے اور خود امجد فضل خان جو کچھ کر چکا ہے وہ سب کچھ جعلی ہے۔ چنانچہ امجد فضل خان نے منصوبہ بندی کی، کرائے کے ایک قاتل کو مہیا کر کے اس نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور حقیقت ہے کہ رمشہ فیصل رضا نامی اس نوجوان کو چاہنے لگی تھی، لیکن یہ بے چارہ اپنی اوقات کو ذہن میں رکھتا تھا، اس نے رمشہ کو سمجھانے کی کوشش کی اور رمشہ نے اسے بتایا کہ وہ آزاد فطرت کی مالک ہے اور اپنا سب کچھ خود کر سکتی ہے...... اس دوران علی شہزاد کا معاملہ سامنے آیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ امجد فضل خان نے جو خوبصورت پروگرام بنایا۔ وہ ایک باکمال ذہن کی سوچ تھا، اس نے کرائے کے ایک قاتل کو مہیا کیا اور اس کے ذریعے رمشہ کو قتل کرا دیا اور فیصل رضا کو اس کا قاتل قرار دیا، لیکن ایک انتہائی خوبصورت منصوبے کے تحت، جناب والا میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ ایک ایسی شخصیت کو پیش کروں جس سے اس مقدمے پر بہترین روشنی پڑے اور اصل صورت حال کھل کر سامنے آ جائے۔" جج کی جانب سے اجازت ملنے پر عدنان واسطی صاحب نے جمال الدین عرف جمالو کو پیش کیا اور امجد فضل خان کا چہرہ تاریک ہو گیا...... جمال الدین کٹہرے میں آ کر کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔

"جناب عالی میرا نام جمال الدین ہے اور ایک مخصوص علاقے کے لوگ مجھے جمالو دادا کہہ کر پکارتے ہیں۔ زندگی میں بہت سے جرائم کئے ہیں لیکن قتل پہلی بار کیا ہے اور وہ بھی ایک وقتی جذبے سے متاثر ہو کر، یہ امجد فضل خان صاحب ہیں اور انہوں نے مجھے اس لڑکی کے قتل پر آمادہ کیا تھا جس کا نام رمشہ ہے یا تھا۔ اس دن وہ فیصل رضا کے انتظار میں تھی اور میں نے فیصل رضا سے پہلے پہنچ کر اس سے کہا کہ فیصل ایک پارک میں اس کا انتظار کر رہا ہے، دونوں اکثر اس پارک میں ملا کرتے تھے۔ وہ میرے ساتھ چل پڑی اور پارک میں میں نے اسے لے جا کر قتل کر دیا...... امجد فضل خان صاحب نے اس کے لئے مجھے ایک بڑی رقم ادا کی تھی۔ جناب عالی اس کے بعد کا منصوبہ یہ تھا کہ عین اس وقت جب فیصل رضا پر فرد جرم عائد کی جا رہی ہو، میں کمرہ عدالت میں داخل ہوں اور اصل حقائق سامنے لاؤں جس میں علی شہزاد کو رمشہ کا قاتل ثابت کروں اور یہ بتاؤں کہ علی شہزاد نے اصل میں مجھے اس کام کے

لئے آمادہ کیا تھا کیونکہ وہ رمشہ کا منگیتر تھا اور جذبہ رقابت میں دیوانہ ہو گیا تھا۔ اس نے رمشہ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن رمشہ فیصل رضا کو نہیں چھوڑنا چاہتی تھی، چنانچہ جوش رقابت میں اس نے رمشہ کو قتل کر دیا۔ میں اس کا دوست تھا اور یہ قتل میری آنکھوں کے سامنے ہوا ہے۔ جب رمشہ قتل ہو گئی تو علی شہزاد نے مجھے مجبور کیا کہ میں فیصل رضا کو قاتل قرار دینے میں اس کی مدد کروں اور اس طرح وہ، وہ سوٹ میں نے علی رضا کے گھر سے چرایا اور اسے خون میں ڈبو کر ایک ایسی جگہ پھینک دیا جہاں سے وہ پولیس کو باآسانی حاصل ہو جائے، بعد میں مجھے فرشتہ بن کر عدالت میں آنا تھا اور ساری صورت حال بتانا تھی تاکہ علی شہزاد اس قتل کے الزام میں گرفتار ہو جائے۔ فیصل رضا کو رہائی مل جائے، رمشہ راستے سے ہٹ چکی ہے اور اس کے بعد کوئی یہ کہنے والا موجود نہیں کہ اصل میں امجد فضل خان اس کاروبار یا دولت کا مالک ہے، یہ تھی ساری صورت حال صاحب لیکن بدقسمتی سے یا خوش قسمتی سے قدرت کی طرف سے میری رہنمائی ہو گئی۔ میرا بچہ جسے میں اس دنیا میں سب سے زیادہ چاہتا ہوں، اس بری طرح بیمار ہو گیا کہ اس کی زندگی خطرے میں پڑ گئی اور میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں رہا کہ میں اس کی زندگی بچا سکوں، تب میری رہنمائی ہوئی صاحب اور ایک کسوٹی مہیا کر دی گئی میرے لئے...... وہ کسوٹی یہ تھی کہ میں اگر اپنے بچے کی زندگی بچانا چاہتا ہوں تو کسی دوسرے کی زندگی کی حفاظت کروں اور اصلیت سامنے لے آؤں۔ صاحب آپ ہسپتال سے میرے اس تمام معاملے کی تحقیق کر سکتے ہیں...... میرا بچہ ان حالات میں موت سے زندگی کی جانب پلٹا، جب کسی ڈاکٹر کو اس کی امید نہیں تھی اور اسے موت کے بالکل قریب تصور کر لیا گیا تھا۔ یہ رہنمائی تھی میری کہ میں اصلیت ظاہر کر دوں اور پھر میں جذباتی ہو گیا اور بس صاحب یہی اصل کہانی ہے اور اس کے لئے میں آپ کو بے شمار ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔" عدالت میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ امجد فضل خان کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا...... مرزا جواد بیگ ہونق بن گئے تھے، ایک عجیب کیفیت ہو گئی تھی، تب عدنان واسطی نے کہا۔

"اور اس کا پہلا ثبوت یہ ہے جناب والا کہ خون کے اس تجزیے کی رپورٹ جو فیصل رضا کے لباس پر پایا گیا ہے۔ آپ کو یہ سن کر خوشی ہو گی کہ یہ خون رمشہ حاجی غیاث کا نہیں بلکہ ایک بکرے کا ہے جس سے اس سوٹ کو رنگا گیا، جس سوٹ کو فیصل رضا کی الماری سے اور اس کے گھر سے چرایا گیا تھا، اس سلسلے میں انسپکٹر صاحب مناسب بتا سکیں گے کہ انہوں

نے اس کی تصدیق کہیں سے کی تھی یا نہیں اور مرزا جواد بیگ بھی لیبارٹری کی رپورٹ پڑھ
کریں تاکہ صحیح صورت حال کھل کر سامنے آ جائے...... میں نے اس سوٹ کو مال خانے سے
نکلوا کر پولیس لیبارٹری سے اس کا کیمیائی تجزیہ کروایا ہے اور یہ رپورٹ پیش خدمت ہے جو
ہر حالت میں چیلنج کیا جا سکتا ہے اور یہ شخص جسے میں سلطانی گواہ بنانے کے لئے یہ درخواست
پیش کر رہا ہوں۔ اس قتل کا عینی شاہد ہے۔ اصل مجرم امجد فضل خان ہے جس نے یہ
منصوبہ بنایا۔"

"بب، بکواس کرتا ہے یہ...... یہ جھوٹ بولتا ہے...... میرے دماغ میں بھلا اتنی بات
کہاں، وہ کم بخت میری سالی سالی کو خدا غارت کرے...... اس سالی نے مجھے اس دھندے پر
لگایا تھا جناب عالی، اصل مجرم میں نہیں وہ سالی رئیسہ ہے۔ اسی نے یہ پورا کھیل کھیلا تھا،
اسی نے، اماں وکیل صاحب تم نے تو میرا ٹیپا کرا دیا، کہہ رہے تھے کیس جیتا کر چھوڑوں گا،
تم انسپکٹر صاحب تم نے پچیس ہزار روپے لئے ہیں مجھ سے، اب میری جان بچانا بھی تمہاری
ذمہ داری ہے پھنسوا دیا مصیبت میں، نہیں جناب عالی، جج صاحب میرا کوئی قصور نہیں ہے
آپ اس عورت کو گرفتار کیجئے جو شیطان کی خالہ ہے اور اصل میں وہ بدلہ لینا چاہتی تھی
علی سے، ساری بات، ساری بات میں بتاتا ہوں آپ کو۔" امجد فضل خان بہر حال ذہنی طور
پر اس قدر طاقتور نہیں تھا۔ مرزا جواد بیگ سٹپٹا کر رہ گیا۔ امجد فضل خان نے اس کے بعد
پوری کہانی دہرائی تو ساری صورت حال ہی بدل گئی اور عدالت سکتے کے عالم میں رہ گئی، یہاں
تک کہ جج صاحب کو کہنا پڑا۔

"کیونکہ بات انتہائی اُلجھ گئی ہے، لیکن یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قاتل فیصل رضا نہیں ہے
اس لئے فیصل رضا کو قید میں رکھنے کا ایک لمحے کے لئے جواز نہیں بنتا، فوری طور پر امجد فضل
خان، اس کی سالی رئیسہ اور اس شخص کو گرفتار کیا جائے جس کا نام جمال الدین ہے اور اس کے
بعد اس کیس کو از سر نو پیش کیا جائے۔" چنانچہ کارروائی کا آغاز ہوا۔ مرزا جواد بیگ کی گردن
لٹک گئی تھی۔ فیصل رضا کو رہائی فوری طور پر دے دی گئی تھی اور فاضل عدالت نے انتہائی
سخت ریمارکس دیئے تھے کہ اقبال شاہ جیسے انسپکٹر کے خلاف بھرپور کارروائی کی جائے اس
کے بعد بقیہ افراد کے لئے بھی عدالت کی طرف سے احکامات جاری ہوئے تھے، لیکن بات
فیصل رضا کی رہائی کی تھی، چنانچہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں پھوٹ رہی تھیں

عدنان واسطی، بینا، شہاب، رضا حسین اور تمام لوگ مسرور انداز میں کمرہ عدالت سے باہر
نکلے تھے۔ رضا حسین نے لڑکھڑاتے ہوئے دو قدم آگے بڑھ کر اپنے بیٹے کو سینے سے لگایا تھا
اور پھر آنسوؤں سے ڈوبی ہوئی آنکھیں اس کے سینے سے رگڑتے ہوئے بولا تھا۔
"ہمیں امداد غیبی حاصل ہو گئی تھی۔ ہمیں امداد غیبی حاصل ہو گئی تھی...... فیصل بیٹے آ
میں تجھے ان لوگوں سے ملاؤں...... آ میں تجھے ان لوگوں سے ملاؤں جو......" اور اس کے
بعد وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے عدنان واسطی اور شہاب کی طرف بڑھ گیا تھا۔



کسی بھی ایسے مسئلے میں کامیابی کے حصول کے بعد جو ذہنی خوشی حاصل ہوئی تھی اس کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا، بہت کم انسان ایسے ہوتے ہیں جنہیں قدرت زندگی میں دعائیں لینے کا موقع فراہم کرتی ہے اور یہ بہت بڑا کام ہوتا ہے، بات معمولی نہیں ہوتی۔ بہر حال شہاب، بینا اور عدنان واسطی کی زندگی اب ایسے بہت سے واقعات کی تحریر بن گئی تھی، لیکن پھر بھی کسی بھی نئے سلسلے میں اس طرح کی کامیابی حاصل کرنے کے بعد جو خوشی انہیں حاصل ہوئی تھی اس کا کوئی جواب نہیں ہوتا تھا۔ اس خاندان کا ایک نکما شہاب ہی ایک معتبر کردار بن چکا تھا اور اس کے اہل خاندان اس کو تسلیم کرتے تھے کہ شہاب کا جو موقف تھا وہ اپنے طور پر بالکل درست تھا۔ اس کا باپ اپنے موقف کا شکار ہوا تھا اور شہاب نے اس میں درمیانی راہ نکالی تھی، یعنی یہ کہ سچ کو زخمی نہ ہونے دو لیکن جو جھوٹ کو سچ بنانے پر تلے ہوتے ہیں ان کے جھوٹ کو ہوا دے کر اس حد تک لے جاؤ کہ جب ان کے جھوٹ کا لبادہ اترے تو اس کے نیچے سچ کو چھپانے کا کوئی ذریعہ موجود نہ ہو اور ایسا وہ بے شمار بار کر چکا تھا۔ اس کے بعد پھر وہی زندگی کے معمولات، چھٹیاں تقریباً ختم ہو رہی تھیں اور شہاب اپنی مصروفیات میں مصروف ہونے کے لئے تیاریاں کر رہا تھا...... زندگی کے معمولات میں کوئی بہت بڑی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ نادر حیات صاحب نے اپنے گھر میں ایک چھوٹی سی تقریب کی تھی اور یہ تقریب معمولات کی تقاریب میں تھی، بالکل نجی محفل تھی۔ حالانکہ نادر حیات صاحب بہت بڑے عہدے کے مالک تھے اور خصوصاً ان کی نجی محفلوں میں ان کے خاص عزیز و اقارب ہی شامل ہوا کرتے تھے، لیکن اس میں خصوصی طور پر شہاب اور بینا کو بھی مدعو کیا گیا تھا اور نادر حیات صاحب نے ٹیلی فون پر شہاب سے بات کرتے ہوئے کہا تھا۔

"تمہیں اس تقریب میں ضرور آنا ہے۔ یہ نہ سوچنا کہ یہ صرف ضابطے کی کارروائی ہے بلکہ یہ میری ہدایت اور اس کے بعد میرا حکم ہے۔"

"حاضری دوں گا سر۔"

"بینا کو بھی ساتھ لانا ہے۔"

"بہت بہتر۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد وہ نادر حیات صاحب کی اس نجی تقریب میں پہنچ گئے...... شہر کے بہت بڑے بڑے لوگ اس تقریب میں موجود تھے، ان میں سے بے شمار افراد کو شہاب اور بینا پہچانتے بھی تھے، لیکن ظاہر ہے شہاب کے لئے کسی احساس کمتری میں مبتلا ہونا کوئی ممکن عمل ہی نہ تھا۔ وہ بہت سے لوگوں کا شناسا بھی تھا اور ان میں چند افراد ایسے بھی تھے جو شہاب کو اس کی اصل حیثیت سے جانتے تھے، یعنی ایسے افراد جنہیں شہاب کے ہاتھوں تھوڑا بہت نقصان اٹھانا پڑا تھا یا جن کے عزیز و اقارب شہاب کا شکار ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے کچھ اشارے بازیاں بھی کی تھیں لیکن سب سے زیادہ دلچسپ مرحلہ اس وقت پیش آیا جب مرزا جواد بیگ ایک حسین سی لڑکی کے ساتھ بالکل اتفاقیہ طور پر شہاب کے قریب سے گزرے...... بینا اس وقت شہاب کے پاس موجود نہیں تھی، بلکہ کچھ خواتین نے اسے گھیر رکھا تھا اور وہ ان سے گفتگو کر رہی تھی۔ یہ خواتین بینا کی شناسا تھیں اور خاص طور پر بینا کی ایک دوست رحمانہ جو ایک بڑے افسر کی بیوی تھی، بینا کو مل گئی تھی اور بینا کو اپنے ساتھ لے گئی تھی، وہاں گفتگو ہو رہی تھی...... یہ لڑکی ملک سے باہر گئی ہوئی تھی اور بہت عرصے کے بعد آئی تھی، آئے ہوئے چوبیس گھنٹے سے زیادہ نہیں ہوئے تھے کہ اس تقریب میں شریک ہونا پڑا اور یہاں اپنی پرانی دوست بینا کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور یوں بینا کچھ وقت کے لئے شہاب سے الگ ہو گئی، یہاں صورت حال بالکل مختلف ہو گئی۔ مرزا جواد بیگ کا شہاب سے اس طرح آمنا سامنا ہوا تھا کہ دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ کر چونک پڑے تھے۔ وہ خوبصورت سی دراز قامت لڑکی جس کے نقوش تو مقامی ہی تھے لیکن اس نے اپنا حلیہ غیر ملکیوں جیسا بنا رکھا تھا۔ شہاب کو دیکھ کر مسکرائی...... مرزا جواد بیگ کے رکنے پر وہ بھی رک گئی تھی...... شہاب نے بہر حال پر ادب انداز میں مرزا جواد بیگ کو سلام کیا تھا لیکن مرزا جواد بیگ کے سینے پر تازہ تازہ زخم تھا اس لئے وہ بہت زیادہ ضبط کا ثبوت نہ دے سکے اور ان کا پہلا ہی جملہ غیر مناسب رہا۔

"تم یہاں کیسے۔" شہاب نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مرزا جواد بیگ کو دیکھا اور بولا۔

"بس جناب بڑے لوگوں کی محفل میں کبھی کبھی چھوٹے لوگوں کا بھی داخل ہونے کو دل چاہتا ہے اور اگر کہیں اس طرح سے شرکت کا موقعہ مل جائے تو بھلا کون اسے چھوڑنے کی کوشش کرے گا۔"

"سیکورٹی پر ہو۔ ظاہر ہے محکمہ پولیس کے بہت بڑے افسر کی کوٹھی میں تقریب ہے لیکن سپیشل پولیس کے افراد کو بھی وردی تو پہننا پڑتی ہے یا پھر تمہاری ڈیوٹی سادہ لباس میں ہے۔" شہاب نے مسکراتی نگاہوں سے اس لڑکی کی طرف دیکھا جو مرزا جواد بیگ کے ساتھ تھی...... مرزا جواد بیگ تو کچھ نہ بول سکا لیکن لڑکی نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ہیلو مسٹر......" "میں آپ کو کس نام سے مخاطب کروں۔"

"شہاب ثاقب...... ویسے کیا آپ...... میرا مطلب ہے کہ مرزا صاحب کی صاحبزادی ہیں۔" شہاب کے یہ الفاظ مرزا جواد بیگ کے لئے شاید بہت بڑا ذہنی جھٹکا ثابت ہوئے تھے۔ غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ریما یہ ہر ایرے غیرے سے تعارف حاصل کرنا مجھے سخت ناپسند ہے، حالانکہ تم میری گفتگو سن چکی ہو یہ شخص محکمہ پولیس سے تعلق رکھتا ہے اور یہاں سیکورٹی پر ہے۔"

"تمہارے اس ملک میں سب سے بڑا اختلاف مجھے یہی رہا ہے ڈیئر مرزا کہ یہاں تم لوگ انسانوں میں شدید تفریق رکھتے ہو، اگر یہ صاحب پولیس آفیسر ہیں اور بقول تمہارے یہاں پر اپنی ڈیوٹی سر انجام دے رہے ہیں تو اس سے ان کی شخصیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ایک پرکشش، ایک صحت مند اور سر سے پاؤں تک ایک مکمل نوجوان جس طرح کسی کے لئے باعث کشش ہو سکتا ہے۔ وہ کوالٹی ان صاحب میں موجود ہے اور چونکہ تم ان کے سامنے رکے ہو اور تم دونوں کے انداز میں ایک تعارفی عمل ہے، اس لئے میں نے بھی ان سے تعارف حاصل کرنا ضروری سمجھا...... ویسے مسٹر آپ کی بات کی تصحیح کر دوں میں، مرزا جواد بیگ میرے شوہر ہیں...... میں ان کی بیٹی نہیں ہوں۔" شہاب کے پیٹ میں قہقہے مچل اُٹھے تھے حالانکہ اس نے دانستہ ایسا نہیں کیا تھا لیکن اب اسے کیا کرتا کہ اس کی ایک معصوم بات بھی مرزا جواد بیگ کے لئے تازیانہ ثابت ہوئی تھی اور پھر جب کبھی کبھی اس طرح کے تفریحی واقعات پیش آتے ہیں تو خود بخود آگے بڑھ جاتی ہے بات کہ ٹالے نہیں ٹلتی، اتفاق

کی بات تھی کہ نادر حیات صاحب بھی اسی طرف نکل آئے تھے۔ انہوں نے جواد بیگ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہیلو جواد بھئی تم آ گئے لیکن مجھ سے نہیں ملے۔"

جواد بیگ مودب ہو گیا تھا، جلدی سے بولا۔

"ہیلو سر پہلی بات تو یہ کہ آپ نے مجھ ناچیز کو اپنی اس ذاتی تقریب میں مدعو کیا۔ اس کے لئے میں بے حد شکر گزار ہوں، کم از کم ناہید سے مجھے یہ تو فضیلت حاصل ہوئی کہ مجھے آپ کی تقریب میں شرکت کا موقعہ ملا۔"

"ہیلو ناہید بیٹا کہو کیسی ہو...... کیا حال چال ہیں۔"

"بالکل ٹھیک ہوں انکل بس زندگی گزر رہی ہے، ویسے ممی نے آپ کے بارے میں کچھ پیغامات بھیجے تھے۔ مجھے آپ تک پہنچانے تھے...... اتفاق کی بات آپ کا دعوت نامہ بھی فوراً ہی مل گیا۔"

"ہاں...... مجھے بتایا گیا تھا کہ تم آ گئی ہو...... شاید تم نے نائلہ سے ٹیلی فون پر بات کی تھی۔ نائلہ نے فوراً ہی مجھ سے کہا کہ میں تمہیں اس تقریب میں مدعو کروں۔"

"ہاں انکل۔"

"ہاں بھئی بیٹھو، آؤ جواد۔" شہاب نے محسوس کیا کہ جواد نے اس موقع کو غنیمت سمجھا ہے لیکن بہرحال شرارت اس کی فطرت میں بھی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو اس طرح نمایاں کیا کہ نادر حیات صاحب نے بھی قریب دیکھ لیا اسے ادھر...... وہ لڑکی جسے مرزا جواد بیگ نے ریما اور نادر حیات صاحب نے ناہید کہہ کر مخاطب کیا تھا کئی بار مسکراتی نگاہوں سے شہاب کو دیکھ چکی تھی اور شہاب اس بات سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ بدقسمتی نے مرزا جواد بیگ کو خواہ مخواہ پریشان کر دیا ہے۔ ناہید یا ریما کے بارے میں کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ پہلی بات تو یہ کہ اس لڑکی کا نام ڈبل کیوں تھا۔ اس کے نقوش سے یہ تو صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کم از کم خالص مقامی نہیں ہے بلکہ اس کے نقوش میں غیر ملکی رنگ بھی پایا جاتا تھا اور اس کا اندازہ بھی ہو رہا تھا، لیکن بہرحال یہ ضروری تو نہیں تھا کہ نادر حیات صاحب کے تمام تر معاملات سے شہاب کو مکمل طور پر واقفیت ہوتی۔ اس نے ان لوگوں کے معاملے میں بہت زیادہ ٹانگ اڑانا مناسب نہیں سمجھا اور بینا کی تلاش میں اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑانے لگا...... بینا

اسے نظر آ گئی حالانکہ نادر حیات صاحب نے خود اسے اپنے ساتھ آنے کی پیشکش کی تھی۔ شہاب ایک معذرتی انداز اختیار کرنے کے بعد آگے بڑھ گیا اور پھر اس نے بینا کو اشارہ کیا۔ بینا نے اس کا اشارہ دیکھ لیا اور اپنی ساتھی لڑکی سے معذرت کر کے شہاب کے قریب آ گئی۔

"خیریت تنہا کیوں نظر آ رہے ہو۔"

"اس لئے کہ تم دوسروں کے ساتھ جا بیٹھی تھیں۔"

"رقابت۔"

"لڑکیوں میں کوئی حرج نہیں ہے، ویسے تم کو ایک دلچسپ صورت حال سے آشنا کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا۔" بینا نے سوال کیا تو شہاب نے مرزا جواد بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ ادھر دیکھ رہی ہو۔"

"اوہو مرزا جواد بیگ صاحب۔"

"پہلے نہیں دیکھا تھا تم نے۔"

"نہیں۔"

"خیر وہ دیکھنے کی چیز تو ہے ہی نہیں، ان کے ساتھ جو شخصیت ہے اسے دیکھو۔"

"ہاں وہ لڑکی کافی خوبصورت ہے۔ کیا وہ مرزا جواد بیگ کے ساتھ ہے۔"

"ہاں۔"

"بیٹی ہے۔" بینا نے سوال کیا تو شہاب ہنس پڑا اور پھر بولا۔

"مناسب سمجھو تو یہ سوال اس کے قریب جا کر کر لو۔"

"کیا مطلب۔"

"وہ تو خیر خوش ہو گی کیونکہ اسے خوش ہونا چاہئے، لیکن مرزا جواد بیگ کی بری حالت ہو جائے گی۔"

"کیوں۔"

"بھئی وہ بیوی ہے اس کی، شاید کسی اور ملک میں رہتی ہے اور وہاں سے واپس آئی ہے..... نادر حیات صاحب کی بیٹی نائلہ سے تعلقات ہیں اور نائلہ نے اسے مدعو کیا ہے..... جواد بیگ اس کا نام ریما لیتا ہے جبکہ نادر حیات صاحب اسے ناہید کہتے ہیں، معاملات کچھ اُلجھے

ہوئے سے ہیں، لیکن ہمیں اس سے غرض نہیں ہے، مسئلہ مرزا صاحب کا ہے جو بہر حال اس نوجوان لڑکی کے شوہر ہیں اور یقینی طور پر اس کے پس پردہ کوئی کہانی ہو گی۔"

"خیر کوئی بہت پیچیدہ اور اُلجھی ہوئی کہانی نہیں ہو سکتی یہ..... ممالک غیر میں عورت جس طرح بے حقیقت ہے شہاب اس کے بارے میں تمہیں بھی معلوم ہے میں بھی جانتی ہوں اور باقی لوگ بھی، وہاں کسی بھی حیثیت کی کوئی شخصیت ہو دوسرے ملکوں کے مرد اور اگر وہ صاحب حیثیت بھی ہوں تو ان غیر ملکی خواتین کے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں..... یہاں سے اگر کوئی نوجوان پلمبر کا کام کرنے کے لئے بھی کسی بڑے ملک جا پہنچے تو یہ خواتین اس سے شادی کر کے اس کے ساتھ آنا اپنی خوش بختی سمجھتی ہیں کیونکہ ان کے اپنے ملک میں ان کی کوئی وقعت نہیں ہوتی..... یورپ میں عورت جس قدر بے حقیقت ہے اس کا اندازہ تمہیں بھی ہے اور مجھے بھی، پھر مرزا جواد بیگ تو بہر حال ایک صاحب حیثیت انسان ہیں..... اب ان خاتون کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ ان کی اپنی حیثیت وہاں کیا ہو گی۔"

شہاب تعجب سے بینا کو دیکھنے لگا پھر بولا۔

"یار بینا ایک بات بتاؤ لڑکیوں کے چہروں پر اس قدر سادگی ہوتی ہے کہ اگر اس سادگی پر غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ بس ایک سادہ سا ورق نگاہوں کے سامنے ہے لیکن اس ورق کی دوسری جانب جتنی گہری تحریریں لکھی ہوتی ہیں ان کا کوئی اندازہ نہیں، کمال ہے واقعی۔"

"بہر حال اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں دنیا کے حالات سے اس قدر بے خبر ہوں تو جناب یہ آپ کی غلطی ہے میری نہیں۔" بینا نے چاروں طرف نگاہیں ڈالیں اور پھر بولی۔

"آؤ بیٹھیں کہیں۔"

"نہیں تمہیں صرف یہ دکھانا مقصود تھا، باقی جن لوگوں کو تم چھوڑ کر آئی ہو وہ تمہاری طرف منتظر نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں..... ہمارا تو خیر کوئی معاملہ ہی نہیں ہے۔ تم اپنے طور پر تفریحات میں حصہ لو۔"

"بس چند منٹ۔"

"ارے نہیں بینا پلیز آرام سے جاؤ۔" شہاب نے کہا اور بینا اپنی ساتھی دوستوں کی جانب بڑھ گئی..... شہاب نے ایک گہری نگاہ چاروں طرف ڈالی، یہاں بے شمار لوگ تھے جو اس کی قربت کے خواہشمند بھی ہوں گے، اس کے شناسا بھی تھے، لیکن کیا کرتا مرزا جواد

بیگ پر ہی نگاہ پڑ گئی تھی۔ نادر حیات صاحب بھی مرزا جواد بیگ ہی کے قریب بیٹھے ہوئے تھے اور ناہید یار یما سے باتیں کر رہے تھے۔ شہاب کی نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں، ماحول کافی خوبصورت تھا۔ نادر حیات صاحب نے اس تقریب میں خاصی نفاست کا ثبوت دیا تھا......
شہاب کی بھٹکتی ہوئی نگاہیں بڑے گیٹ کی جانب اُٹھ گئیں اور پھر اچانک ہی وہ چونک پڑا۔ اس نے گیٹ کے قریب موجود ایک درخت کی موٹی شاخ سے دو ٹانگیں نیچے لٹکتی ہوئی محسوس کیں، کچھ عجیب سی بات تھی کوئی اس طرح سے درخت پر چڑھ جائے اس کی کوئی خاص وجہ ہو سکتی ہے۔ بہر حال شہاب ایک دم سے مستعد ہو گیا، پھر اس نے ایک انسانی جسم کو درخت کی اس شاخ سے الٹا لٹکتے ہوئے دیکھا۔ اس نے درخت میں ٹانگیں پھنسائی تھیں اور الٹک لٹک گیا تھا، لیکن اس کے علاوہ شہاب کی نگاہوں نے جو دیکھا وہ بڑا سنسنی خیز تھا اس شخص کے ہاتھ میں ایک ٹیلی سکوپ رائفل تھی اور وہ اس رائفل سے نشانہ لے رہا تھا۔
شہاب کا پورا بدن ایک لمحے کے لئے جھنجھنا کر رہ گیا تھا۔ بہر حال محفل میں اتنے افراد شریک تھے۔ وہ سب کی زندگی تو نہیں بچا سکتا تھا لیکن صاحب محفل کو بچانا اس کا فرض تھا، کسی انتہائی برق رفتار چیتے کی مانند اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور ان لوگوں پر آ پڑا...... اتفاق کی بات یہ کہ مرزا جواد بیگ ہی اس کا نشانہ بنا تھا، کرسی نادر حیات صاحب کی بھی لڑھک گئی تھی اور ناہید بھی لپیٹ میں آ گئی تھی، لیکن شہاب کے پورے بدن نے مرزا جواد بیگ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور مرزا جواد بیگ کے حلق سے دلخراش چیخ نکل گئی تھی اور پھر دھاکے کی آواز بھی ہوئی اور اس کے ساتھ ایک کرب ناک چیخ بھی سنائی تھی، پھر مسلسل کئی فائر ہوئے اور کئی آوازیں اُبھریں...... چاروں طرف بھگدڑ مچ گئی تھی۔ اس وقت شہاب اس شخص کے بارے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا جس نے یہ سب کچھ کیا تھا لیکن اور کر بھی کیا سکتا تھا......
چنانچہ مرزا جواد بیگ کو چھوڑ کر وہ ایک سمت ہٹ گیا، ادھر نادر حیات صاحب خوفزدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہے تھے، ایک عجیب ہنگامہ برپا ہو گیا تھا جس کے جدھر سینگ سمائے تھے چلا جا رہا تھا...... شہاب اس وقت اپنے آپ کو سپرمین بھی نہیں ثابت کر سکتا تھا، انسانوں کے اس مجمعے کو پھلانگ کر گیٹ تک پہنچنا اور پھر اس شخص کا تعاقب کرنا کسی فلمی ہیرو کا کام ہو سکتا تھا...... شہاب انسان ہی تھا اور انسانی مجبوریاں اس کے راستے میں حائل تھیں، البتہ اب ان لوگوں کو دیکھنا ضروری تھا جو ان گولیوں کا شکار ہوئے تھے۔ نادر حیات صاحب تو کچھ

لمحوں کے لئے پتھرا گئے تھے، حالانکہ وہ فوراً ہی اُٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے، لیکن ظاہر ہے ایسے حالات میں اعصاب پر قابو رکھنا آسان کام نہیں ہوتا۔ مرزا جواد بیگ کے تو چوٹ بھی آئی تھی اور اگر پیچھے موجود افراد شدید زخمی نہ ہو جاتے تو مرزا جواد بیگ یہی سوچتا کہ شہاب نے جان بوجھ کر ایسی کوئی حرکت کی ہے، پیچھے موجود افراد جو ان لوگوں کی جگہ گولیوں کا شکار ہوئے تھے...... نادر حیات صاحب کے مہمان ہی تھے اور یہ خوش قسمتی ہی تھی کہ ان میں سے کوئی موت کا شکار نہیں ہوا تھا، لیکن کئی ایسے تھے جن کے بازو اور پسلیاں وغیرہ ٹوٹ گئی تھیں، فوراً ہی بھاگ دوڑ شروع ہو گئی اور زخمیوں کو ہسپتال پہنچایا جانے لگا...... شہاب جانتا تھا باقی ساری بھاگ دوڑ بیکار ہے...... مرزا جواد بیگ کو اس کی بیوی نے سنبھال کر کھڑا کیا تھا...... شہاب قریب ہی تھا...... مرزا جواد بیگ کے چہرے پر عجیب سی کیفیت کے آثار تھے اور وہ چاروں طرف سہمی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا...... نادر حیات صاحب نے شہاب کو اشارہ کیا اور شہاب قریب پہنچ گیا۔
"اب اس محفل کو سنبھالنا تو خیر کسی طور ممکن نہیں ہے، لیکن لوگوں کو کم از کم اتنا تو ضرور بتا دو کہ ظاہر ہے یہاں کسی فوج نے حملہ نہیں کیا جو واقعہ ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ لوگ پرسکون اور مطمئن رہیں۔"
"چنانچہ شہاب اپنے طور پر چیخ چیخ کر لوگوں کو اس صورت حال سے آگاہ کرنے لگا، سیکورٹی کے دوسرے افراد نے بھی لوگوں کو پرسکون رہنے کی ہدایت کی تھی، لڑکیاں، عورتیں ابھی تک مسلسل چیخ رہی تھیں...... کیفیت ہی ایسی تھی...... زخمیوں کو کاروں کے ذریعے ہسپتال پہنچایا جا چکا تھا...... نادر حیات صاحب نے شہاب سے کہا۔
"اصل میں اس وقت میں واقعی اپنے آپ کو ذہنی طور پر بہت کمزور محسوس کر رہا ہوں...... براہ کرم جس انداز میں مناسب سمجھو ضروری کارروائیاں کرو۔" شہاب نے گردن ہلا دی تھی اور اس کے بعد کارروائیاں کی جا سکتی تھیں...... محفل تو تتر بتر تو ہو ہی گئی تھی، بس مہمانوں کو رخصت کرنا تھا، چنانچہ جس طرح بھی ممکن ہو سکا صورت حال کو کنٹرول کیا جانے لگا۔ مرزا جواد بیگ کرسی پر بیٹھ گیا تھا، اس کی کیفیت بہتر نہیں تھی...... نادر حیات صاحب ادھر ادھر دوڑتے پھر رہے تھے...... مہمانوں سے معذرت کر رہے تھے اور مہمان آہستہ آہستہ رخصت ہوتے جا رہے تھے، یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں مہمانوں کا صفایا

ہو گیا، کچھ لوگ اب بھی موجود تھے جن میں مسٹر جواد بیگ وغیرہ بھی تھے...... نادر حیات صاحب نے انہیں اندر چلنے کو کہا اور جواد بیگ کی بیوی ناہید جواد بیگ کو سنبھال کر اندر لے گئی۔ ادھر نائیلہ اور بینا وغیرہ بھی مصروف عمل تھیں، چنانچہ اندر ڈرائنگ روم میں اکٹھا ہو گیا...... نادر حیات صاحب نے شہاب سے کہا۔

"جو لوگ زخمی ہو کر ہسپتال پہنچے ہیں براہ کرم ان کی خبر گیری کرو شہاب...... کیا تم نے اس کا انتظام کر دیا ہے۔"

"جی ہاں...... آپ مطمئن رہیں...... بہر حال وہ جو کوئی بھی ہیں ان کے نام ہم تک پہنچ جائیں گے...... مجھے یہیں رکنا ہے آپ مجھ سے جانے کے لئے نہ کہیں۔"

"آؤ پلیز اندر آؤ...... بہر حال جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور ہم اسے روک نہیں پاتے...... لوگوں کا خیال ہو گا کہ ایک پولیس آفیسر کی کوٹھی پر ایسے ہنگامے کی توقع کی جا سکتی ہے اور کوئی بھی ایسا مسئلہ نہیں ہو سکتا جس سے ان ہنگاموں کو روکا جائے، ہو سکتا ہے کہ لوگ آئندہ میرے ہاں کی کسی تقریب میں شرکت سے گریز کریں۔" نادر حیات صاحب افسردہ تھے...... بینا وغیرہ بھی یہیں آ گئی تھیں...... جواد بیگ خاموش بیٹھا ہوا شہاب کی صورت دیکھ رہا تھا، پھر اس نے ایک انوکھا انکشاف کیا۔

"آپ جانتے ہیں ڈی آئی جی صاحب یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے۔"

"کیا۔" نادر حیات صاحب نے چونک کر کہا۔

"جی ہاں...... انسان اس قدر بے ضمیر بھی نہیں ہو سکتا کہ ایسے کسی واقعہ پر اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرے...... میں نے مذاق سمجھا تھا یہ سب کچھ لیکن یہ مذاق مذاق نہیں نکلا...... ناہید چوبیس گھنٹے گزرنے میں اب بھی چار گھنٹے باقی ہیں۔"

شہاب اور نادر حیات صاحب نے تعجب سے جواد بیگ کے یہ الفاظ سنے تھے...... جواد بیگ نے آہستہ سے کہا۔

"جس شخص نے مجھ پر حملہ کیا ہے اس کا نام شاکو ہے...... آپ لوگوں نے شاید اخباروں میں پڑھا ہو گا کہ شاکو نامی مجرم فرار ہو گیا ہے...... یہ سارا کھیل شاکو کا تھا۔"

"گولی آپ پر چلائی گئی تھی۔" نادر حیات صاحب نے تعجب سے پوچھا اور جواد بیگ نے شہاب کی طرف رخ کر کے کہا۔

"اس افسر نے کیا صرف مجھے ہی نہیں بچانے کی کوشش کی تھی۔"

"شہاب کیا یہ حقیقت ہے۔"

"حقیقت۔" شہاب نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا، پھر جواد بیگ کی جانب رخ کر کے بولا۔

"جواد بیگ صاحب حقیقتوں کا انکشاف کر رہے ہیں...... بہتر ہے باقی حقیقت بھی انہی سے پوچھی جائے۔"

"اگر تم یہ سمجھتے ہو نوجوان آفیسر کہ میں تم پر کوئی الزام لگانا چاہتا ہوں تو براہ کرم میرے الفاظ غلط مت سمجھنا...... میں یہ اشارہ کرنا چاہتا تھا کہ تم نے شاید حملہ آور کو مجھ پر حملہ کرتے ہوئے دیکھ لیا اور یہ سمجھ گئے کہ اس کا رخ میری جانب ہے...... بخدا میں صرف اتنا ہی کہنا چاہتا تھا تم سے، میری کسی بات کو غلط مطلب نہ دینا...... حیرت کی بات ہے کہ بعض اوقات وہ لوگ جن سے شدید اختلافات ہوتے ہیں اتنے بڑے محسن بن جاتے ہیں، حالانکہ تم نے صرف اپنا فرض پورا کرنے کے لئے میری زندگی بچائی ہے، لیکن اگر تم ایسا نہ کرتے تو ظاہر ہے اس وقت میرا جسم گولیوں سے چھلنی ہوتا۔"

"پہلی بات تو یہ سنو مائی ڈیئر مرزا جواد بیگ کہ شہاب یہاں ڈیوٹی پر نہیں بلکہ اپنی مسز کے ساتھ میرے معزز مہمان ہیں...... ان کا جو مقام یہاں پر ہے وہ شاید ہی کچھ لوگوں کا ہو، چنانچہ تم انہیں سیکورٹی پر نہ سمجھو اور اگر تمہارے ذہن میں ایسا کوئی تصور ہے تو براہ کرم تفصیل بتاؤ، جو سنگین واقعہ ہو چکا ہے وہ بہت خطرناک نوعیت کا ہے، ابھی ہمیں معلوم ہو گا کہ کون کون زخمی ہوا ہے...... خدانخواستہ ان میں سے کوئی ہلاک ہو گیا تو مزید مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، لیکن یہ شاکو کا کیا قصہ ہے۔"

"میں اس کے بارے میں تفصیل تو اس طرح نہیں بتا سکتا، بعد میں بتاؤں گا لیکن اس کا نام شاکر خان ہے اور شاکو کے نام سے وہ جیل میں تھا...... چار دن پہلے پولیس وین کا حادثہ ہوا تھا، شاکو یا شاکر خان اس میں موجود تھا اور وہ نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا تھا...... پھر اس نے مجھے اٹھارہ انیس گھنٹے پہلے فون کیا تھا اور کہا تھا کہ میں تیار رہوں کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر مجھے اس دنیا سے چھٹی دلا دی جائے گی۔ اصل میں نادر حیات صاحب ہم لوگوں کا پروفیشن ایسا ہے کہ ہمیں اس قسم کے واقعات سے سابقہ پڑتا رہتا ہے اور لوگ اس قسم کی دھمکیاں

ہمیں دیتے رہتے ہیں...... شاکو کے بارے میں یہ تحقیقات ہوگئی تھی کہ جیل کی اس گاڑی
جسے حادثہ پیش آگیا تھا، شاکو کو بھی کہیں شفٹ کیا جارہا تھا اور نکل بھاگنے والوں میں وہ تو
"مگر اس کا کیس کیا تھا۔"

"کیس تو خیر لمبا ہی تھا۔ میں نے اس کی مخالفت میں کیس لڑا تھا اور میں نے اسے
دلوائی تھی...... آدمی تو غلط تھا، بہر حال مجھے امید نہیں تھی کہ وہ کم بخت اس طرح سے اپنے
کہے کو عملی جامہ پہنادے گا...... ہندوستانی فلموں میں تو خیر ہر دوسری فلم میں ایسا ہوتا ہے
کبھی کبھی یہ واقعات تھوڑی بہت حقیقی شکل بھی اختیار کر لیتے ہیں، لیکن ظاہر ہے نہ تو ہم
پیشہ چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ہی ایسے لوگوں سے مکمل طور پر حفاظت کا کوئی بندوبست کر سکتے
ہیں۔" نادر حیات صاحب کے ہونٹوں پر تشویش آمیز کیفیت پھیل گئی تھی۔

بہر حال اس کے بعد کے حالات ظاہر ہے وہی ہونے چاہئے تھے جو ہوگئے، حالانکہ
بھرے مجمع میں گولیاں چلائی گئی تھیں، لیکن جو لوگ ان گولیوں سے زخمی ہوئے تھے خدا کا
شکر تھا کہ ان سے ہلاک کوئی نہیں ہوا تھا، چار پانچ دن گزر گئے تھے اس حادثے کو، ذہنوں میں
بھی بات نہیں رہی تھی...... بینا سے تذکرہ بھی ہوا تھا...... عدنان واسطی سے بھی مرزا جواد
بیگ پر ہونے والے اس حملے کے بارے میں گفتگو ہوئی تھی اور بات تقریباً ختم ہوگئی تھی
ظاہر ہے ان واقعات کو اگر ذہن پر مسلط رکھا جائے تو ان سے کچھ حاصل نہیں ہوتا
تذکرے ہوتے رہے، نادر حیات صاحب بھی اس بارے میں شہاب سے معلومات حاصل
کرتے رہے...... شاکو ذہن سے نکل گیا تھا لیکن پھر اس دن عدنان واسطی صاحب نے
خصوصی طور پر شہاب کو گھر ٹیلی فون کیا تھا اور شہاب جو اس وقت آفس جانے کی تیاریاں
کر رہا تھا۔ عدنان واسطی صاحب کا فون سن کر رک گیا تھا، بینا نے شہاب کو آواز دی تھی۔

"شہاب ڈیڈی کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔" شہاب نے جلدی سے ریسیور بینا کے ہاتھ
سے لے لیا اور بولا۔

"جی واسطی صاحب خیریت۔"

"ہاں بالکل خیریت ہے...... چھٹیاں تو ختم ہوگئیں ناں تمہاری۔"

"جی ہاں بالکل۔"

"کوئی کیس ہاتھ میں ہے۔"

"نہیں خیریت...... آپ بتائیے۔"

"نہیں...... کیس ویس کا معاملہ نہیں ہے...... ملاقات کر سکو گے مجھ سے۔"

"ابھی حاضر ہوا جاتا ہوں۔"

"نہیں ابھی نہیں...... تقریباً تین بجے کورٹ سے واپسی کے بعد آفس میں تمہارا
انتظار کروں گا۔"

"تنہا آنا ہے۔"

"بیٹی کو دیکھنے کو کس کا دل نہیں چاہتا، اگر مناسب سمجھو تو ہماری سابقہ اسسٹنٹ اور
موجودہ پولیس آفیسر بینا کو بھی ساتھ لیتے آنا۔" واسطی صاحب نے خوشگوار انداز میں کہا۔

"بہتر۔" اور اس کے بعد مختصر سی رسمی گفتگو ہوئی۔ شہاب نے بینا کو تفصیل بتائی تو بینا
کہنے لگی۔

"اجازت ہو تو گھر چلی جاؤں، تین بجے آفس پہنچ جاؤں گی، آؤ گے؟"

"ہاں...... ہاں کیا حرج ہے...... چلو میں تمہیں چھوڑتا ہوا چلا جاتا ہوں۔" بینا کو عدنان
واسطی کے گھر اتارنے کے بعد شہاب آفس پہنچ گیا...... آفس میں کوئی خاص معاملات نہیں
تھے بس کچھ فائلیں تھیں جنہیں دیکھنا تھا، چند تھانوں کے لئے ہدایات جاری کرنی تھیں......
شاکو کے معاملے میں بھی ڈی آئی جی نادر حیات صاحب سے کچھ بات چیت ہوئی تھی، لیکن
اس میں نادر حیات صاحب نے شاکو کے سلسلے میں شہاب کو کوئی مصروفیت نہیں دی تھی۔
شہاب بھی نجانے کیوں ذہنی طور پر اس جانب متوجہ نہیں ہوا تھا، حالانکہ اس کی دلچسپی کی چیز
تھی لیکن بس کبھی کبھی موڈ ایسا ہی ہوتا ہے ویسے اس نے اس لڑکی ناہید کے بارے میں بھی
سوچا تھا جو مرزا جواد بیگ کی بیوی تھی اور خاص طور پر اسی لئے وہ اس مسئلے میں متوجہ نہیں ہوا
تھا کہ کہیں کوئی غلط فہمی نہ ہو جائے، ویسے اس لڑکی کی نگاہوں میں شہاب نے کچھ عجیب سی
کیفیات پائی تھیں جنہیں الفاظ کا رنگ دینا مناسب نہیں سمجھا تھا، چونکہ یہ اخلاقی گراوٹ
تھی۔ بہر حال ٹھیک تین بجے وہ واسطی صاحب کے آفس کے دروازے پر دستک دے رہا
تھا...... اجازت ملنے پر وہ اندر داخل ہوگیا۔ بینا اپنی سیٹ پر موجود تھی اور واسطی صاحب نے
اس کے لئے سیٹ کا انتظام کر کے رکھا تھا، ساتھ ہی ساتھ کچھ اور بھی انتظامات جن کے لئے
بینا فوراً ہی اُٹھ گئی تھی، پھر چند لمحوں کے بعد وہ ایک بھری پری ٹرالی کے ساتھ ملازم کے

ہمراہ اندر داخل ہوئی اور شہاب مسکرانے لگا۔

"ایک پولیس آفیسر کو رشوت پیش کی جا رہی ہے۔" اس نے بینا سے کہا۔

"بالکل نہیں جناب بلکہ وہ انتظام گھر کی بجائے دفتر میں کیا گیا ہے جو اگر آپ گھر تشریف لاتے تو گھر میں کیا جاتا، بات اس وقت ایک پولیس آفیسر کی نہیں بلکہ ایک داماد کی ہے۔" شہاب ہنسنے لگا، پھر بولا۔

"مجھے اندازہ تھا یقین کرو اسی لئے اب تک کچھ کھا پی کر نہیں آیا ہوں ورنہ شدید بھوک لگ رہی تھی۔" پھر تینوں ہی کھانے پینے میں مصروف ہو گئے تھے۔ شہاب نے عدنان واسطی صاحب سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ انہوں نے اسے کس لئے طلب کیا ہے، البتہ کھانے کے بعد بہترین قسم کی کافی کے گھونٹ لیتے ہوئے شہاب سے نہ رہا گیا تو اس نے سوال کر ڈالا۔

"جناب عالی تین بجے طلبی ہوئی تھی میری لیکن ابھی تک یہ نہیں پتا چل سکا کہ یہ طلبی کس سلسلے میں تھی اور مجھے کیوں بلوایا گیا ہے۔ ظاہر ہے ایک پولیس آفیسر اپنا آفس چھوڑ کر یہاں پہنچا ہے۔"

"شہاب اصل میں معاملہ وہی ہے...... میں بینا سے یہ پوچھ رہا تھا کہ کیا شہاب نے شاکو کے سلسلے میں کسی طرح کی کارروائی کا اظہار کیا ہے یا کوئی کارروائی کرنے کی کوشش کی ہے تو بینا کہنے لگی کہ نہیں، اس دن کے بعد سے شاکو کا تذکرہ تک نہیں ہوا...... یہ بات تھوڑی سی میرے لئے باعث حیرت بھی تھی کیونکہ میں شہاب کی فطرت کے بارے میں جانتا ہوں۔"

"ہاں...... بس کچھ ایسے تصورات ذہن میں تھے جن کی وجہ سے اس طرف غور نہیں کیا لیکن کیوں، تقریباً ایک ہفتہ ہونے والا ہے...... یہ شاکو کا تذکرہ آپ لوگوں کے ذہنوں میں کس طرح آ گیا، خیریت تو ہے۔"

"اصل میں مرزا جواد بیگ تم سے ملنا چاہتے ہیں شہاب۔"

"اوہو...... شاکو کے سلسلے میں، بیس گھنٹے پورے ہو چکے تھے اور ہم تو یہ سوچ رہے تھے کہ خدانخواستہ مرزا جواد بیگ کہیں کام نہ آ گئے ہوں...... ویسے شاکو کے بارے میں واقعی مجھے کوئی معلومات حاصل نہیں ہوئیں مگر مرزا صاحب کیا چاہتے ہیں۔"

"تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"تو مجھے بتا دیا ہوتا تو اس سلسلے میں اتنے تجسس کی کیا ضرورت تھی۔"

"اصل میں جب تک بات میں تجسس نہ ہو مزہ نہیں آتا...... کیا تم ان سے ملنا پسند کرو گے۔"

"ناپسندیدگی کا کیا سوال ہے۔" شہاب نے کہا اور اسی وقت دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ عدنان واسطی صاحب نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور پھر بولے۔

"آیئے، تشریف لایئے، پھر اس کے بعد انہوں نے کرسی سے کھڑے ہو کر مرزا جواد بیگ کا استقبال کیا تھا...... ریما یا ناہید بھی ساتھ ہی تھی اور درحقیقت بے حد خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ مرزا جواد بیگ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ شہاب نے معنی خیز نگاہوں سے عدنان واسطی کو دیکھا اور پھر مرزا جواد بیگ کو اور پھر ادب سے انہیں سلام کر کے ان کے احترام میں کھڑا ہو گیا...... مرزا جواد بیگ نے آگے بڑھ کر شہاب سے مصافحے کے لئے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اور ہاتھ ملانے سے گریز نہ کرنا...... اچھے لوگوں کی یہی نشانیاں ہوتی ہیں اور ہم جیسے گھٹیا لوگ ایسی ہی باتوں پر شرمندہ ہوتے ہیں، لیکن ایک بات اور بھی ہے مائی ڈیئر مسٹر شہاب ثاقب کہ اس کے بعد ہم جیسے لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سدھر جاتے ہیں۔"

"ارے ارے آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں...... براہ کرم تشریف رکھئے گا...... آپ ہر لحاظ سے ہمارے لئے قابل احترام ہیں۔"

"اور بہرحال یہ جو کچھ سامنے نظر آ رہا ہے ہم اس میں بھی شریک ہونا چاہتے ہیں، کیوں ناہید۔" مرزا جواد بیگ نے اپنی بیوی سے کہا اور ہنسنے لگی پھر بولی۔

"یہ ان کی ہمیشہ کی کمزوری ہے اور کافی کی سوندھی سوندھی خوشبو میری بھی کمزوری ہے۔"

"لیکن مجھے ذرا سی شکایت ہے عدنان واسطی صاحب سے، مجھے یہاں تین بجے پہنچنا تھا، اگر انتظار کر لیا جاتا تو آپ لوگوں کے ساتھ اس کافی وغیرہ میں بھی شریک ہو جاتا۔"

"نہیں یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا افسوس کیا جائے، عدنان واسطی صاحب نے مجھے اپنے ساتھ کافی میں شرکت کی دعوت دی تھی لیکن میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا تھا کہ پہلے ناہید کو گھر سے ساتھ لوں گا اور پھر اس کے بعد چار بجے تک یہاں پہنچوں گا ورنہ

واسطی صاحب مجھے دعوت دے چکے تھے۔"

"چلئے پھر کافی سہی۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے بعد باقی برتن ہٹا دئے گئے...... ملازم سے مزید کافی تیار کرنے کو کہا گیا اور اس کے بعد جواد بیگ صاحب شہاب کی طرف دیکھنے لگے اور پھر بولے۔

"شہاب ثاقب اصل میں جب انسان اپنی کسی خود غرضی کا شکار ہوتا ہے تو پھر ضمیر کی چوٹوں کے باوجود اپنے آپ کو ایک معصوم اور سادہ لوح شخصیت ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے...... میں عدنان واسطی صاحب اور تم سے شرمندہ ہوں کہ پچھلے کیس میں کچھ عجیب سی گفتگو ہوئی حالانکہ اس میں مجھے شکست ہوئی، لیکن میں نے اس شکست کو اچھے انداز میں نہیں لیا جبکہ یہ ہمارے پیشے کے اصولوں کے خلاف ہے...... سب سے پہلے میں شہاب، ان تلخ الفاظ کی معافی چاہتا ہوں جو میں نے تمہارے بارے میں روا رکھے اور اس دن کے لئے بھی معذرت کا طلب گار ہوں جس دن نادر حیات صاحب کی کوٹھی میں مجھ پر حملہ ہوا تھا اور تم نے میری زندگی بچائی تھی اور اس سے پہلے میں تم سے کچھ توہین آمیز الفاظ استعمال کر چکا تھا...... اب ظاہر ہے اس کے لئے معافی مانگنے کے علاوہ میرے پاس کوئی اور چارہ کار نہیں ہے...... اگر ایسی باتوں کا کسی بھی شکل میں ازالہ ممکن ہو سکتا تو انسان یقینی طور پر اس ازالے سے گریز نہ کرتا، میں اپنی گفتگو میں طوالت اختیار کر گیا ہوں، لیکن چند آخری الفاظ اور میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔"

"اور میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ براہ کرم اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو مجھے معاف کر دیجئے گا، ہو سکتا ہے میں آپ کے بارے میں کچھ نازیبا الفاظ استعمال کر گیا ہوں، اس کی سزا آپ اپنے ان الفاظ سے مجھے دے چکے ہیں...... آپ میرے بزرگ ہیں بہت سینئر ہیں، اگر بزرگ کوئی بات کبھی کہہ بھی دیا کرتے ہیں تو وہ قابل توجہ نہیں ہوتی، ڈانٹ ڈپٹ، بزرگوں کا حق ہوتا ہے۔

تم بہت بڑے باپ کے بیٹے ہو، عدنان واسطی سے تمہارے بارے میں گفتگو ہوچکی ہے...... اصل میں پہلے تو صحیح انداز میں میرا تم سے کوئی تعارف نہیں تھا۔

"چلئے یہ اچھی بات ہے، کہ اب ہم ایک دوسرے کے شناسا ہوگئے ہیں۔" شہاب مسکراتے ہوئے کہا۔

ناہید عجیب سی نگاہوں سے شہاب کو دیکھ رہی تھی اور بینا کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، اسے دیکھ کر شہاب کو نا جانے کیوں ایک بے کلی کا سا احساس ہو رہا تھا، بینا بہت چالاک تھی...... ناہید کی نگاہوں میں موجود کہانی پڑھ رہی تھی، لیکن بہرحال ایسی کہانیاں قابل توجہ نہیں ہوتیں، اپنے اپنے مسائل ہوتے ہیں، اپنے اپنے اتفاقات ہوتے ہیں...... اپنے اپنے کیس ہوتے ہیں...... اب ہر ایک کے بارے میں تو تفصیلی تبصرہ نہیں کیا جا سکتا۔

بہرحال شہاب ان باتوں کو نظر انداز کر کے مرزا جواد بیگ کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ مرزا جواد بیگ نے پھر کہا۔

"اور یہ حقیقت تھی شہاب کہ اس دن شاکو کا نشانہ میں ہی تھا...... مجھے ذرہ برابر اس میں کوئی شک نہیں ہے...... بعد میں اس نے پھر مجھے ٹیلی فون کیا تھا۔"

"شاکو نے۔" شہاب سنجیدہ ہو گیا۔

"ہاں۔" اس نے کہا تھا کہ بچ گئے ہو وکیل صاحب، لیکن کب تک...... میں تو آزاد ہی اس لئے ہوا ہوں کہ تمہیں اس دنیا سے رخصت کر دوں۔" میں پچھلے دنوں سے کچھ خوفزدہ ہو گیا ہوں...... یہ نہیں کہتا کہ کوئی بہت ہی دلیر آدمی ہوں، لیکن بہرحال زیادہ بزدل بھی نہیں ہوں...... زندہ رہنا چاہتا ہوں...... زندگی کے مسائل میں الجھے رہنے کا خواہشمند ہوں، چنانچہ اپنے لئے فکر مند ہوں اور یہی کیفیت میری بیوی کی بھی ہے۔

میں نے جواد بیگ اور ناہید کی جانب دیکھا اور ناہید چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی پھر بولی۔

"مجھ سے کچھ کہا...... بے اختیار مسکراہٹوں کو بھلا کون روک سکتا ہے، لیکن یہ مسکراہٹیں روکنا ضروری تھیں...... کیونکہ مرزا جواد بیگ فی الحال عدنان واسطی کے دفتر میں مہمان تھا...... مرزا جواد بیگ خود بھی ناہید کی اس بے نیازی پر شرمندہ سا ہو گیا تھا، لیکن اس نے بات کو فوراً سنبھال کر کہا۔

"انسان انسان ہوتا ہے...... ہم لوگ ذہنی طور پر اس قدر مضمحل ہوگئے ہیں کہ ہر وقت کھوئے کھوئے رہتے ہیں، حالانکہ میں ناہید سے کہتا ہوں کہ زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے...... اس قدر پریشان ہونے سے کچھ حاصل نہ ہوگا، جو کچھ بھی کرنا ہے، وہ کر لیا جائے، اگر تقدیر میں یہی سب کچھ لکھا ہے تو پھر اللہ کی مرضی، کیوں ناہید؟"

"ایں...... ہاں...... ہاں...... ناہید یا ریما جلدی سے بولی، ویسے یہ بھی ایک دلچسپ
تھی کہ اس وقت مرزا جواد بیگ نے ناہید کو ریما کہہ کر مخاطب کرنے کی کوشش
تھی...... چونچلے فرصت کے ہوتے ہیں اور سکون کے عالم میں انسان زیادہ بے اختیار
ہے، لیکن اس وقت کی بے اختیاری ذرا مختلف تھی، تاہم عدنان واسطی نے شہاب کی طرف
دیکھا اور ان نگاہوں کا مفہوم جو بھی تھا...... وہ شہاب نے بھی سمجھ لیا اور نگاہوں ہی نگاہوں
میں اس بات کا اظہار کیا کہ وہ عدنان واسطی سے پوری طرح متفق ہے اور اس سلسلے میں ا
عدنان واسطی کے رویئے پر کوئی اعتراض نہیں ہے...... بات کچھ بھی نہیں تھی، مرزا جواد
بیگ ایک خود غرض انسان تھا اور زندگی میں بہت کم اس نے دوسروں کے بارے میں
انداز میں سوچا تھا، لیکن تقدیر انسان کو ایسے ہی کھیل دکھاتی ہے اور کبھی کبھی وہ خود مظلوم
جاتا ہے...... ایسے موقعوں پر اس سے انتقام لینے کا تصور بھی خاصہ غیر انسانی ہوتا ہے اور
فطرتوں کا معاملہ بھی ہے، خود یہ لوگ اس فطرت کے مالک نہیں تھے...... البتہ مرزا جواد
بیگ اس وقت اپنی کیفیتوں کو محسوس کر رہا تھا...... شہاب نے کہا۔

"مرزا صاحب، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت تقدیر نے اور کسی غیبی قوت نے
میری رہنمائی کی تھی کہ میں نے اس شخص کو دیکھ لیا، جو آپ پر حملہ کرنا چاہتا تھا اور پھر
نے اپنا فرض پورا کیا...... آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا...... میں یقینی طور پر اسے بچانے کے لئے
پوری پوری کوشش کرتا، بہر طور آپ کی زندگی تھی اور اس بات کو بھول جائیے کہ میں نے
آپ کے لئے کچھ کیا...... اب مجھے بتائیے میرے لائق کوئی خدمت، آپ تشریف لائے
تو میں ظاہر ہے آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں...... ویسے آپ کو ساری تفصیلات پہلے
معلوم تھیں اور اب مزید معلوم ہو گئی ہوں گی، عدنان واسطی صاحب سے میرا ایک رشتہ
کے حوالے سے ہے لیکن اس سے بڑا بھی رشتہ ان کی انسانیت سے ہے، وقت نے بھی
ثابت کر دیا ہے کہ عدنان واسطی صاحب معمولی وکیل نہیں ہیں، لیکن انہوں نے اپنا ایک
معیار رکھا ہے اور ہمیشہ سچائیوں کے ساتھ ہی رہے ہیں، کیا آپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں
مرزا صاحب۔

عدنان واسطی اور بینا نے چونک کر شہاب کو دیکھا...... شہاب اس طرح کے الفاظ بہت
کم استعمال کرتا تھا اور وہ بھی کسی ایسے شخص کے ساتھ جو مہمان ہو اور جس کے بارے میں

اندازہ ہو کہ اس وقت وہ بہتر کیفیت میں نہیں ہے، لیکن بہر حال شہاب بھی انسان تھا، مرزا
جواد بیگ جس شخصیت کے مالک تھے اس کے بعد شاید شہاب کو یہ سب کچھ کہنے پر مجبور ہونا
پڑا تھا...... مرزا جواد بیگ نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں...... میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں۔"

"تو سمجھ لیجئے، کہ میرے آپ سے سارے گلے ختم ہو جاتے ہیں، کیا آپ مجھے یہ
بتائیں گے کہ شاکو آپ کا دشمن کیوں بن گیا ہے۔"

"اس کے لئے میری طرف سے ایک پیشکش ہے، مرزا جواد بیگ نے کہا۔

"کیا؟"

"آپ لوگ رات کا کھانا میرے ساتھ کھائیے...... ساری تفصیل وہیں پر ہو جائے گی۔"

"آپ اس کی بالکل فکر نہ کریں...... کھانا اہم حیثیت نہیں رکھتا۔"

"نہیں میں...... مرزا جواد بیگ کی اس خواہش سے پورا اتفاق کرتی ہوں، بلکہ اصولی طور
پر یہ پیشکش مجھے کرنی چاہئے تھی، لیکن مرزا صاحب پہل کر چکے ہیں...... آپ لوگ رات کا
کھانا میرے ساتھ ہی کھائیں گے، مجھے دلی خوشی ہو گی، ناہید نے کہا۔"

"ٹھیک ہے اگر آپ لوگ اس پر بضد ہیں تو آپ کی مرضی۔" عدنان واسطی صاحب
نے شہاب اور بینا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہر حال اب اجازت دیجئے، آپ لوگوں نے ہماری یہ دعوت قبول کر لی...... رات کو
ساڑھے سات بجے آپ کا انتظار کریں گے تاکہ تھوڑی دیر تک گفتگو ہو جائے اور اس کے
بعد کھانے کا اہتمام کیا جائے۔"

بہر حال جواد بیگ اور اس کی بیوی چلے گئے...... شہاب بینا اور عدنان واسطی خاموشی
سے ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہے، پھر بینا ایک دم ہنس پڑی اور بولی۔

"ویسے یہ مس ریما ناہید واقعی قابل غور شخصیت ہیں، کیا کہتے ہو شہاب ان کے
بارے میں؟"

"میں فی الحال یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اب یہاں سے چلنا ہے، آپ کا کیا پروگرام ہے
محترمہ۔"

"نہیں...... اچانک ہی کوئی بات یاد آ گئی ہے کیا؟"

"ہاں۔"

"او کے...... پھر ڈیڈی سے اجازت لے لی جائے، کار میں جاتے ہوئے شہاب نے بینا
سے کہا۔"

"ایسے سوالات کر دیتی ہو، عدنان واسطی صاحب کے سامنے جن کا جواب دینا میرے
لئے مشکل ہو جاتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"تم نے ایک سوال کیا تھا؟"

"وہ کیا؟"

"ناہید یا ریما کے بارے میں۔"

"ہاں...... میں سمجھتی ہوں، تم اس سوال کو کیوں ٹال گئے تھے۔"

"بینا بس کیا کہا جائے، حقیقت تو یہ ہے کہ مرزا جواد بیگ اس قابل نہیں ہے کہ اس کی
کسی سلسلے میں مدد کی جائے، لیکن کیا کیا جائے، کچھ انسانی مسائل بھی ہوتے ہیں اور پھر ایک
شخص اگر اس کیفیت میں مبتلا ہے کہ وقت ہی اس کے لئے نقصان دہ ہو جائے، یا اس کی
زندگی کا دشمن تو صورت حال عجیب ہو جاتی ہے...... اب بتاؤ اس سلسلے میں مرزا جواد بیگ کا
کیا کیا جائے۔"

"ایک بات کا جواب آپ بھی مجھے دینا پسند فرمائیں گے جناب شہاب صاحب۔" بینا
نے کسی قدر تیکھے لہجے میں کہا۔

"ہاں، بولو کیا؟"

"اس وقت وہ کون سا جذبہ تھا...... جب آپ نے اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر مرزا
جواد بیگ کو بچانے کی کوشش کی تھی؟"

شہاب نے ونڈ سکرین پر سے نگاہیں ہٹا کر بینا کو دیکھا پھر مسکراتا ہوا بولا۔

"میں جانتا ہوں تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"تو پھر اب جبکہ ذہنی طور پر اس سارے مسئلے کو تسلیم کر لیا گیا ہے، تو مرزا جواد بیگ کی
ہر خطا کو معاف کرنا ضروری ہو گیا ہے ہمارے لئے...... جہاں تک ناہید صاحبہ کا تعلق ہے
اس بڑے آدمی نے اس نوجوان لڑکی کو اپنی بیوی بنا کر کوئی اچھا عمل نہیں کیا ہے...... پتا نہیں

بے چاری کے ساتھ کیا ٹریجڈی ہوگی، جس کی بنا پر وہ اس کے لئے تیار ہو گئی۔

"جیسا کہ ہم لوگ پہلے بھی اس موضوع پر گفتگو کر چکے ہیں...... یورپ میں یہ ساری
چیزیں قابل تسلیم ہوتی ہیں۔"

"وہ تو ہوتی ہیں، لیکن تسلیم کرنے کے بعد آنکھوں میں ہوس کے چراغ جلائے رکھنا،
کہاں کی انسانیت ہے...... بینا نے کہا اور شہاب ہنس پڑا، پھر بولا۔
مجھے اندازہ ہے کہ تم سخت ناراض ہو رہی تھیں۔

"رات کو بھی وہ بھوکی بلی کی طرح تمہیں گھورتی رہے گی۔"

"بھائی اس میں میرا قصور نہیں ہے۔" شہاب نے کہا بینا کچھ سوچتی رہی، پھر ہنس پڑی
اور اس کے بعد کہنے لگی۔

"ویسے شہاب اس عورت کا تجزیہ کرنے کی اجازت دینا مجھے۔"

"کیا مطلب؟"

"ذرا دلچسپ صورت حال ہے...... معلومات تو کروں گی کہ بے چاری پر کیا گزری......
اور وہ کون سا ایسا عمل تھا جس کی وجہ سے اسے مرزا جواد بیگ سے شادی کرنا پڑی؟"

"کیا یہ کسی کے ذاتی معاملے میں مداخلت کرنا نہیں ہے؟" شہاب نے سوال کیا۔

"اگر تمہاری اجازت ہو تو، صرف معلومات کی غرض سے۔" بعض اوقات کچھ کہانیاں
خاص دلچسپ اہمیت اختیار کر جاتی ہیں، میں بھی بس اسی طور پر یہ معلوم کرنے کی کوشش
کروں گی۔'

"یہ تمہاری مرضی ہے...... ظاہر ہے وہاں جاؤ گی تو کچھ نہ کچھ تو معلومات حاصل ہوں
گی ہی۔"

"بس...... بس یہی میں کہنا چاہتی تھی۔"

"ویسے فوری ملاقات میں کیا یہ ممکن ہوگا؟"

"کیوں نہیں...... ہم عورتوں کو تم کیا سمجھتے...۔"

"نہیں بابا...... بس اب اگر کچھ کہوں گا تو تم برا مان جاؤ گی۔"

"نہیں کہو...... کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"تم عورتوں کو ہم مرد بہت کچھ سمجھتے ہیں اور یوں سمجھ لو کہ ہر وقت محتاط رہنا پڑتا ہے۔"

"خیر ایسی کوئی بات نہیں ہے، تمہیں محتاط رہنے کی ضرورت نہیں، بھلا بینا تمہ
نہیں جانتی...... بینا نے محبت بھرے لہجے میں کہا اور شہاب مسکرانے لگا۔

رات کو مقررہ وقت پر بینا...... شہاب عدنان واسطی صاحب کے پاس پہنچ گ
اور عدنان واسطی کے ساتھ چل پڑے...... مسز واسطی ایک گھریلو قسم کی خاتون تھیں او
ایسے کسی معاملے میں کبھی حصہ نہیں لیا کرتی تھیں، چنانچہ اس وقت صرف یہی تینوں اف
چل پڑے تھے، بینا نے کہا۔

"ویسے شہاب انتظام کر کے چلنا...... مجھے تو تعجب ہے کہ مسٹر جواد بیگ اس قدر
مطمئن کیوں ہیں، اپنے اوپر حملہ ہونے کے باوجود اور یہ تمام تفصیل معلوم ہونے کے باوجود
کہ شاکو آزاد ہے...... وہ اطمینان سے اپنے گھر میں مقیم ہیں...... حالانکہ اس طرح کا حملہ
ہونے کے بعد انہیں اپنے طور پر محتاط رہنا چاہئے۔"

ہو سکتا ہے انہوں نے اپنے اطمینان کے لئے کوئی بندوبست کیا ہو۔"

"انہوں نے کر لیا ہو، لیکن ہم نے کوئی بندوبست نہیں کیا۔" بینا نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"اس بات پر تم غور کیوں نہیں کرتے کہ اس دن شاکو کے حملے کو تم نے ناکام بنایا تھا،
ایک ایسا شخص جو کسی کی زندگی کے درپے ہو...... کیا اسے بھی اپنا دشمن نہیں سمجھے گا، جو اس
کے دشمن کا دوست ہو۔"

"ڈر رہی ہو...... شہاب نے کہا اور بینا اسے گھورنے لگی۔" پھر بولی۔

"ڈرتی ہوں کبھی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے، جو ہو گا دیکھا جائے گا، فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"میں بالکل فکر مند نہیں ہوں...... سمجھے آپ...... بینا نے کہا اور اپنے ہینڈ بیگ سے
پستول نکال کر شہاب کے سامنے کر دیا۔"

"میں تیار ہوں۔"

"ویری گڈ...... ویری گڈ...... شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔" واسطی صاحب بھی
ہنسنے لگے، پھر انہوں نے کہا۔

"ویسے ایک بات میں کہوں گا شہاب...... پتا نہیں اس لڑکی کے اندر یہ روح تم نے کیسے

پھونک دی ہے...... یہ تو بالکل ایک عام قسم کی لڑکی تھی، بے شک جہاں تک ذہانت کا تعلق
ہے...... وہ اس کے اندر موجود تھی لیکن۔"

مرزا جواد نے اپنی کوٹھی پر ان کا استقبال کیا تھا...... مسلح گارڈز وہاں موجود تھے...... جواد
بیگ نے ان کا پر احترام استقبال کیا اور بولا۔

بہر حال آپ لوگوں کی آمد کا شکر گزار ہوں...... خصوصاً اس لئے بھی کہ کچھ ہی وقت
پہلے ہمارے درمیان ایک بحث چل چکی ہے۔"

"آپ خود اس کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔"

واسطی صاحب نے کہا۔

"بالکل نہیں...... اظہار شرمندگی کر رہا ہوں۔"

"وہ بات ختم ہو گئی...... مستقبل میں بھی نہ جانے کتنی بار ہم ایک دوسرے کے
مد مقابل ہوں گے۔" واسطی صاحب نے فراخ دلی سے کہا۔

"آپ شاکو کے بارے میں تفصیل بتا رہے تھے۔" شہاب نے یاد دلایا۔

"ہاں...... ایک مختصر کہانی ہے، کچھ فلمی انداز کی۔"

"بتانا پسند کریں گے۔" شہاب بولا۔

"کیوں نہیں...... تم سے اس بارے میں مدد لینا چاہتا ہوں مسٹر شہاب۔" مرزا جواد
بیگ نے کہا۔

"تب مجھے شاکو کے بارے میں بتائیے۔" شہاب نے کہا اور جواد بیگ سوچ میں ڈوب
گیا، پھر بولا۔

"ہمارا پیشہ عجیب ہے...... اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم ذاتی طور پر کسی کے دشمن
نہیں ہوتے۔ کلائنٹ ہمارے پاس آتے ہیں، ہمیں اپنے کیس دیتے ہیں اور ہم انہیں قانونی
مدد فراہم کرتے ہیں، یعنی خود بخود ہمارے کلائنٹس کے اور ہمارے درمیان دشمنی ہو جاتی
ہے...... ایسا ہی معاملہ شاکو کے سلسلے میں ہوا ہے۔"

"کیا؟" واسطی صاحب نے پوچھا۔

"رحمان گڑھی کا نام سنا ہے۔"

"شاید نہیں۔" شہاب نے جواب دیا۔

"بہت چھوٹی سی آبادی ہے۔" ٹرین وہاں سے گزرتی ہے لیکن رکتی نہیں بلکہ یوں سمجھ لو...... آبادی سے کوئی چار کلومیٹر کے فاصلے سے گزر جاتی ہے...... ہاں دو چار لاریاں چلتی ہیں وہ بھی ہفتے میں دو بار۔"

"ٹھیک۔"

"اور ارمان شاہ رحمان گڑھی کا مالک ہے، وہاں جو کچھ بھی ہے ارمان شاہ کا ہے۔"

"وہاں کے لوگ بھی۔"

"ایک طرح سے یہی سمجھ لو۔"

"تب تو بڑی شخصیت ہوگی۔"

"بالکل ہے...... کبھی اس سے ملو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔"

"وہ کیوں؟"

"اس لئے کہ وہ ایک نیک اور پرہیزگار انسان ہے...... سادہ سی زندگی بسر کرتا ہے...... بہت اچھی فطرت کا مالک ہے...... بستی کے لوگوں کے ساتھ بھی اس کا سلوک برا نہیں ہے۔ اس ارمان شاہ پر اچانک دو عورتوں کے قتل کا الزام لگایا گیا۔"

"اوہ...... وہ عورتیں کون تھیں۔"

"تمہیں بتا رہا ہوں۔" شاکر خان بستی جاہ پور کا رہنے والا تھا، وہیں کام دھندا کرتا تھا لیکن ایک بار شدید بارشیں ہوئیں اور سیلاب نے پوری بستی کا نام و نشان مٹا دیا...... آدھی سے زیادہ آبادی ختم ہوگئی، بہت کم لوگ زندہ نکل پائے، انہی میں شاکر خان کی بیوی، بھاوج اور ایک دو سال کی بچی تھی جو شاکر خان کے بھائی کی بیٹی تھی...... شاکر خان کا بھائی ذاکر خان سیلاب کا شکار ہوگیا تھا۔ شاکر خان ان تینوں کے ساتھ مختلف جگہ ٹھوکریں کھاتا ہوا آخرکار رحمان گڑھی آنکلا اور اسے ارمان شاہ کی حویلی میں نوکری مل گئی۔ بس حویلی کے کام کرنے پڑتے تھے اسے، رہنے کے لئے بھی حویلی ہی میں جگہ مل گئی تھی...... شاکر خان جسے اب شاکو کے نام سے پکارا جاتا تھا وہاں زندگی بسر کرنے لگا...... ارمان شاہ ویسے بھی ایک رحم دل انسان تھا اس نے شاکو کو بڑی مراعات دے رکھی تھیں اور یوں کافی عرصہ اسے وہاں گزر گیا...... شاکو کے علاوہ حویلی میں اور بھی بہت سے ملازم تھے، ویسے شاکو کی بیوی اور بھاوج دونوں خوبصورت عورتیں تھیں...... نوجوان تھیں، غربت اور بے کسی کے عالم

میں تھیں...... حویلی کے ایک ملازم فرزند سے شاکو کی بیوہ بھاوج کے تعلقات ہوگئے اور بعد میں اس بیوہ بھاوج نے اپنا راز چھپانے کے لئے شاکو کی بیوی کو بھی اس راستے پر لگا لیا اور دونوں چھپ چھپ کر فرزند سے ملنے لگیں...... شاکو ارمان شاہ کے کاموں سے اکثر گڑھی سے باہر جاتا رہتا تھا...... اس لئے خواتین کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا تھا، لیکن نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا تھا۔

"کیا مطلب۔" واسطی صاحب بے اختیار بولے۔

"ایک دن شاکو اچانک واپس آگیا اور اس نے ان تینوں کو قابل اعتراض حالت میں دیکھ لیا...... فرزند تو بچ کر بھاگ گیا، لیکن شاکو نے گنڈاسے سے بیوی اور بھاوج کی گردنیں اڑادیں اور بھائی کی بچی کو لے کر بھاگ گیا...... ارمان شاہ نے پولیس کو اطلاع دی اور پولیس ضروری کارروائی کے بعد شاکو کی تلاش میں لگ گئی۔ شاکو نے بچی کو کسی جگہ محفوظ کر دیا یا اسے بھی ہلاک کر کے کہیں پھینک دیا اور پھر کچھ عرصے کے بعد گرفتار ہوگیا...... اور یہ کیس ارمان شاہ نے میرے حوالے کر دیا اور چونکہ ایک معتبر شخصیت گواہ تھی اس لئے فیصلہ شاکو کے خلاف ہی ہوا، حالانکہ میں نے کوشش کی تھی کہ اسے سزائے موت ہو، لیکن اشتیاق حسین نے فیصلہ ہی غلط سنایا۔

"اشتیاق صاحب۔" واسطی صاحب نے پوچھا۔

"وہ جج جنہوں نے شاکو کو عمر قید کی سزا دی تھی۔"

"دہرے قتل کی سزا عمر قید۔"

"ہاں پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی عینی گواہ دستیاب نہیں ہو سکا تھا...... دوسری بات یہ کہ اشتیاق حسین صاحب نے اسے ایک شخص کی غیرت و حمیت جاگ جانے کی کہانی بنا دیا تھا۔ خود تو اس دنیا کو چھوڑ گئے دوسروں کو مصیبت میں پھنسا گئے۔"

"اوہ...... اشتیاق حسین سیفی کی بات کر رہے ہیں آپ۔" واسطی صاحب بولے۔

"ہاں وہی۔"

"لیکن شاکو۔"

"وہی سب کچھ جو ایسے بے ضمیر کرتے اور کہتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"اس نے اپنا جرم تسلیم نہیں کیا تھا۔"

یعنی...... اس بار شہاب نے چونک کر کہا تھا۔

"میرے پاس پورا ریکارڈ موجود ہے...... باقاعدہ کیس چلا تھا اور چونکہ واقعہ ارمان شاہ کی حویلی میں پیش آیا تھا اس لئے نیک سیرت ارمان شاہ نے مکمل طور پر اس کیس میں دلچسپی لی تھی۔

"شاکو کا بیان کیا تھا۔"

"کہتا تھا بیوی اور بھاوج کو اس نے قتل نہیں کیا۔"

"بس جان بچانے کی بھرپور کوشش کی تھی اس نے۔ سرے سے یہ بات ہی ماننے سے انکار کر دیا تھا کہ اس کی بیوی اور بھاوج بدکردار تھیں...... اس پورے واقعہ سے لاعلمی کا اظہار کیا تھا اس نے لیکن اسے ثابت نہ کر سکا۔"

"اس کا وکیل کون تھا۔" شہاب نے سوال کیا۔

حکومت نے انعام صدیقی کو یہ ذمے داری دی تھی کیونکہ شاکو خود وکیل کرنے کے قابل نہیں تھا۔

"اس نے آخر تک جرم تسلیم نہیں کیا۔"

"نہیں...... اور جب سزا ہوئی تو فلمی انداز کی دھمکیاں، مجھے اشتیاق حسین اور ارمان شاہ کو دیں کہ وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔" اور میں کیا کہوں اس پولیس کو آخر کار وہ نکل گیا اور ہم لوگوں کی مصیبت آگئی۔"

"گویا اس کے تین شکار ہیں۔"

"اب تین کہاں؟" جواد بیگ نے کہا۔

"کیا مطلب۔" شہاب بولا۔

"وہ جج اشتیاق بیگ کا انتقال ہو گیا ہے۔"

"اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اب صرف دو افراد اس کے ٹارگٹ پر ہیں۔" شہاب پر خیال انداز میں گرفتار ہو کر بولا۔

"اور اس نے پہلی کوشش کر ڈالی۔" مرزا جواد بیگ تشویش بھرے لہجے میں بولے۔

"وہاں سے کچھ معلوم ہو سکا۔" واسطی صاحب نے پوچھا۔

"رحمان گڑھی سے۔"

"یہاں اپنی فکر پڑی ہوئی ہے...... اس بارے میں کون معلومات کرتا۔" مرزا جواد بیگ نے کہا۔

"کیا ارمان شاہ کو شاکو کے فرار کا علم ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم۔" جواد بیگ نے کہا۔

"ارمان شاہ نے آپ سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔"

"میرا ان کا کوئی اتنا گہرا رشتہ بھی نہیں ہے، مگر ان کے لئے کیا مشکل ہے...... اپنے گرد فوج اکٹھی کریں گے...... مشکل تو ہمیں پیش آئے گی۔" جواد بیگ نے کہا۔

"نہیں بیگ صاحب...... آپ قانون کا سرمایہ ہیں...... آپ کی زندگی کسی اور کے لئے قیمتی ہو نہ ہو ہمارے لئے ہے...... آپ کے تحفظ کے لئے سب کچھ کیا جائے گا۔"

"میں شکر گزار ہوں شہاب صاحب...... ویسے بھی سچی بات ہے مجھے اپنی کوتاہی کا شدید احساس ہے۔"

"کوتاہی کا۔"

"ہاں...... آپ کے بارے میں کچھ واقعات تو سنے تھے لیکن کبھی تحقیق نہیں کی تھی...... اب جب آپ نے میری زندگی بچائی صحیح معنوں میں آپ کے بارے میں تحقیق کی ہے میں نے اور شہاب میاں اب آپ سے یہ درخواست کرنا میں اپنا حق سمجھتا ہوں کہ براہ کرم اپنی بے پناہ ذہانت سے کام لے کر میرے تحفظ کا بندوبست کریں۔

"آپ نے بھی تو کافی انتظامات کئے ہیں لیکن میرے خیال میں ڈی آئی جی صاحب سے مزید درخواست کرنا پڑے گی۔" شہاب پر خیال لہجے میں بولا۔

"میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں...... ویسے اصل معاملہ اس کی دوبارہ گرفتاری کا ہے۔"

"شاکو کی گرفتاری کا۔"

"ہاں۔" ورنہ خطرہ مستقل رہے گا۔

"ہمیں یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ ارمان شاہ کو اس کے فرار کا علم ہے یا نہیں...... بہرحال وہ بھی ایک معزز شخصیت ہیں...... اس معلومات کے بعد میری ذمہ داری بھی شروع ہوتی ہے...... ویسے مرزا صاحب مجھے شاکو کا مکمل فائل درکار ہے۔"

"آفس میں ہے کہیں تو میں اپنے ماتحت کو فون کئے دیتا ہوں وہ آفس کھول کر فائل نکال لائے گا۔"

"بالکل ٹھیک...... آپ ایسا کریں۔" شہاب نے کہا اس وقت بینا اُٹھ کھڑی ہوئی اور بولی۔

"آپ لوگ یہ کارروائی کریں میں ذرا مسز بیگ کے ساتھ کچن کی سیر کرلوں کیونکہ یہ بھی انسان کی ایک بڑی ضرورت ہے۔"

"اوہ...... ہاں۔ ضرور ڈیئر ریما مسز شہاب کو اپنا گھر دکھاؤ۔" مرزا جواد بیگ نے کہا اور بینا مسکراتی ہوئی مسز جواد کے ساتھ باہر نکل آئی...... بہرحال ایک دلچسپ کیس کا آغاز ہو چکا تھا۔



بینا کو یہ لڑکی پہلی نگاہ ہی میں کچھ عجیب سے محسوس ہوئی تھی، ویسے تو مرزا جواد بیگ بذات خود ایک ایسی شخصیت کا مالک تھا جسے بالکل خود غرض اور ابن الوقت کہا جا سکتا تھا، اپنے اوپر مشکل پڑی تھی تو فوراً ہی اس کا انداز فکر بدل گیا تھا، لیکن اب کم از کم اتنا تجربہ تو بینا کو دنیا کے بارے میں ہو چکا تھا کہ وہ اس طرح کے لوگوں کی کیفیت کو سمجھ لے اور بینا مرزا جواد بیگ کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ اس لڑکی پر اسے تھوڑا سا غصہ بھی آیا تھا کیونکہ عدنان واسطی کے آفس میں اس نے جس طرح شہاب کی طرف قدم بڑھانے کی کوشش کی تھی وہ کم از کم بینا کے لئے ناقابل برداشت تھا، بہرحال وہ بھی ایک عورت تھی۔ ریما اسے ساتھ لئے ہوئے اپنی خوبصورت کوٹھی کے مختلف گوشے دکھانے لگی، پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہارا شوہر بے حد خوبصورت ہے۔ ایک شاندار شخصیت کا مالک۔"

"ہاں...... ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ہم نے لو میرج کی ہے۔" ریما مسکرانے لگی اور پھر مدہم لہجے میں بولی۔

"کیا تم اس بات پر یقین کرو گی کہ میں نے مرزا جواد بیگ کو اپنی مرضی سے اپنی زندگی کا ساتھی بنانا پسند کیا ہے۔"

"پہلی بات تو یہی میری سمجھ میں نہیں آئی مسز بیگ کہ آپ کا اصل نام ریما ہے یا ناہید۔"

"میرا اصل نام جولیس تھا...... آخر کار میں نے مرزا کا مذہب قبول کر لیا اور مرزا نے مجھے ریما کہنا شروع کر دیا، حالانکہ یہ نام مجھے بالکل پسند نہیں تھا، بہت پرانی بات ہے میری ایک دوست تھی ناہید جو مجھ سے جدا ہو گئی۔ وہ مجھے بہت عزیز تھی...... میں نے مرزا سے درخواست کی کہ وہ مجھے ناہید کے نام سے پکارے اس طرح میرا نام ڈبل ہو گیا۔"

"مگر یہ بات تم نے حیرت انگیز کہی کہ تم نے خود مرزا جواد بیگ کو پسند کیا تھا۔ معاف کرنا کیا تمہیں عمر کے اس فرق کا احساس نہیں تھا۔"

"تھا۔"

"تو پھر۔"

"میری ماں نے ایک سینی ٹوریم میں خون تھوکتے ہوئے جان دے دی تھی۔" ناہید کی مدھم آواز اُبھری۔

"اس لئے کہ میرا باپ اس کا علاج نہیں کرا سکتا تھا۔ وہ ایک غریب آدمی تھا اور اس وقت سے مجھے غربت سے بے پناہ خوف محسوس ہوتا ہے...... میں نے سوچا کہ اگر زندہ رہا جائے تو اس طرح کے انسان کسی سینی ٹوریم میں خون تھوکتے ہوئے نہ مرے ورنہ اس سے بہتر ہے کہ موت کو ہی گلے لگا لیا جائے۔ زندگی کا یہ بھیانک انجام مجھے شروع ہی سے ناپسند تھا اور اس کے بعد میں نے بہت سے نوجوان لڑکوں کی جانب بڑھنے کی کوشش کی جو صاحب حیثیت تھے۔ انہوں نے صرف مجھ سے کھیلنا چاہا لیکن میں اپنے آپ کو ایک کھیل نہیں بنانا چاہتی تھی...... مرزا جواد بیگ مجھے ملے اور جب انہوں نے مجھے شادی کی پیشکش کی تو میں نے پورے خلوص کے ساتھ اس پیشکش کو قبول کر لیا...... دیکھو ڈیئر میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہونا، تمہارا شوہر ایک خوبصورت آدمی ہے۔ جب کوئی بہت اچھا جوڑا میری نگاہوں کے سامنے آتا ہے تو اس وقت میں اسے بغور دیکھتی ہوں اور یہ سوچتی ہوں کہ تقدیر کیا چیز ہوتی ہے یا جو لوگ زندگی میں کامیابیاں حاصل کرتے ہیں ان کی شکلیں کیسی ہوتی ہیں، لیکن یہ نہ سمجھنا کہ میرے سینے کے اندر کوئی ایسی خواہش بیدار ہو جاتی ہے جسے کسی سے کچھ چھین لینے کی خواہش کہا جا سکتا ہے۔ پلیز ایسا مت سوچنا میرے بارے میں...... میں اس مسئلے میں تم سے بالکل جھوٹ نہیں بول رہی۔" بینا ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھی۔ وہ کچھ دیر کے لئے تو کچھ نہ بول سکی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"سوری ناہید میں نے ایک بے تکا سوال کر کے تمہارا دل دکھایا ہے...... میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں ویسے ناہید ایک بات کہوں تم سے۔"

"ہاں ضرور۔"

"مرزا جواد بیگ کی زندگی سے تمہیں دلچسپی ہے۔"

"یہ سوال کیوں کر رہی ہو، کیا یہ تمام باتیں بتانے کے باوجود یہ سوال ضروری ہے۔ مرزا جواد بیگ جیسا بھی ہے جو کچھ بھی ہے اس کا ٹائپ کیسا بھی ہے میں سب سمجھتی ہوں لیکن اسے خود غرضی کہہ لو یا پھر انسان کی انسان سے دلچسپی جو کہ قدرت کا کھیل ہے کہ میں ان کی زندگی بھی چاہتی ہوں...... اس کی سلامتی بھی اور اس کے لئے ہر طرح کی قربانی بھی دینا چاہتی ہوں۔"

"تو سنو ہو سکتا ہے ہمارے ہاں کی روایات کے بارے میں تمہیں زیادہ معلومات نہ ہوں، ویسے مجرم تو دنیا کے ہر گوشے میں ہوتے ہیں۔ یہاں سے باہر بھی ایسے مجرم پائے جاتے ہوں گے لیکن اس وقت جو جرم میرے علم میں آیا ہے وہ ایسا ہے کہ مرزا جواد بیگ کی زندگی کو شدید خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، کم از کم ایک مخصوص عرصے کے لئے اس وقت کے لئے جب تک کہ یہ مجرم گرفتار نہ ہو جائے جس نے مرزا جواد بیگ پر حملہ کیا ہے، تم جواد بیگ کو لے کر کہیں نکل جاؤ...... یہ ایک دوستانہ مشورہ ہے، بہت سے ایسے معاملات ہوتے ہیں جو مرد کی سمجھ میں نہیں آتے، کاروباری طور پر مرزا جواد بیگ کسی بھی طرح یہ شہر چھوڑنے کی کوشش نہیں کریں گے...... اس سے مرد کی انا کو بھی ٹھیس لگتی ہے اور وہ بزدلی کا اظہار نہیں کرنا چاہتا لیکن بعض ذمہ داریاں ہم عورتوں کی بھی ہوتی ہیں، اگر میری رائے مانو تو ایسا کر ڈالو۔"

"یقین کرو تم نے میرے دل کی بات کہہ دی ہے...... میں خود بھی اب یہی کرنا چاہتی ہوں ویسے تمہارے اس مخلصانہ مشورے کے لئے میں تمہارا احسان مانتی ہوں۔" بینا کا دل بالکل صاف ہو گیا تھا...... اس نے ایک عورت کی ضرورت کو محسوس کیا تھا اور اپنا مشورہ دے دیا تھا، کچھ دیر کے بعد وہ کچن میں داخل ہو گئیں اور ملازم سے معلومات حاصل کی جانے لگی، کھانا تیار ہو چکا تھا۔ چنانچہ بینا ناہید کے ساتھ کھانا لگوانے میں مصروف ہو گئی، پھر دونوں نے تمام مردوں کو کھانے کی اطلاع دی تھی...... مرزا جواد بیگ، شہاب اور عدنان واسطی صاحب کے ساتھ اُٹھتا ہوا بولا۔

"خواتین اپنے فرائض ہمیشہ بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیتی ہیں...... آیئے، کھانا ہو جائے۔" کھانے کی میز پر اتفاق کی بات یہ کہ شہاب نے بھی یہی تجویز پیش کی تھی جو بینا ناہید کو دے چکی تھی...... ناہید نے پرجوش تائید کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... ہم کچھ عرصے کے لئے ملک سے باہر چلے جائیں گے، اس کا انتظام انتہائی خفیہ طور پر ہو جانا چاہئے...... یہ سیکورٹی گارڈ ہماری حفاظت نہیں کر سکتے...... جواد بیگ تمہیں ہر قیمت پر یہ انتظام کرنا ہوگا۔"

"نا صرف یہ انتظام بلکہ میں تجویز پیش کرتا ہوں کہ مرزا جواد بیگ اگر مناسب سمجھیں تو فوری طور پر یہ کوٹھی چھوڑ دیں لیکن اس طرح کہ کچھ عرصے تک کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ مرزا جواد بیگ کوٹھی میں موجود نہیں ہیں...... یہ سیکورٹی یہیں رہے اور سمجھنے والا یہی سمجھتا رہے کہ مرزا جواد بیگ نے اپنے تحفظ کے لئے یہ بندوبست کیا ہے۔"

"ایک بات بڑی ایمانداری کے ساتھ کہہ رہا ہوں، خوفزدہ تو خیر میں تھا اور مجھے یہ احساس تھا کہ شاکو آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا لیکن اب میں زیادہ خوفزدہ ہو گیا ہوں، بس یوں سمجھو تم سب لوگوں نے مل کر مجھے ڈرا دیا ہے...... میرا خیال ہے مسٹر شہاب مجھے واقعی یہ کام کر لینا چاہئے اور تم لوگوں سے رابطہ رکھنا چاہئے تاکہ شاکو کا مسئلہ جب تک حل نہ ہو جائے اس وقت تک میں روپوش رہوں، لیکن دوست شرط یہی ہے کہ یہ راز ہم لوگوں کے درمیان رہے گا، کوئی بھی نہیں چاہے گا کہ اس کا مذاق اڑایا جائے۔"

"اطمینان رکھیں مرزا جواد بیگ ہماری آپ سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔" شہاب نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر کافی دیر تک قیام کے بعد ان لوگوں نے رخصت طلب کر لی۔ مرزا جواد بیگ نے فوری طور پر یہ طے کیا تھا کہ وہ پوری پوری کوشش کر کے یہ ملک چھوڑ دے گا اور ایک طویل عرصے تک ملک سے باہر قیام کرے گا...... واپسی میں عدنان واسطی صاحب نے پیشکش کی اور کہا۔

"ویسے تو یہاں خوب کھا پی لیا ہے لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ یہاں سے میرے گھر چلو تم لوگ اور میرے ساتھ چائے پیو، کچھ باتیں ابھی ایسی ہیں جنہیں کرنا ضروری ہے اور میری خواہش ہے۔"

"ویسے بھی ڈیڈی کم از کم آپ کو گھر چھوڑنے تو چلنا ہی ہے ہمیں...... بعد میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ہم اپنے گھر چلے جائیں گے۔"

"بالکل ٹھیک ہے...... بہرحال دوسری نشست عدنان واسطی صاحب کے گھر پر ہوئی تھی اور عدنان واسطی نے چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"مرزا جواد بیگ کے ساتھ ساتھ ہی وہ شخص بھی خطرے میں ہے جس کا نام ہمارے سامنے آیا ہے، یعنی رحمان گڑھی کا ارمان شاہ۔"

"کیوں اس کے بارے میں آپ کیوں یہ بات کہتے ہیں۔"

"بھئی ظاہر ہے اسی نے شاکو کو گرفتار کرایا تھا۔"

"ویسے شہاب بعض اوقات معاملات بالکل مختلف نکل آتے ہیں...... کیا اس سے پہلے ہمارے پاس ایسے کیس نہیں آچکے کہ اصل معاملہ جو نظر آیا ہے وہ نہیں نکلا، ہو سکتا ہے جس طرح مرزا جواد بیگ نے کہا کہ یہ شخص یعنی شاکو یہ تسلیم نہیں کرتا کہ اس نے اپنی بیوی اور بھاوج کو قتل کیا ہے اسی طرح ہو سکتا ہے کہ یہ سچ بھی ہو اور اس پر کیس بنا دیا گیا ہو اور تم سمجھتے ہو کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں...... ارمان شاہ جیسے صاحب حیثیت لوگوں کے لئے یہ مشکل نہیں ہوتا اور جہاں تک بات رہی ارمان شاہ کی عبادت اور تہجد گزاری کی تو بس اللہ تعالیٰ معاف کرے غلط جملے نکالتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا ہے۔"

"اس فائل کو تو دیکھو، اس فائل میں کیا تفصیل ہے، بھئی کہنے کو تو یہ الفاظ مجھے نہیں کہنے چاہئیں کیونکہ رات خاصی ہو چکی ہے لیکن معاملہ ہی اتنا دلچسپ ہے اگر تم لوگوں نے صورت حال کا بھرپور جائزہ نہ لیا تو پھر بات مشکل ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے اس فائل پر پہلے نگاہ ڈالتے ہیں۔ شہاب نے کہا اور فائل اس دوران مرزا جواد بیگ کی طلبی پر اس کے دفتر کے کلرک نے خصوصی طور پر دفتر کھول کر نکالا تھا اور گھر پر دے گیا تھا اور اب یہ فائل ان لوگوں کی تحویل میں تھا اور مرزا جواد بیگ نے بخوشی اسے ان لوگوں کے حوالے کر دیا تھا، چنانچہ چائے کے دوران تیز روشنی کا انتظام کیا گیا اور اس کے بعد شاکو یا شاکر خان کے فائل پر نگاہ دوڑائی گئی۔ سب سے پہلے ایف آئی آر کی نقل موجود تھی۔ ایف آئی آر ارمان شاہ ولد رحیم شاہ کی طرف سے درج کرائی گئی تھی جس میں دو افراد کے قتل کی اطلاع پولیس آفیسر کو دی گئی تھی اور دو افراد میں سے ایک شاکر خان کی بیوی اور دوسری اس کی بھاوج تھی، جن کے نام فرزانہ اور فریدہ درج کئے گئے تھے۔ ان دونوں کا قتل ارمان شاہ کی کوٹھی کے سرونٹ کوارٹر میں ہوا تھا اور ان کا قاتل فرزانہ کا شوہر شاکر خان قرار دیا گیا تھا۔ یہ ایف آئی آر ارمان شاہ کی طرف سے تھی اور اس کے بعد پولیس کی تحقیقات، پولیس آفیسر نے شاکر خان کو حویلی سے ہی گرفتار کیا تھا۔ شاکر خان قطعی اس کیفیت میں

نہیں تھا جس سے یہ احساس ہو کہ وہ فرار ہونا چاہتا ہے۔ وہ شدید غمزدہ تھا اور گرفتاری کے وقت بھی اس نے رو رو کر کہا تھا، ارے اسے اپنی بیوی اور بھاوج کی تدفین میں تو شرکت کر لینے دو...... وہ ان کا قاتل ہے ہی نہیں، کسی بے درد نے ان کی عزت لوٹ کر انہیں قتل کر دیا ہے...... وہ قاتل نہیں ہے بعد میں شاکر خان پر مقدمہ چلا تھا اور اس نے ہر بار یہی کہا تھا کہ ایسا تو وہ کر ہی نہیں سکتا...... وہ سب کچھ نہیں کر سکتا...... بہر حال اس کے بعد شاکر خان کو سزا ہو گئی تھی اور اس نے دھمکیاں دی تھیں کہ وہ ان لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا جنہوں نے اس کی بیوی اور بھاوج کو قتل کیا ہے اور اسے ایک بے گناہ آدمی ہوتے ہوئے مجرم قرار دلوایا ہے۔ اس میں کوئی اور خاص بات نہیں تھی۔ اس شخص کا تذکرہ تھا جس کے ساتھ ان دونوں خواتین کے تعلقات کا تذکرہ کیا گیا تھا لیکن فرزندہ اسی وقت سے غائب تھا۔ پولیس نے فرزندہ کی تلاش کے لئے بار بار کوشش کی تھی، لیکن فرزندہ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا، حالانکہ وہ بھی بستی رحمان گڑھی ہی کا رہنے والا تھا...... اس کے اہل خاندان بھی تھے جو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکے تھے۔ اس کے چھوٹے بھائی کو گرفتار کر کے تحویل میں رکھا گیا تھا اور پولیس نے اس چھوٹے بھائی کے ذریعے اس کے خاندان کے کئی گھروں پر چھاپہ مارا تھا جو قریبی رشتے دار تھے لیکن فرزندہ کہیں سے گرفتار نہیں ہوا تھا۔ بہر حال فرزندہ کا معاملہ جو کچھ بھی تھا لیکن چونکہ قاتل شاکر خان عرف شاکو تھا اس لئے شاکر خان ہی کے خلاف مقدمہ قائم ہوا تھا۔ یہ مختصر تفصیل تھی اور اس تفصیل کو پڑھنے کے بعد عدنان واسطی نے کہا۔

"واقعات عام واقعات ہیں اور اس قسم کے کیسز ہوتے رہتے ہیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ عام طور پر اس طرح کے لوگ اپنا جرم تسلیم کر لیتے ہیں...... ایک شخص اگر غیرت کے عالم میں اپنی بیوی اور بھاوج کو قتل کر دیتا ہے تو وہ اس قتل کا بخوشی اعتراف بھی کر لیتا ہے۔ یہ ایک انوکھا جذبہ ہے جو اس کے اندر پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ غیرت مند کی غیرت کبھی نہیں مرتی لیکن وہ تو سرے سے ہی یہ بات ماننے کو تیار نہیں ہے کہ اس کی بیوی اور بھاوج بدچلن تھیں اور انہیں اس نے خود قتل کیا ہے۔ وہ تو مسلسل یہی کہتا رہا تھا کہ اسے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔" شہاب خاموشی کے ساتھ عدنان واسطی کی شکل دیکھ رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

"واسطی صاحب اب ایک اور اہم مسئلہ ہے۔"

"کیا۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس ناکام حملے کے بعد شاکو خاموش ہو کر بیٹھ جائے گا۔ وہ یقینی طور پر ارمان شاہ کی طرف بھی رخ کرے گا۔"

"ہاں اصولی طور پر اسے کرنا تو چاہئے۔"

"کیا ہم اپنے اس کام کا آغاز ارمان شاہ کی حویلی سے نہیں کر سکتے۔" واسطی صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے اور پھر بولے۔"

"کیا تم اس سلسلے میں واقعی سنجیدگی سے کچھ کرنا چاہتے ہو؟"

"دو باتیں ہیں...... پہلی بات تو یہ کہ ایک شخص اپنے آپ کو بے گناہ کہتا ہے، کون جانے وہ بے گناہ ہی ہو اگر کوئی بے گناہ زندگی کے اس عذاب میں گرفتار ہے تو ویسے بھی ہم پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم تھوڑی سی کوشش کریں کیونکہ یہ ہمارا پروفیشن ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔"

"اس کے علاوہ جس طرح سے ارمان شاہ کے بارے میں ہمیں معلومات حاصل ہوئی ہیں اگر وہ واقعی ایک سیدھا سچا انسان ہے اور اس کی زندگی خطرے میں ہے تو پھر یہ بھی ہم پر لازم ہے کہ ارمان شاہ کی زندگی بچانے کی کوشش کریں۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہو۔"

"تو اس سلسلے میں جہاں تک میرا خیال ہے ہمیں ارمان شاہ کے گھر سے آغاز کرنا چاہئے اور تم یوں کرو بینا کہ اس کے لئے تیاریاں کرو، اگر ہو سکا تو ہم دونوں ہی وہاں چلیں گے۔" بینا نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور بولی۔

"خدا کا شکر ہے کفر تو ٹوٹا۔"

"کیا مطلب۔"

"مجھے تو آپ نے نکال کر پھینک دیا تھا جیسے دودھ میں سے مکھی نکال کر پھینکی جاتی ہے۔"

"میں نے کسی کو دودھ میں سے مکھی نکال کر پھینکتے ہوئے نہیں دیکھا، اس لئے اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں، ہاں جہاں تک کسی معاملے میں تمہاری شمولیت کا معاملہ ہے تو وہ ایک الگ صورت حال ہے اور اب بھی مجھے اس کے لئے ذرائع پیدا کرنے پڑیں گے اور اس قسم کے حالات اختیار کرنا ہوں گے جس سے بہر حال اس کیس میں تمہاری شمولیت لازمی

قرار پا جائے۔"

"اچھا جناب گویا اب آپ ہمارے لئے یہ انتظامات کریں گے، خود ہماری اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے۔"

"یہ تو واسطی صاحب بتا سکیں گے کہ تمہاری اپنی کیا حیثیت سے ان معاملات میں۔" شہاب نے کہا اور واسطی صاحب ہنسنے لگے اور پھر بولے۔

"بھئی تم لوگ مجھے اپنی ان باتوں میں نہ گھسیٹو، دل تو میرا بھی چاہتا ہے کہ اس قسم کی تفتیش میں حصہ لوں لیکن جانتا ہوں ایسا نہیں کر سکتا۔ ویسے ایک بات بتاؤ شہاب تمہارے خیال میں کیا مرزا جواد بیگ مسلسل خطرے میں نہیں ہے۔"

"سو فیصدی ہے۔"

"تو کیا اس کے تحفظ کے لئے۔"

"اصولی طور پر دو ہی باتیں ہیں یا تو پھر وہ اپنے تحفظ کے لئے درخواست دے اور پولیس فورس حاصل کرے لیکن اس سلسلے میں میرا خیال ہے اس نے اچھی خاصی گارڈ جمع کر لی ہے چاہے یہ وہی لوگ کیوں نہ ہوں جو کرائے پر یہ فرائض سر انجام دیتے ہیں، لیکن بہر حال وہ مرزا جواد بیگ کے ارد گرد پھیلے ہوئے ہیں، پھر دوسری بات یہ ہے کہ وہ یہاں سے نکلنے کا پکا ارادہ کر چکا ہے اور میرے خیال میں اس کے حق میں یہی بہتر ہے۔"

"کہیں ایسا نہ ہو کہ نکلنے سے پہلے وہ کسی مشکل کا شکار ہو جائے۔"

"اس سلسلے میں ہم ذاتی طور پر کچھ نہیں کر سکتے۔"

شہاب نے پتھریلے لہجے میں کہا اور واسطی صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے، پھر آہستہ سے بولے۔

"میں جانتا ہوں جو کام تم مناسب سمجھو گے وہی کرو گے، بہر حال میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"کیا خیال ہے بینا چلیں۔"

"ہاں...... میرا خیال ہے چلنا چاہئے ویسے بھی رات اچھی خاصی ہو چکی ہے۔" اور پھر اس کے بعد شہاب اور بینا اپنی کار میں بیٹھ کر چل پڑے...... اپنے بیڈ روم میں پہنچنے کے بعد لباس وغیرہ تبدیل کئے گئے اور پھر بینا نے شہاب کے بازو پر سر رکھتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی اتفاق کی بات یہ ہے کہ ہمارا تعلق ایک ایسے شعبے سے ہے جس میں اگر ذہن پر رومان بھی سوار ہو تب بھی کسی نہ کسی قتل، کسی نہ کسی ڈاکے، کسی نہ کسی چوری کی بات بن جاتی ہے، البتہ ایک عورت کی حیثیت سے مجھ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ میں جناب کے بارے میں معلومات حاصل کر لوں۔"

"وہ معلومات کیسی ہیں۔" شہاب نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔

"میرا مطلب ہے آنکھوں میں جو سرخی لہرا رہی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو سکون کی نیند سونے دیا جائے۔"

"جی نہیں...... اس سرخی کے بارے میں آپ کا اندازہ غلط ہے۔" شہاب نے بدستور شرارت آمیز لہجے میں کہا اور بینا کے چہرے پر شرم کے تاثرات پھیل گئے، تب شہاب سنجیدہ ہو کر بولا۔

"اچھا تم یہ بتاؤ کہ تنہائی میں تمہیں ریما کے ساتھ جو موقعہ ملا اس میں تم نے اس سے کیا معلومات حاصل کیں۔"

"نہایت حیرت انگیز اور اگر غور کیا جائے تو بہت ہی افسوس ناک۔" بینا نے جواب دیا اور شہاب اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔ وہ سوالی نگاہوں سے بینا کی طرف دیکھ رہا تھا، چند لمحوں کے بعد بینا نے ریما کی کہانی سنانا شروع کر دی، اس نے شہاب کو مکمل تفصیل بتائی اور شہاب کے چہرے پر تھوڑے سے افسوس کے تاثرات پیدا ہو گئے، پھر وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"ہاں بینا زندگی کبھی کبھی اتنا ہی بڑا بوجھ بن جاتی ہے انسان پر...... کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کس کے سینے میں کتنے کتنے دکھ چھپے ہوئے ہیں...... تم نے واقعی مجھے افسردہ کر دیا اور بہر حال یہ اندازہ تمہیں ہو گیا اور مجھے بھی کہ اس کے لئے مرزا جواد بیگ کی زندگی کتنی ضروری ہے۔"

"میں نے اسے بالکل صحیح مشورہ دیا کیونکہ بہر حال شاکو جیسے دیوانے آسانی سے کسی کا پیچھا نہیں چھوڑتے، ویسے شہاب واقعی یہ بتاؤ کہ کیا پروگرام ہے...... کیا تم وہاں جاؤ گے۔"

"رحمان گڑھی۔"

"ہاں۔"

"ارادہ تو مکمل ہے۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلوں گی۔"

"ایک بات کہوں بینا محسوس تو نہیں کرو گی۔"

"نہیں...... بالکل نہیں کہو۔"

"اس وقت میں نے تذکرہ تو کر دیا تھا اس بات کا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ فوری طور پر تمہارا میرے ساتھ جانا مناسب نہیں ہے...... پہلے ذرا میں اس گڑھی کے حالات کا جائزہ تو لے لوں، کچھ عرصے پہلے بھی ایسے ہی رنگے سیار سے واسطہ پڑ چکا ہے یعنی ایک ایسے مکروہ شخص سے جس کی شخصیت بالکل مختلف تھی اور وہ کچھ کا کچھ نکلا تھا، بجائے اس کے کہ میں صحیح انداز میں کام کروں، تھوڑی سی پریشانی کا شکار ہوں گا...... میں چاہتا ہوں کہ ذرا حالات سے مکمل طور پر واقفیت حاصل کر کے پھر تمہیں وہاں بلالوں اور اگر معاملہ آسانی سے ختم ہو جائے تو پھر اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی، ویسے میرا خیال ہے کہ شاکو ارمان شاہ کی طرف ضرور جائے گا۔"

"تم جیسا مناسب سمجھو، مجھے صورت حال سے آگاہ رکھنا، کسی بھی مسئلے میں میں تمہاری ذمہ داریوں میں رخنہ اندازی کبھی نہیں کرنا چاہوں گی۔" بینا نے جواب دیا۔

پھر دوسرے دن شہاب نے نادر حیات صاحب سے ملاقات کی۔ نادر حیات صاحب نے اپنے آفس میں مسکراتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا تھا۔

"جناب شہاب ثاقب صاحب فرمائیے کیسے جا رہے ہیں آپ کے آج کل کے حالات۔"

"آپ مجھے جس محبت سے مخاطب کرتے ہیں، ڈی آئی جی صاحب میرے پاس اس کے جواب میں کچھ بھی نہیں ہے۔"

"چلو پھر ہم کچھ جذباتی قسم کے ڈائیلاگ بول دیتے ہیں، میری طرف سے ان کا آغاز یوں ہوتا ہے کہ ہر شخص دلوں میں اپنا مقام خود بناتا ہے، کوئی مقام خود بخود پیدا نہیں ہو جاتا...... تم نے میرے دل میں اپنے لئے وہ جگہ بنائی ہے کہ میں تمہیں اس انداز میں مخاطب کرتا ہوں...... میرا خیال ہے کہ جذباتی ڈائیلاگ ختم ہو گئے، اب ہمیں کام کی باتوں کی جانب آنا چاہئے، کوئی ایسا مسئلہ تو نہیں ہے جس کے سلسلے میں تم مجھ سے مشورہ کرنا چاہو۔"

"جی ہاں ہے۔"

"بولو...... مجھے یقین تھا اصل میں اب میں بھی اپنے آپ کو کم از کم تجربہ کار کہہ سکتا

ہوں...... جب تم ایسے کسی مسئلے میں میرے پاس آتے ہو تو تمہاری پیشانی پر کچھ نشان ہوتے ہیں اور یہ نشان اس بات کا اظہار کر دیتے ہیں کہ تم یقینی طور پر مجھ سے کوئی اہم بات کرنا چاہتے ہو۔"

"یس سر...... ابھی کچھ دن قبل ایک کیس ہمارے ہاتھ میں آیا تھا اور خدا کے فضل و کرم سے حقیقتیں سامنے آنے کے بعد ہماری کوششوں اور کاوشوں سے اس بے گناہ کو آزادی مل گئی تھی جو واقعی بے گناہ تھا اور یہ سلسلہ مرزا جواد بیگ۔"

"بالکل سمجھ گیا ہوں...... ساری صورت حال سمجھ میں آگئی ہے بلکہ تھوڑا سا حیران تھا میں کہ ابھی تک اس سلسلے میں تم نے مجھ سے ملاقات کیوں نہیں کی، جبکہ بات تمہاری دلچسپی اور لائن کی تھی...... میری مراد شاکو سے ہے، ویسے ظاہر سی بات ہے کہ اب ہر مسئلے میں میں تمہیں یہ نہیں کہہ سکتا کہ کوئی بھی بات سامنے آئے تو شروع ہو جاؤ، البتہ جو کچھ ہوا تھا وہ بڑا سنسنی خیز تھا اور وہ بے چارے جو اس دن کی فائرنگ سے زخمی ہوئے ہیں ابھی تک ہسپتالوں میں زیر علاج ہیں...... اصولی طور پر کچھ ذمہ داریاں ہم پر بھی عائد ہو جاتی ہیں اور میں نے بہر حال احکامات جاری کر دیئے ہیں، لیکن براہ راست اس پیمانے پر کام شروع کرنے کا کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا، شاکو کی ہر ممکن جگہ تلاش کی جا رہی ہے اور مجھے اس سلسلے میں رپورٹیں بھی موصول ہو رہی ہیں...... مثلاً وہ بچی جو شاکو کے بھائی کی تھی یہ نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے، اگر ہمیں اس بارے میں معلومات حاصل ہو جائیں تو ہو سکتا ہے کہ شاکو کی تلاش میں کچھ آسانی ہو جائے، ویسے بھی وہ ایک مفرور مجرم ہے اور اس کی گرفتاری بے حد ضروری ہے۔"

"میں نے سنا ہے کہ جج اشتیاق حسین صاحب کو بھی اس نے دھمکی دی تھی۔"

ہاں لیکن یہ بات شاید تمہارے علم میں آچکی ہو کہ۔

"جی ہاں مجھے علم ہو چکا ہے کہ اشتیاق حسین صاحب اب اس دُنیا میں نہیں ہیں۔"

"تیسرا آدمی ارمان شاہ ہے۔"

"اس شخص کے بارے میں آپ کے پاس کیا رپورٹ ہے۔"

"اصل میں بستی رحمان گڑھی اتنی چھوٹی سی جگہ ہے کہ وہاں کے بارے میں رپورٹیں حاصل ہونا کوئی آسان بات نہیں ہے...... ارمان شاہ نے ان دنوں اپنی حویلی میں ہونے والے اس دوہرے قتل کے سلسلے میں تھوڑی سی بھاگ دوڑ کی تھی۔ پولیس سے تعاون بھی کیا

تھا...... پولیس بھی وہاں پہنچی تھی، لیکن وہاں ذرائع بہت خراب تھے، پھر بھی احتیاطاً میں
اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے چار پولیس افسر وہاں بھیج دیئے ہیں اور وہ ارمان شاہ سے
ملاقات کر کے اس سلسلے میں گفتگو کرنے گئے ہیں، بعد میں وہ مجھے جواب دیں گے کہ ارمان
شاہ کیا چاہتا ہے...... شاکو کے فرار کا علم تو اسے ہو جائے گا، اب اگر اس نے ہم سے کوئی
مانگی تو پھر دیکھیں گے کہ کیا کیا جا سکتا ہے، ویسے تمہارا اپنا کیا خیال ہے۔"

"میں اس سلسلے میں کام شروع کرنا چاہتا ہوں۔"

"خدا کی قسم شوق سے شروع کر دو، تمہارے مطلب کا کام ہے...... اُلجھا ہوا کیس ہے
خصوصاً اس لئے کہ شاکو نے اعتراف جرم نہیں کیا تھا بلکہ آخر تک یہی کہتا رہا تھا کہ اس کی
بیوی اور بھاوج بے گناہ تھیں۔ وہ اعلیٰ کردار کی مالک تھیں اور ان سے اس قسم کی برائی کی توقع
نہیں کی جا سکتی، اس کے علاوہ وہ شخص بھی مفرور ہے جس سے ان دونوں کو منسوب کیا گیا
ہے...... ہمارے پاس اس قدر واضح ثبوت بھی نہیں تھے کہ شاکو کو یقینی طور پر قاتل سمجھا
جاتا اور یہی وجہ تھی کہ جج اشتیاق حسین صاحب نے اسے سزائے موت نہیں دی۔" شہاب
کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے آہستہ سے کہا۔

"اسے شاید یہ سزا ہی نہ ہوتی، اگر وہ کوئی غریب آدمی نہ ہوتا یا اس کے خلاف گواہی
دینے والی شخصیت ایک بستی کی مالک نہ ہوتی۔" نادر حیات صاحب نے آنکھیں بند کر کے
گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اور اب طویل عرصے سے مجھے تمہاری باتوں سے اختلاف نہیں رہا ہے اور میں تسلیم
کرتا رہا ہوں کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ سچائیوں پر مبنی ہوتا ہے...... بہر حال ہم اس سلسلے میں
بالکل تلخ نہیں ہوں گے۔ اب مجھے بتاؤ کیا چاہتے ہو۔"

"مجھے رحمان گڑھی روانہ ہونا ہے اور بہتر ہے آپ اس سلسلے میں وہاں سے رابطہ قائم
کریں اور مجھے وہاں تک پہنچا دیں۔"

"یہ بتاؤ کیا اپنے طور پر ارمان شاہ کے علم میں ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے آنا پسند
کرو گے۔" نادر حیات صاحب کے سوال پر شہاب سوچ میں ڈوب گیا تھا اور بہت دیر تک اس
بات کا کوئی جواب نہیں دے سکا تھا، پھر اس نے کہا۔

"میرا خیال ہے مجھے ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے نہیں بلکہ کسی بھی شکل میں ایک

آدمی کی حیثیت سے وہاں پہنچنا چاہئے...... اب یہ الگ بات ہے کہ اس کے لئے میرے
پاس اب تک کوئی لائحہ عمل نہیں ہے۔" نادر حیات صاحب بھی سوچ میں ڈوبے رہے......
پھر انہوں نے کہا۔

"بہر حال جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ وہاں یہ اطلاع تو پہنچا ہی دی گئی ہے کہ شاکو
فرار ہو گیا ہے اور اپنا قول نبھانے کی فکر میں ہے، ممکن ہے تم اگر وہاں کسی اور حیثیت سے جاؤ
تو تمہیں مشکلات پیش آئیں...... میرے اپنے خیال میں میں خود اس سلسلے میں ارمان شاہ سے
ٹیلی فون پر بات کئے لیتا ہوں...... اس کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہیں تھا، چنانچہ شہاب نے
اس بات پر آمادگی کا اظہار کر دیا اور نادر حیات صاحب نے اپنی انڈکس میں نمبر تلاش کر کے
رحمان گڑھی کا نمبر ڈائل کیا، تھوڑی دیر کی کوشش کے بعد دوسری طرف رابطہ قائم ہو گیا
تھا، بولنے والی کوئی خاتون تھی...... نادر حیات صاحب نے کہا۔

"میں ارمان شاہ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں، دارالحکومت سے پولیس آفیسر بول رہا ہوں۔"

"انتظار کیجئے صاحب ابھی اطلاع دی جاتی ہے۔"

دوسری جانب سے آنے والی آواز بڑی شستہ تھی...... نادر حیات صاحب نے پوچھا۔

"جو پولیس آفیسر وہاں تحقیقات اور حفاظت کے لئے آئے ہیں کیا وہ موجود ہیں یا واپس
چلے گئے۔"

"میرے علم میں نہیں ہے...... آپ براہ کرم چند لمحوں کا توقف کر لیں۔"

"ٹھیک ہے...... میں انتظار کر رہا ہوں۔" پھر کچھ لمحوں کے بعد ایک آواز سنائی دی۔

"میں ارمان شاہ بول رہا ہوں...... آپ کون صاحب ہیں۔"

"اوہو شاہ صاحب میں انسپکٹر جنرل نادر حیات بول رہا ہوں۔" دوسری طرف ایک لمحے
کے لئے خاموشی طاری ہو گئی تھی، پھر کہا گیا۔

"آپ لوگ جس طرح میری زندگی سے دلچسپی لے رہے ہیں میں خود کو اس کا اہل تو
نہیں سمجھتا...... اس کے علاوہ میرا نظریہ حیات بھی ذرا مختلف ہے...... میں زندگی کو خدا کی
امانت سمجھتا ہوں، مل جائے تو ٹھیک ہے، واپسی ہو جائے تو جس کی امانت وہ جانے...... تاہم
اگر پولیس اس سلسلے میں کوششیں کر رہی ہے تو میں قانون کا راستہ تو نہیں روک سکتا...... چار
افسر آئے تھے، کہنے لگے ارمان شاہ صاحب ہم آپ کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں، میں نے کہا میاں

جاؤ کسی بڑے آدمی کا تحفظ کرو...... میں تو فقیر منش ہوں اور دوسرے زندگی اتنی قیمتی نہیں ہے، جس طرح لکھی ہے اس طرح آجائے گی...... ضد کرنے لگے مگر میں نے انہیں منع کر دیا، چلے گئے ہیں ابھی تھوڑی دیر پہلے...... کیا اس سلسلے میں کوئی بات ہے۔"

"نہیں شاہ صاحب پھر بھی پولیس کے کچھ فرائض تو ہوتے ہیں نا...... آپ بے شک اپنی حویلی میں پولیس کی وردی کو پسند نہیں کرتے ہوں گے، کوئی بھی پسند نہیں کرتا تو میں ایک آدھ سادہ لباس آدمی وہاں لگانا چاہتا ہوں...... دیکھئے نا ہم شاکو کو دوبارہ گرفتار کرنا چاہتے ہیں...... شاید آپ کو اس بات کا علم نہ ہو کہ اس نے وکیل جواد بیگ پر قاتلانہ حملہ کیا ہے...... ہر چند کہ وہ کامیاب نہیں ہو سکا لیکن پھر بھی ہماری خواہش ہے کہ ہم اسے جلد از جلد گرفتار کرلیں۔"

"اگر ایک سادہ لباس والا وہاں آرہا ہے تو بھلا وہ اسے کیسے روک لے گا۔"

"آپ کے علم میں ہے کہ شاکو کوئی باقاعدہ مجرم نہیں ہے، بس جذباتی طور پر اس نے اپنی بیوی اور بھاوج کو قتل کر دیا، مجبوری تھی اس کی، جو آدمی ہم بھیج رہے ہیں وہ صرف حالات پر نگاہ رکھے گا، بہت اچھا آدمی ہے آپ اس کی طرف سے بالکل بے فکر رہیں، کسی بھی شکل میں آپ کے ذاتی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا اور آپ کے احکامات کا پابند رہے گا۔"

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے آپ بھیج دیجئے...... آپ کے مہمان کے طور پر ہم اس کی عزت افزائی کریں گے۔"

"بہت بہت شکریہ، وہ بہت جلد آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔"

"ایک بات سن لیجئے۔"

"جی فرمائیے۔"

"اپنے کارڈ پر لکھ کر بھیج دیجئے گا کہ یہ میرا آدمی ہے...... سرکاری کارڈ ہونا چاہئے تاکہ میں صحیح آدمی کو پہچان سکوں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی غلط بندہ یہاں پہنچ جائے اور اس بیچارے کو کوئی مشکل پیش آئے۔"

"نہیں آپ فکر نہ کیجئے، نادر حیات صاحب نے شہاب کو دیکھا تھا۔"

"کہو...... کیوں ٹھیک ہے۔"

"بالکل۔" بعد میں شہاب نے تمام تر کارروائیاں کی تھیں...... بینا سے رابطے کے لئے یہی انتظامات کئے گئے تھے اور یہ سب کچھ مشکل نہیں تھا...... ایک چھوٹا سا کٹ بیگ بنایا تھا اور اس میں جو کچھ موجود تھا وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتا تھا، بینا نے بہت سی ہدایتیں کی تھیں اور شہاب مسکراتا ہوا اس سے رخصت ہو گیا تھا...... اس سلسلے میں تمام تر معلومات حاصل کر لی گئی تھیں، ایک ٹرین اس راستے سے گزرتی تھی، اس کے بعد رحمان گڑھی کی جانب سفر کیا جاتا تھا، عام طور پر سنا یہ گیا تھا کہ رحمان گڑھی پہنچنے کے لئے وہاں کے رہنے والے بیل گاڑیاں استعمال کرتے ہیں اور دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے، تانگے وغیرہ تک نہیں چلتے بہر حال ایک دلچسپ سفر تھا...... شہاب کو ماضی کی بہت سی ایسی داستانیں یاد آرہی تھیں جن میں اس نے اس طرح کے سفر کئے تھے اور خاصا لطف اندوز ہوا تھا، کچھ میں تو بینا بھی ساتھ ہوا کرتی تھی اور وہ بھی اس وقت جب اس کی شہاب سے شادی نہیں ہوئی تھی...... بہر حال ٹرین کے سفر کا آغاز ہو گیا اور پھر تھوڑا سا سفر طے کرنے کے بعد وہ اس چھوٹے سے اسٹیشن پر اتر گیا جسے اسٹیشن نہیں کہا جا سکتا تھا، بس گاڑی یہاں کچھ وقت کے لئے رکتی تھی، البتہ رحمان گڑھی کا اسٹیشن پیچھے ہی رہ گیا تھا اور یہاں سے شہاب کو مختلف ذرائع سے رحمان گڑھی جانا تھا، چھوٹے سے اسٹیشن سے باہر نکلنے کے بعد اس نے صورت حال کا جائزہ لیا، بے چارے سادہ لوح دیہاتی کاندھے پر گٹھڑیاں رکھے پیدل سفر کر رہے تھے...... شہاب خود ہی ان لوگوں کے نزدیک پہنچ گیا، پھر ایک آدمی سے اس نے رحمان گڑھی کے بارے میں پوچھ ہی ڈالا۔

"بابا جی مجھے رحمان گڑھی جانا ہے...... کیا طریقہ اختیار کروں۔"

"کون ہو بھئی، کیوں جا رہے ہو رحمان گڑھی، شکل سے تو پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو۔"

"تو کیا کسی پڑھے لکھے آدمی کو رحمان گڑھی نہیں جانا چاہئے۔"

"ایسی بات نہیں ہے...... اصل میں تم جیسے اچھی شکل وصورت کے بندے اگر رحمان گڑھی جاتے ہیں تو ارمان شاہ صاحب کے مہمان ہوتے ہیں اور جو ارمان شاہ صاحب کا مہمان ہوتا ہے اس کے لئے بگھی آتی ہے...... کبھی کبھی موٹر گاڑی بھی آجاتی ہے، اگر تم ارمان شاہ صاحب کے مہمان نہیں ہو تو پھر کون ہو اور وہاں کیوں جانا چاہتے ہو۔"

"سوال تو آپ کا بالکل صحیح ہے بابا جی، اصل میں میں ایک ایسا آدمی ہوں جسے دیہات

دیکھنے کا شوق ہے...... جگہ جگہ دیہاتوں میں جاتا رہتا ہوں اور گاؤں کا ماحول دیکھتا ہوں، اس پر کتابیں لکھتا ہوں...... یہ ہے میرا کام۔"

"لو...... کتابیں لکھنے والے ہو...... ارے ہم بھی کوئی جاہل نہیں ہیں۔ کئی کتابیں پڑھی ہیں ہم نے، ہمارا نام الیاس خان ہے اور ہم سبزی کا کاروبار کرتے ہیں...... وہ دیکھو، چھکڑا کھڑا ہوا ہے۔ تم بھی کیا یاد کرو گے کہ کسی الیاس خان سے واسطہ پڑا تھا۔"

"تو کیا آپ بھی رحمان گڑھی ہی جا رہے ہیں۔"

"صرف رحمان گڑھی ہی نہیں جا رہے بلکہ اب تم ٹھہرو گے بھی ہمارے ہاں...... سمجھے۔"

"بہت بہت شکریہ...... پھر آیئے مگر آپ تو ریل سے آ رہے ہیں۔"

"ہاں...... کچھ سامان لینے گئے تھے...... شہری آبادی سے، اب یہاں سے اپنا چھکڑا لیں گے اور جائیں گے۔"

"تو چھکڑے کو آپ یہیں چھوڑ گئے تھے کیا۔"

"لو تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے...... بیلوں کے لئے چارہ ڈال گئے تھے، بات وہیں ختم ہو گئی اور کیا چاہئے تھا۔"

"کیا یہاں آپ کا چھکڑا کوئی چوری نہیں کر سکتا تھا۔"

"ارے توبہ کرو...... توبہ...... چوری ہوتی ہے بیٹا شہروں میں، بستی کے بڑے بڑے لوگ چور ہوتے ہیں...... ان دیہاتوں میں چور کہاں سے آئے۔" پھر شہاب دو بیلوں والے چھکڑے میں بیٹھ کر چل پڑا تھا اور یہ سفر اس کو بہت زیادہ مزیدار لگ رہا تھا...... الیاس خان بہت زیادہ باتونی تھا اور بہت سی باتیں کرتا جا رہا تھا اور شہاب کو بھی گفتگو میں خاصا لطف آ رہا تھا...... الیاس خان نے کہا۔

"گھر تو ہے ہمارا چھوٹا سا پر موسم خراب نہیں ہے...... باہر برآمدے میں چارپائی ڈال دیں گے اور چادر دے دیں گے تمہیں، آرام سے رہنا جب تک دل چاہے اور خوب کتابیں لکھنا...... ویسے جگہ بہت بڑھیا ہے بیٹا۔"

"سنا ہے وہاں کے سب سے بڑے زمیندار ارمان شاہ صاحب ہیں۔"

"لو سب سے بڑے یا چھوٹے کیا، زمیندار ہی کی ارمان شاہ صاحب، رحمان گڑھی کی

یہ ایک ایک گھر جو ہے نا سب ان کی اپنی ملکیت ہے، انہی کی زمینوں پر لوگوں نے بستی آباد کی ہے...... اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے رحیم شاہ صاحب کو، بستی کے رہنے والے تو انہیں گھروں کی زمین کا معاوضہ دینا چاہتے تھے، مگر رحیم شاہ صاحب کہنے لگے...... ارے بھائیو اکیلے رہ کر میں کون سا اپنا مقبرہ بناؤں گا یہاں، تم سب کے ساتھ ہی زندگی گزرے گی میری بھی جیسی تم گزارو گے ویسی میں گزاروں گا اور بس بھائی جی، کیا نام ہے تمہارا۔"

"شہاب۔" شہاب نے جواب دیا۔

"اں تو وہی جو تمہارا نام ہے...... رحیم شاہ صاحب نے زمینیں لوگوں کو دے دیں اور لوگوں نے اپنے گھر بنائے، ویسے سنا تو یہ جاتا ہے کہ ولی کے ہاں شیطان اور شیطان کے ہاں ولی ہوتا ہے مگر یہاں بات دوسری ہے...... ولی کے ہاں ولی ہی ہوا ہے...... اب اپنے ارمان شاہ صاحب جی ہیں، کیا کہا جائے بس سمجھ لو پانچوں وقت کے نمازی ہیں، ایمانداری سے دنیا کا ہر کام کرتے ہیں، کیا مجال کہ بستی والوں کو کوئی شکایت ہو جائے۔"

"ہاں یہ تو ہے ویسے یہاں سیاحت، سیر و تفریح کے لئے کوئی جگہ ہے۔"

"نہیں صاحب جی، چھوٹی سی بستی ہے، چھوٹے چھوٹے لوگ رہتے ہیں...... سرائے وغیرہ بھی نہیں ہے، ویسے ایک بات ہم کہیں چھوٹی بستیوں میں ایک بڑی آسانی ہوتی ہے جو بڑی بستیوں میں نہیں ہوتی۔"

"وہ کیا۔"

"تم مسافر ہو اتر کر بستی تک پہنچ جاؤ، جس گھر کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو جاؤ گے اور اس سے کہو گے کہ باہر سے آئے ہوئے ہو بس وہ اپنے دل کے سارے دروازے تمہارے لئے کھول دے گا اور جھگڑا ہو گا اس بات پر کہ تم اس کے مہمان رہو گے یا کسی اور کے، ان بستیوں میں بس یہی محبت ہوتی ہے۔ ہم تو کئی بار شہروں میں بھی جا چکے ہیں، لوگ اپنے گھر کے دروازوں پر آرام کے لئے بیٹھنے بھی نہیں دیتے، ایک گلاس پانی کی ضرورت ہو تو پانی تک نہیں پلاتے، ایسا کیوں ہے آپ کے شہروں میں۔"

"پتا نہیں بابا جی مگر ویسے اگر شہر آتے اور میرے گھر کے دروازے تک پہنچ جاتے تو میں بھی آپ کو اسی عزت سے اپنے گھر میں جگہ دیتا۔"

"ہاں...... ہاں دُنیا میں سبھی برے تو نہیں ہوتے، اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں کیا سمجھے۔"

"بالکل، بالکل تو یہ ارمان شاہ صاحب بھی مجھے بہت اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"تو اور کیا کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی ان کے ہاتھوں، ویسے یہ ایک چھوٹی سی آبادی ہے بس کھیتی باڑی کر کے زندگی گزارتے ہیں یہ لوگ اور ایسی کوئی چیز بھی نہیں ہے جسے خاص طور سے دیکھا جائے، سیدھے سادے لوگ۔"

"ویسے ارمان شاہ صاحب کتنے عرصے سے یہاں رہتے ہیں۔"

"لو ہماری عمر کیا ہو گی ہمارے پرکھے تک یہیں رہتے تھے، یہی سارا خاندان چلا آرہا ہے اور یہیں عزت سے زندگی گزار رہا ہے، کوئی ایسی بات نہیں ہے جو یہاں کبھی ہوئی ہو سوائے ایک قصہ ہو گیا تھا بس اور پوری بستی میں کھلبلی مچ گئی تھی، اللہ بہتر جانے جی اصل بات کیا تھی۔"

"کیا قصہ ہو گیا تھا۔"

"چھوڑیں ایسی باتوں کو جی، بس جو ہوا اس کے بارے میں ارمان شاہ صاحب نے کہہ دیا تھا کہ کوئی تذکرہ نہ بنایا جائے، کوئی کسی سے اس موضوع پر بات نہ کرے اور شاہ جی اگر کوئی ایسی بات کہہ دیں تو کس کی مجال کہ اس بارے میں بات کرے۔"

"یعنی کوئی واقعہ ہو گیا تھا تو آپ لوگ اسے بتا بھی نہیں سکتے۔"

"شاہ جی نے جو منع کر دیا تھا ورنہ بتانے والی بات تو بتائی ہی جاتی ہے۔" شہاب کو احساس ہو گیا کہ مقامی لوگوں کے دلوں میں ارمان شاہ کے بارے میں کوئی برا تاثر نہیں ہے۔ بہر حال اس سے پہلے کچھ ایسے معاملات سامنے آئے تھے اور کچھ ایسے کیسز بھی سامنے آئے تھے جن میں بعض شخصیتیں ایسی نکلی تھیں جو بالکل نیگیٹو تھیں، لیکن انہوں نے اپنی بستی والوں کی زبانیں بند کر رکھی تھیں اور کوئی بھی ان کے بارے میں ایک لفظ بھی کہنے پر آمادہ نہیں تھا، لیکن الیاس خان کے لہجے اور آواز سے پتا چلتا تھا کہ کم از کم ارمان شاہ کے خلاف کوئی ایسا تصور نہیں ہے بلکہ لوگ اس کی عزت ہی کرتے ہیں...... بہر حال جو ہو گا وہ دیکھا جائے گا۔ ایک دلچسپ مرحلے کا آغاز ہو گیا تھا اور شہاب ایک بار پھر اپنی پسند کے کیس میں ملوث ہو گیا تھا اور اس سے اسے پوری دلچسپی تھی، دلچسپی تو خیر اس کیس سے بینا کو بھی ہو گی لیکن اس بار صورت حال ذرا مختلف تھی۔ ہاں، اگر کچھ ایسے ہی حالات ہوئے کہ بینا کو یہاں بلایا جاسکا تو

...نے دل میں سوچا تھا کہ اس سے اگریز نہیں کرے گا۔

...آخر کار بستی رحمان گڑھی آگئی...... راستے کچے اور ناہموار تھے۔ خوب گرد اُڑتی رہی ...اور شہاب بھوت بن گیا تھا، اسے اپنی کیفیت کا اندازہ ہو رہا تھا...... الیاس خان اسے اپنے ...لے آیا تھا۔ ایک غریب آدمی کا گھر جس انداز کا ہو سکتا تھا ایسا ہی گھر الیاس خان کا تھا ...بہر حال اس بے چارے نے اسے حتی الامکان سہولتیں فراہم کیں، تانبے کے ایک ...میں پانی، لکڑی کا بیٹھنے کا ایک تختہ اور صابن اور تولیہ اس کے حوالے کیا بہر حال شہاب ...کم از کم اس سلسلے میں بہت زیادہ دقت نہیں اٹھانی پڑی تھی، ورنہ چھوٹی سی بستی رحمان ...گڑھی میں ہو سکتا ہے اسے ابتداء میں دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا اور اگر براہ راست حویلی جاتا تو ...لازمی بات ہے ارمان شاہ پہلے سے ہوشیار ہو جاتا، حالانکہ نادر حیات صاحب نے ارمان شاہ کو ...اس سلسلے میں اطلاع دے دی تھی کہ ایک سرکاری آدمی آرہا ہے...... بہر حال ساری باتیں ...اپنی جگہ کم از کم الیاس خان کی مہمان نوازی سے شہاب بہت متاثر ہوا تھا...... الیاس خان نے ...اپنے کئے ہوئے وعدے کے مطابق اس کے لئے ایک چارپائی بھی ڈلوا دی، اسے زیادہ وقت ...نہیں گزرا تھا کہ اچانک ہی کچھ افراد وہاں پہنچ گئے، آنے والوں کے بارے میں اسے ایک لمحے ...میں اندازہ نہیں ہوا لیکن جب وہ سیدھے سادھے اس کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے تو شہاب ...حیرانی سے انہیں دیکھنے لگا، ان میں سے ایک نے کہا۔

"صاحب جی کیا آپ شہر سے آئے ہو۔" شہاب تعجب بھری نگاہوں سے انہیں دیکھنے ...لگا تو ان میں سے ایک نے کہا۔

"وہ جی ہم بڑے شاہ جی کے بھیجے ہوئے ہیں...... بڑے شاہ جی کو پتا چلا ہے کہ آپ ...یہاں آئے ہوئے ہو...... آپ سرکاری افسر ہو نا اور آپ کا نام شہاب الدین ہے۔" شہاب ...ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا...... اس کی آمد کا اتنی جلدی ارمان شاہ تک پہنچ جانا بہر حال ...ایک عجیب کام تھا، لیکن اسے جواب تو دینا ہی تھا۔

"ہاں۔"

"وہ صاحب جی تو آپ ہمارے ساتھ چلو جی، بڑے شاہ جی نے آپ کو بلایا ہے۔"

"میں اپنے میزبان سے اجازت لے لوں۔" لیکن میزبان پیچھے ہی کھڑا ہوا تھا...... ...الیاس خان مایوس لہجے میں بولا۔

"اور ایسا تو بہت سی بار ہو چکا ہے۔ بڑے شاہ جی کو وہ باتیں پتا چل جاتی ہیں جو کسی اور کو پتا نہیں ہوتیں، پھر سرکاری افسر کا یہاں آنا کیا چھپ سکتا تھا ان کی ذات سے، لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ہم تمہاری کوئی خدمت نہیں کر سکے، ویسے چلو بڑے شاہ جی کے مہمان کو یہاں تک لانے میں تو ہم نے اپنا کام سرانجام دے دیا۔" الیاس خان نے جیسے اپنے آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ بہر حال شہاب کو ان دونوں کے ساتھ جانا ہی پڑا لیکن وہ دلچسپی سے ان تمام معاملات کے بارے میں سوچ رہا تھا، اس کا مقصد ہے کہ ارمان شاہ کا نیٹ ورک بہت عمدگی سے کام کر رہا ہے اور بستی میں داخل ہونے والے کسی بھی نئے آدمی کے بارے میں اسے فوراً پتا چل جاتا ہے، ویسے بھی نادر حیات صاحب نے کم از کم اسے اس بات سے تو آگاہ کر دیا تھا کہ وہ ایک سرکاری افسر کو یہاں بھیج رہے ہیں، ہو سکتا ہے اس بعد کے سے ارمان شاہ نے ہر آنے والے کے بارے میں معلومات کے لئے کوئی طریقہ کار متعین کر دیا ہو، اب اس قدر تعجب کی بات بھی نہیں تھی، فاصلہ زیادہ نہیں تھا، ارمان شاہ کی حویلی شہاب کی توقع کے مطابق ہی تھی۔ اصل میں ارمان شاہ کے لئے شہاب کے دل میں یہ تمام خدشات اور تصورات اور شاکو کے فرار ہونے کے بعد اس کا جواد بیگ پر قاتلانہ حملہ اور اس کا پس منظر شہاب کے لئے ایسے واقعات نئے نہیں تھے۔ یہ صاحب ثروت لوگ اس قسم کے گھناؤنے کھیل کھیلتے رہتے ہیں، پس منظر میں سو فیصدی ہی نکلتے ہیں اور انہوں نے اپنے گرد تحفظ کے اتنے جال بنے ہوئے ہوتے ہیں کہ کوئی بھی ان جالوں کے اندر داخل ہونے کی جرات نہیں کر سکتا یا کرے بھی تو اسے کامیابی حاصل نہیں ہوتی، زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا ایسے ہی ایک پہنچے ہوئے شاہ جی سے پہلے بھی شہاب کا واسطہ پڑ چکا تھا اور وہ شخص اتنی گھناؤنی شخصیت کا مالک نکلا تھا کہ شہاب آج تک اس کے تصور سے ذہن کو آزاد نہیں کر سکا تھا اور اس سے پہلے بھی ایسے بہت سے کیس اس کے پاس آ چکے تھے جن میں اسی قسم کے لوگ ملوث نکلے تھے۔ بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ ابھی کسی فیصلہ کن مرحلے پر پہنچنا شہاب کے لئے ممکن نہیں تھا، آنے والے دونوں آدمی لباس تو سادہ ہی پہنے ہوئے تھے، لیکن چہروں سے اچھے خاصے نظر آتے تھے، ان کے چہروں پر جہالت نہیں تھی، پھر حویلی کے دروازے سے اندر داخل ہونے کے بعد وہ شہاب کو مین حویلی کی جانب لے جانے کی بجائے انیکسی کی طرف لے چلے، یہ انیکسی اصل کوٹھی سے بائیں سمت بنی ہوئی اچھی خاصی عمارت تھی اور یہاں جس

نے شہاب کا استقبال کیا یہ کالی سفید داڑھی والا کسی قدر بھاری جسم کا آدمی تھا جس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ایک خوش اخلاق اور نفیس انسان ہے، آگے بڑھ کر شہاب سے ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔

"میرا نام اخلاق احمد ہے، یہاں حویلی میں یوں سمجھ لیں آپ کے منیجر کی حیثیت رکھتا ہوں، بڑے شاہ جی مجھ پر بڑا اعتبار کرتے ہیں اور آنے والے مہمانوں کی ذمہ داری بھی میرے ہی سپرد ہوتی ہے، بھائی...... میرے بارے میں تو آپ جان چکے آپ کے بارے میں مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ آپ کا نام شہاب ثاقب ہے، دارالحکومت سے آئے ہیں اور سرکاری افسر ہیں۔"

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی اخلاق احمد صاحب اور اب کیونکہ آپ نے میرا استقبال کیا ہے اس لئے آگے بتائیے مجھے کیا کرنا ہے۔"

"اندر آ جائیے...... اصل میں ہر نئے آنے والے کے بارے میں جس کی خاص طور سے ہدایت ملی ہو ہم اپنے ذہن میں ایک خاکہ بنا لیتے ہیں۔ بعض اوقات یہ خاکے بالکل مختلف نکلتے ہیں...... آپ آئیے، بعد میں آپ سے باتیں ہوں گی، کپڑے وغیرہ تو بہت خراب ہو رہے ہیں آپ کے۔"

"یہ بات آپ کو کیسے پتا چلی کہ میں الیاس خان کے گھر پر ہوں۔"

"بڑے شاہ جی نے بتایا تھا، کہا تھا ہمارا مہمان بھٹک کر بستی کے ایک اور آدمی کے گھر پہنچ گیا ہے...... ذرا دیکھو اسے جا کر۔"

"بڑے شاہ جی کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی۔"

"اللہ بہتر جانتا ہے...... مجھ سے یہ سوال نہ کریں تو اچھا ہے۔" اخلاق احمد کے چہرے پر ایک دم سنجیدگی طاری ہو گئی تھی، ویسے بھی وہ ایک دیندار آدمی معلوم ہوتا تھا، پیشانی پر نماز کا نشان موجود تھا...... بہر حال انیکسی کے ایک کمرے میں مجھے پہنچا دیا گیا اور اخلاق احمد صاحب نے کہا۔

"شہاب میاں فی الحال آپ کو یہیں آرام کرنا ہو گا، وہ غسل خانہ ہے نہا دھو کر کپڑے بدل لیجئے اور یہ بتائیے کہ آپ کی کیا خدمت کی جائے۔"

"اصل میں الیاس خان نے جو خدمت کر لی ہے اس کے بعد مزید کسی شے کی ضرورت

نہیں۔۔۔۔۔۔ہاں، اگر آپ نہانے کی بات کرتے ہیں تو وہ ٹھیک ہے نہائے لیتا ہوں کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور پھر اپنے ساتھ لائے ہوئے بیگ سے ایک جوڑا نکال کر غسل خانے میں داخل ہو گیا۔ جب نہا دھو کر واپس نکلا تو سینٹرل ٹیبل پر ناشتا لگا ہوا تھا۔۔۔۔۔۔ایک خاتون وہاں بیٹھی ہوئی تھیں، اخلاق احمد صاحب بھی موجود تھے، خاتون کی عمر تقریباً چالیس پینتالیس سال ہو گی، بہت اچھے نقوش تھے نوجوانی کے زمانے میں خاصی دلکش شخصیت کی مالک رہی ہوں گی، مسکراتی ہوئی کھڑی ہو گئیں، اخلاق احمد صاحب کہنے لگے۔

''بیٹھئے شہاب صاحب۔۔۔۔۔۔ دل تو چاہتا ہے آپ سے بے تکلفی سے باتیں کی جائیں لیکن بہر حال ایک سرکاری افسر سے اتنے زیادہ بے تکلف ہونے کے نتائج کا بھی پتا نہیں کیا نکلیں گے۔''

''آپ لوگ تو بہت ہی اچھے ہیں اور یہ خاتون کون ہیں۔''

''یہ میری بیگم ہیں۔۔۔۔۔۔زرینہ بیگم نام ہے۔۔۔۔۔۔ اصل میں ان بے چاری کے ساتھ ایک دقت پیش آ گئی جس کی وجہ سے اس چائے وغیرہ کے ساتھ یہ خود بھی یہاں نازل ہو گئیں۔ دیکھو میاں گھر تو تمہارا بھی کوئی نہ کوئی ضرور ہو گا۔ اس گھر میں تمہارے اہل خاندان بھی ہوں گے، بھلا رشتے ناطوں سے کون دور ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھی کچھ عجیب سے واقعات ہو جاتے ہیں۔ زرینہ بیگم تصویر دکھائیں آپ شہاب میاں کو پھر اس کے بعد ہماری باتوں میں وزن ہو گا۔'' زرینہ بیگم نے اپنے لباس سے ایک تصویر نکال کر شہاب کے سامنے رکھ دی۔۔۔۔۔۔ پرانے زمانے کی تصویر تھی، بلیک اینڈ وہائٹ لیکن اس میں شہاب کو ایک شخص نظر آ رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ شہاب کا بہت زیادہ ہمشکل تھا، چہرے کے نقوش بالکل شہاب سے ملتے تھے، بالوں کا انداز ذرا مختلف تھا۔۔۔۔۔۔ بہر حال شہاب کی اپنی تصویر نہیں تھی لیکن بہت زیادہ ملتی جلتی شکل تھی۔ شہاب نے حیرت اور دلچسپی سے اس شکل کو دیکھا تھا اور پھر گردن ہلاتے ہوئے بولا تھا۔

''یہ تو آپ نے میری تصویر مجھے دکھا دی، مگر یہ کس کی تصویر ہے، ایسا کوئی لباس میں نے اس سے پہلے نہیں استعمال کیا۔''

''یہ زرینہ بیگم کے بھائی کا بیٹا ہے۔۔۔۔۔۔ بھتیجا، فوج میں تھا بس اللہ کو پیارا ہو گیا۔۔۔۔۔۔ زرینہ بیگم اسے جس طرح چاہتی تھی اس کے بارے میں اگر میں تمہیں بتاؤں تو شاید تم یقین

نہ کرو۔ ایک جان دو قالب تھے یہ پھوپھی بھتیجے اور بڑی مثالی محبت تھی ان کے درمیان، اس کی موت کے بعد زرینہ بیگم کافی عرصہ ہسپتال میں رہی تھیں۔۔۔۔۔۔ بمشکل تمام بے چاری کو صبر و قرار آ سکا۔۔۔۔۔۔ بہر حال اللہ کی مرضی میں کس کا چارہ ہو سکتا ہے۔ اتفاق کی بات ہے جب آپ یہاں آئے تو زرینہ بیگم کی نگاہ آپ پر پڑ گئی، بس اس کے بعد ان کی بے چینی اس قدر شدت اختیار کر گئی کہ میں نے ان سے کہا کہ بھئی یہ بات تو تم جانتی ہو کہ وہ مرحوم اکرام نہیں ہے، لیکن پھر بھی تم اپنی آنکھوں کی تشنگی بجھانا چاہتی ہو تو اس سے بات چیت کر لو، تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھ جاؤ۔۔۔۔۔۔ شہاب میاں میں معافی چاہتا ہوں آپ بھی کیا سوچیں گے کہ کیا دقیانوسی لوگ ہیں۔۔۔۔۔۔ حقیقتوں کو جاننے کے باوجود جہالتوں سے گریز نہیں کرتے اور یہ احمقانہ عمل کر ڈالا ہے، لیکن انسانی کمزوریوں کو نظر انداز تو کرنا ہی پڑتا ہے۔۔۔۔۔۔ زرینہ بیگم کچھ ایسی بے اختیار ہو گئی تھی کہ مجھے انہیں تم تک لانا پڑا۔''

''اور اس بات پر آپ مسلسل شرمندگی کا اظہار کئے جا رہے ہیں، اخلاق احمد صاحب یعنی مجھے شرمندہ کرنا ضروری ہے، کون انسانی کمزوریوں سے انکار کر سکتا ہے۔ کیا آپ مجھے زرینہ بیگم کو پھوپی جان کہنے کی اجازت دیں گے۔'' شہاب نے کہا اور زرینہ بیگم بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی، شہاب نے ان کی بھرپور پذیرائی کی تھی۔ بہر حال رزم کی زندگی ایک الگ چیز ہوتی ہے، جنگ و جدل جرم و سزا، انسانی فرائض ساری چیزیں اپنا ایک الگ مقام رکھتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی انسانی جذبات بھی الگ حیثیت رکھتے ہیں۔۔۔۔۔۔ ایک خونخوار پولیس آفیسر جہاں اپنے فرائض کی بجا آوری میں مجرموں کے لئے ایک طوفان ثابت ہوتا ہے وہیں اس کے دل میں گداز کے ایسے چشمے بھی پھوٹتے ہیں جن میں تمام تر انسانی اجزاء کا مرکب ہوتا ہے۔ بہر حال زرینہ بیگم نے شہاب کا سر سینے سے لگا لیا تھا اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار پھوٹ پڑی تھی۔ یہ ایک الگ کھیل تھا جس کا اس داستان سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن دنیا کی ہر داستان کا تعلق جذبات سے الگ کر دیا جائے تو وہ بے کیف اور بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے، کہانی کوئی بھی ہو اگر اسے انسانی احساسات سے دور رکھ کر صرف ایک مشینی عمل سے گزارا جائے تو پتہ نہیں وہ کون لوگ ہیں جو کہانی کے ان واقعات کو انسانی زندگی سے دور سمجھتے ہیں چند لمحوں کے اندر اندر یہ جذباتی کیفیت ختم ہوئی اور شہاب کو یوں محسوس ہوا جیسے اس بستی میں آ کر واقعی اسے کچھ عجیب سی کیفیات سے دوچار ہونا پڑا ہو۔

الیاس خان نے بھی ایک تاثر چھوڑا تھا، بڑے شاہ جی نے اسے طلب کرنے کے لئے آدمی بھیج دیا تھا، پھر اس کے بعد یہ بھائی اخلاق احمد مل گئے تھے۔ یہ تو اپنی جگہ جو کچھ بھی تھے اس کے علاوہ زرینہ بیگم نے کمال ہی کر دیا تھا...... بہر حال کئی گھنٹے شہاب کو ان محبتوں کے درمیان گزارنے پڑے، بڑے شاہ جی کی طرف سے ابھی تک کوئی طلبی نہیں ہوئی تھی۔ اخلاق احمد صاحب بھی چلے گئے تھے...... زرینہ بیگم نے شہاب سے کچھ سوالات کئے تھے، خود بھی شرمندہ شرمندہ سی نظر آرہی تھیں، گھر کے اندرونی حصے سے کچھ اور نسوانی آوازیں بھی اُبھر رہی تھیں جو بہر حال نوجوان لڑکیوں کی تھیں لیکن شہاب مختلف قسم کا انسان تھا اور پھر اس طرح کے جو رشتے قائم ہو جاتے ہیں ان کا احترام اپنی جگہ ہوتا ہے اور اس احترام کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے، لیکن ابھی تک صرف یہ کھیل ہی جاری تھا، کوئی اہم بات نہیں ہوئی تھی، یہاں تک کہ جب اخلاق احمد صاحب سے موقع نہ ملا تو شہاب نے زرینہ بیگم ہی سے فائدہ اٹھانے کا سوچا۔ زرینہ بیگم کو تلاش کرنے کے لئے اسے دروازے کے باہر قدم رکھنا پڑا تھا اور سامنے ہی ایک نوجوان لڑکی نظر آگئی تھی۔ نقوش زرینہ بیگم کے تھے، بھاگنے کی کوشش نہیں کی تھی اس نے اور اپنی جگہ کھڑی جھینپی ہوئی نگاہوں سے شہاب کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

"وہ سنئے بی بی، زرینہ پھوپھی کہاں ہیں...... آپ کو تکلیف تو ہوگی، بتلا دیں گی انہیں۔"

"بلا کر لاتی ہوں۔" لڑکی نے کہا اور اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئی۔ شہاب اندر واپس آگیا تھا، کچھ لمحوں کے بعد زرینہ بیگم اندر داخل ہو گئیں۔

"آ ہی رہی تھی تمہارے پاس، بچیاں پوچھ رہی ہیں کہ کھانے میں کیا پسند کرو گے، اس وقت کا کھانا تو تمہیں ہمارے ہی ساتھ کھانا پڑے گا...... بڑے شاہ جی اگر مصروف نہ ہوتے تو یقینی طور پر تمہیں اب تک اندر بلا لیا جاتا لیکن سنا ہے وہ بڑے مصروف ہیں۔"

"پھوپھی جان کھانے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے جو آپ پکائیں گی وہی کھا لیں گے...... آپ بیٹھئے تو سہی ویسے اخلاق احمد صاحب کہاں گئے؟"

"باہر نکلے ہوئے ہیں، میرا خیال ہے کسی کام سے ہی بھیجا ہوگا ورنہ آجاتے اب تک۔"

"میں نے تو ابھی تک بڑے شاہ جی کی شکل بھی نہیں دیکھی۔"

"میں نے کہا نا کچھ مصروف ہوں گے ورنہ اب تک تمہیں ہم سے چھین لیا جاتا، ویسے شہاب میاں سوچا تو یہ تھا کہ بعد میں تم سے بیٹھ کر باتیں کروں گی اور تم سے تمہارے اہل

ندان کے بارے میں پوچھوں گی، کوئی ڈرامہ یا کوئی کہانی تو ہو نہیں سکتی۔" زرینہ بیگم کی واز آنسوؤں میں ڈوب گئی...... شہاب خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھا رہا تھا۔ یہ سب کچھ ھی ڈیوٹی ہی کا ایک حصہ تھا ورنہ ظاہر ہے وہ ان تمام باتوں میں دلچسپی تو لے نہیں سکتا تھا، یہ کہانیاں تو قدم قدم پر بکھری ہوئی ہیں...... تاہم بعض کاموں کے لئے انسان کو سوشل ہونا پڑتا ہے۔ زرینہ بیگم نے تھوڑی دیر کے بعد اپنے آپ کو سنبھال لیا اور بولیں۔

"چار بیٹیاں ہیں میری، اللہ تعالیٰ نے کوئی بیٹا نہیں دیا تم سرکاری افسر ہو مگر اس بات کو یا کریں کہ اللہ نے تمہیں شکل ایسی بخش دی کہ میں اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکی۔"

"کوئی بات نہیں پھوپھی جان بعض اوقات رشتے سر راہ بھی بن جاتے ہیں...... میں آپ کے بھتیجے کا ہم شکل ہوں...... آپ مجھے تھوڑا سا وہی مقام دے دیں...... تین بھائی ہیں ہم لوگ، دو بہنیں ہیں، والدہ ہیں...... والد صاحب کا انتقال ہو چکا ہے اور خدا کے فضل سے ایک اچھی زندگی گزر رہی ہے میں شادی شدہ ہوں...... بیٹا میری بہت اچھی دوست بھی ہیں اور بیوی بھی، یہاں ایک سرکاری کام سے آیا ہوں...... بس اتنی سی کہانی ہے میری، آپ اگر دارالحکومت آئیں گی، میرے اہل خاندان سے ملیں گی تو آپ یقین کیجئے وہ سب آپ سے ل کر بہت خوش ہوں گے اور رشتہ تو بن جاتا ہے اس طرح اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان چند روزہ زندگی میں اگر ہم اپنے کسی مشکل مسئلے کو اس طرح پر سکون کر لیں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک اچھی بات ہوتی ہے، باقی جہاں تک آنے جانے کا سلسلہ لگا رہتا ہے تو لاتعداد افراد روزانہ پیدا ہوتے ہیں اور لاتعداد اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں...... یہ ہمارا کھیل نہیں ہے یہ کھیل کھیلنے والا کوئی اور ہی ہے جسے ہم کسی بھی طرح اس کے کھیل سے نہیں روک سکتے۔"

"ٹھیک کہتے ہو بیٹے ویسے یہاں اس سلسلے میں، میرا مطلب ہے کہ تمہارا آنا کس سلسلے میں ہوا ہے...... شاہ جی سے کوئی سرکاری کام تھا۔"

"اب آپ سوچیں گی کہ میں نے یہاں آنے کے بعد آپ سے جاسوسی شروع کردی۔ ایک چھوٹا سا کام ہے اور اگر آپ مجھے بھتیجے کا درجہ دیتی ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ تو بہت ضروری ہو جاتا ہے کہ میں آپ سے تھوڑا سا فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں...... یہ فائدہ میرے کام ہی کے سلسلے میں ہے مجھے آپ سے معلومات حاصل ہو جائیں گی تو میرے لئے بڑی کارآمد رہیں گی۔"

"ہاں......ہاں......بولو بولو......کیا بات ہے......کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

"تھوڑے عرصے قبل کی بات ہے پھوپھی جان یہاں دو خواتین قتل ہو گئی تھیں شاکر خان نامی ایک شخص اپنی بیوی اور بھاوج کے ساتھ یہاں رہتا تھا، اسی نے اپنی بیوی اور بھاوج کو کچھ وجوہات کی بنا پر قتل کر دیا تھا، وہ وجوہات مجھے معلوم ہیں، آپ کے سامنے ان کا تذکرہ نہیں کروں گا۔"

"اللہ ہی بہتر جانتا ہے بیٹے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے......ہاں ایک عورت ہونے کے رشتے سے اور ایک کمزور ذہن کی مالک اپنے آپ کو تسلیم کرتے ہوئے اتنا تو میں کہہ سکتی ہوں کہ دونوں عورتیں نیک تھیں کسی کے اندر برائی کا کوئی پہلو نہیں تھا، خوش اخلاق، ملنسار اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بہت خوبصورت تھیں، بس کچھ لعنتی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے اللہ نے بہر حال ایک دن متعین کیا ہوا ہے......رسی دراز ہوتی ہے ان کی لیکن جب کھینچتی ہے تو اس طرح کہ پھر وہ سنبھال نہیں سکتے......فرزندہ جہنمی اپنا کام کر کے بھاگ گیا اور اس کے بعد دو عورتوں کی زندگی چلی گئی، ایک خاندان برباد ہو گیا......شاکر خان بھی بس دیوانہ ہی ہو گیا تھا بس، کیا کہا جا سکتا ہے اس بارے میں انسانی غیرت بہر حال جوش میں آجاتی ہے اور پھر بس......کیا بتاؤں بھائی، بڑا دکھ رہا یقین کرو، ہفتوں کھانا نہیں کھایا گیا، راتوں کو نیند نہیں آئی بس یوں سمجھ لو کہ جو کچھ ہوا وہ بڑا ہی دردناک تھا......ایک بات تو میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں عورت ہونے کی بنیاد پر وہ یہ کہ عورتیں دونوں بری نہیں تھیں۔"

"لیکن پھوپھی جان سنا ہے شاکو یہ قتل تسلیم نہیں کرتا تھا، وہ تو یہ کہتا تھا کہ اس نے ان دونوں عورتوں کو قتل نہیں کیا۔"

"ہاں سنا تو میں نے بھی یہی تھا لیکن بہر حال مجرم کب مانتا ہے شاکو جذبات میں آکر جو قدم اٹھا بیٹھا بعد میں احساس ہوا ہو گا کہ خود اپنی زندگی مشکل میں پڑ گئی، پھر انسان کو جب ہوش آتا ہے تب وہ اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتا ہی ہے۔"

"خود بڑے شاہ جی کا کیا کہنا تھا اس سلسلے میں۔"

"کچھ نہیں، بڑے شاہ جی نے کچھ بھی نہیں کہا اس بارے میں، اتنا ہی کہا کہ شاکو جلد بازی کر گیا تو، بے وقوف مجھ سے بات تو کر لی ہوتی یہ سب کچھ کرنے سے پہلے، ایک بار تو مجھ سے مشورہ لے لیا ہوتا، کچھ کرتا میں تیرے لئے، جذبات میں اندھا ہو گیا تھا تو پاگل، اب تو

کیا کر سکتا ہوں......تیری تقدیر یہی چاہتی تھی تجھ سے، بات میرے بس سے باہر ہے، مگر وہ یہی کہتا رہا بڑے شاہ جی مجھے بچا لو میں نے یہ سب کچھ نہیں کیا ہے......بس بڑے شاہ جی بھی دوسری قسم کے آدمی ہیں، اس بات کو برداشت نہیں کر سکے کہ شاکو نے ان کے مشورے کے بغیر ہی سارا کچھ کر ڈالا، کہنے لگے بھائی اب جو کیا ہے بھگت، گواہی بھی دی تھی بڑے شاہ جی نے تو عدالت میں، انہیں کوئی ہمدردی نہیں تھی شاکو سے کیونکہ فرزندہ نے تو خیر گندگی کر ہی ڈالی تھی بڑے شاہ جی کا کہنا تھا کہ شاکو کو اس سلسلے میں خود کوئی فیصلہ نہیں کر لینا چاہئے تھا، بلکہ بڑے شاہ جی سے مشورہ کرنا چاہئے تھا، اس کے بعد سچی بات تو یہ ہے کہ بڑے شاہ جی پر بھی کچھ ذمہ داری آتی تھی کیونکہ بات ان کی کوٹھی میں ہوئی تھی، چنانچہ وہ بے چارے کیا کرتے جو قانون کے تقاضے تھے وہ انہوں نے بھی پورے کئے باقی لوگوں نے بھی گواہی دی۔"

"ہوں......تو بڑے شاہ جی نے بھی اس سلسلے میں شاکو کو سزا دلوانے کے لئے۔"

"وہ تو کرنا تھا، بڑے شاہ جی کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ تو نہیں تھا نا، ایک قاتل، ایک مجرم کو بھلا کون بچا سکتا ہے۔"

"مگر شاکو یہاں سے بھی گرفتار نہیں ہوا تھا؟"

"بھاگ گیا تھا اس بچی کو لے کر جو اس کے بھائی کی بیٹی تھی، کم بخت نے شاید بچی کی بھی گردن دبا کر کہیں اسے بھی دبا دیا......ہائے ایسی معصوم اور پیاری بچی تھی کہ کیا بتاؤں تمہیں بس یہ ہے ساری کہانی۔"

"یہاں حویلی میں بڑے شاہ جی کے ساتھ اور کون کون رہتا ہے۔"

"بڑے شاہ جی اور ان کے گھر کے اور بھی دوسرے لوگ ہیں، کیوں؟ یہ سوال کیوں کر رہے ہو۔"

"نہیں......میں نے ویسے ہی پوچھا تھا کہ بڑے شاہ جی کے اور بھائی وغیرہ تو ہوں گے۔"

"نہیں......بھائی وائی کوئی نہیں ہے......بڑے شاہ جی لاولد ہیں کوئی اولاد نہیں ہے ان کی اور ویسے بھی بے چارے بس کیا بتاؤں یوں سمجھ لو درویش ہیں......درویش ہیں پورے نگاہیں نیچی رکھنا ہر وقت دینداری میں مصروف رہنا یہی ان کی زندگی ہے، بہت اچھے آدمی ہیں......بستی میں کبھی کسی کو ان سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔"

"بستی میں اور بھی ایسے واقعات ہوئے ہیں میرا مطلب ہے نوجوان عورتوں کے

قتل کے۔"

"نہیں، مجھے نہیں معلوم...... تم نے تو مجھ سے ہی پولیس والی باتیں شروع کر ڈالیں...... کسی کام کی تحقیقات کے سلسلے میں آئے ہو۔" زرینہ بیگم ہنس کر بولیں اور شہاب بھی ہنسنے لگا اور پھر بولا۔

"واقعی۔" بہر حال خاصی بہتر معلومات حاصل ہو گئی تھیں، شہاب کو مسز اخلاق سے اور اس کے بعد پھر اس کی پیشی بڑے شاہ جی کے دربار میں ہو گئی۔ دربار ہی کہا جا سکتا تھا اسے ڈرائنگ روم تھا کہ دیکھنے دکھانے سے تعلق رکھتا تھا، بہت ہی اعلیٰ جگہ تھی، دیکھ کر ذہن پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی...... بڑے شاہ جی تندرست و توانا اور لمبے چوڑے آدمی تھے، بہت ہی بہترین صحت کے مالک، آنکھوں میں ایک نیم غنودگی سی کیفیت تھی اور انہوں نے صرف ایک بار نگاہیں اٹھا کر شہاب کو دیکھا تھا، پھر نظریں نیچے جھکا لی تھیں۔

"شہاب ثاقب آسمانوں پر سفر کرنے والے کبھی کبھی نام کے اثرات انسان کی شخصیت کو بھی متاثر کرتے ہیں، اپنی زندگی میں کامیاب رہے ہو یا کچھ ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔"

"کامیابیوں اور ناکامی کا تصور بس انسان کے اپنے خیالات و تصورات کے ساتھ ہے لیکن اپنی جتنی پہنچ بنالی جاتی ہے اگر اسی پہنچ کو تکمیل کا درجہ دیا تو تعین کر لیا جاتا ہے اور میرا خیال ہے میں اپنی تکمیل کو مکمل سمجھتا ہوں ورنہ خواہشوں کے پھن تو انسان کو حیات کے آخری لمحے تک ڈستے رہتے ہیں اور اطمینان نام کی کوئی چیز اسے کبھی نہیں حاصل ہوئی۔ اب ان خواہشوں میں بعض اوقات دنیا کی آسائش، اپنی پسند کی ہر شے حاصل کر لینے کا تصور ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ خواہشات مختلف ہوتی ہیں اور میں سمجھتا ہوں شاہ جی کہ خواہشات کی تکمیل کو صرف موت ہی کا نام دیا جا سکتا ہے۔"

"بڑی اچھی بات کہی، بڑی اچھی بات کہی بہت پسند آئی، اچھا چلو چھوڑو...... یہ بتاؤ نادر حیات صاحب نے ہمارے لئے کچھ حکم بھیجا ہے، بڑے اچھے آدمی ہیں، بس چونکہ تعلق قانون کے ایسے محکمے سے ہے جس میں انسان کے تحفظ کا مسئلہ بھی ہے...... شاکو جیل سے فرار ہو گیا ہے، سنا ہے اس نے ایڈووکیٹ پتا نہیں کیا نام تھا اس کا، جس نے اس کا کیس بھی لڑا تھا اس پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ غالباً اس قتل کے کیس کا فیصلہ سنانے والے جج اشتیاق صاحب تھے۔ ان کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔ نادر حیات صاحب نے یہی بتایا تھا کہ شاکو تین آدمیوں کا

دشمن تھا اور اس نے یہی کہا تھا کہ وہ ان تینوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا...... ہم بھی اسی میں شامل ہیں...... ارے بھائی اپنی دیکھو، ہمارا کیا ہے...... درویش منش ہیں، آنے جانے کا کوئی خیال نہیں رکھتے...... دنیا میں سانس لینے والا ہر ذی وجود اپنی خواہش، اپنی پسند سے اس دُنیا میں نہیں آتا اور یہی کیفیت جانے والے کی ہے، کون جانا پسند کرتا ہے لیکن وقت کا بلاوا آ جائے تو کوئی روک کر دکھا دے...... نادر حیات ہوں، تم ہو، چار آفیسر بھیج دیئے تھے ہمارے تحفظ کے لئے، معذرت کی اور واپس کر دیا، تم بھی ایسا کرو، رحمان گڑھی آئے ہو گھومو پھرو، چھوٹی سی جگہ سے کچھ بھی نہیں ملے گا تمہیں یہاں سیر و سیاحت کے لئے۔ ہاں تازہ ہوا، تازہ دودھ، تازہ سبزیاں، سادہ سادہ لوگ جو شہر میں ذرا مشکل ہوتے ہیں ان کے درمیان تھوڑا وقت گزارو...... شاکو اگر یہاں آیا تو دیکھ لیں گے اسے بھی، اب اتنے چوہے بھی نہیں ہیں ہم...... اتنی طویل زندگی گزار چکے ہیں اس زندگی میں دوست بھی ہیں اور دشمن بھی...... احمق اگر ہم سے مشورہ لے لیتا تو ہم اس سے کہتے صبر کر، فرزندہ کو تلاش کرنا ہمارا کام ہے یعنی جو اصل مجرم تھا اسے تو نکال دیا اور جو خود مجرم نہیں تھا بس وقت نے اسے مجرم بنا دیا...... غیرت مند ہونا اچھی بات ہے لیکن دیوانگی بہر حال انسان کو انسان کی زندگی لینے کا کوئی حق نہیں ہے اور وہ دیوانہ ہو گیا تھا اور اب سنا ہے کہ دیوانگی میں مزید مارا مارا پھر رہا ہے۔ بہر حال چھوڑو ان باتوں کو، ارے ہاں گھومنے پھرنے کے لئے جاؤ تو اخلاق احمد سے کہہ دینا ہمارے منیجر ہیں، وہی جن کے ہاں تم نے قیام کیا تھا ہر طرح کا بندوبست کر دیں گے۔"

"جی۔"

"اور سنو اپنے آپ کو خواہ مخواہ کی احمقانہ ہلاکتوں میں مت ڈالنا بلاوجہ پریشان رہو گے۔ شاکو ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا، ہمارے پاس انتظام ہے، آ گیا تو پکڑ کر تمہارے حوالے کر دیں گے باقی بے فکر رہنا، اب کیا کہیں تم سے یوں سمجھ لو کہ ہمارے اِرد گرد ہمارے ایسے نادیدہ دوست پھیلے ہوئے ہیں جو شاکو جیسے ہزار انسانوں سے ہمارا تحفظ کر سکتے ہیں، اس لئے ہم نے نادر حیات سے تو اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا تم سے کہہ رہے ہیں کہ کسی چکر میں نہ پڑنا، ٹھیک ہے۔"

"جی بہت بہتر، میں آپ کی ہر ہدایت پر عمل کروں گا۔"

"شہاب نے جواب دیا اور ارمان شاہ نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی، پھر اس کے بعد

اس نے شہاب کو اخلاق احمد کے حوالے کر دیا تھا۔ اخلاق احمد صاحب نے اسے پیشکش کی کہ اگر چاہے تو انیکسی میں بھی اس کے لئے آرام سے بندوبست ہو سکتا ہے بلکہ ان کی مسز نے یہی کہا ہے کہ اگر ممکن ہو سکے تو شہاب کو یہیں انیکسی میں ہی ٹھہرا لیا جائے...... شہاب میاں تم کیا پسند کرو گے۔"

"میرا خیال ہے مناسب نہیں ہو گا، اخلاق احمد صاحب زرینہ پھوپھی جذباتی ہو گئی ہیں لیکن آپ کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہو چکی ہے کہ میں یہاں کس سلسلے میں آیا ہوں اور بڑے شاہ جی کی ہدایت بھی ہے...... میرا خیال ہے آپ بھی کسی طور اس سے منحرف ہونا پسند نہیں کریں گے۔"

"ہاں۔" اخلاق احمد صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا، غرض یہ کہ شہاب کو انیکسی سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک خوبصورت جگہ قیام کرا دیا گیا، بڑی اچھی جگہ تھی یہ اور مہمان خانہ ایک معیاری حیثیت کا حامل، ارمان شاہ کے بارے میں شہاب نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ بہت ہی خود اعتمادی کا شکار ہے اور کسی قسم کی خوف و دہشت میں مبتلا نہیں ہے اس نے جن نادیدہ محافظوں کا تذکرہ کیا تھا میرے ذہن میں اس سے یہی مطلب آیا تھا کہ ارمان شاہ صاحب خود کو درویش یا ولی ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں اور وہ نادیدہ محافظ شاید وہ موکل ہو سکتے ہیں جو ان کے قبضے میں ہوں لیکن بہر حال شہاب بھی سرکش آدمی تھا اور اپنے طور پر اس نے کبھی ایسی باتوں کو قبول نہیں کیا تھا، جب تک کوئی یقینی چیز نگاہوں کے سامنے نہ آ جائے...... چنانچہ اپنی اس نئی رہائش گاہ میں پہنچنے کے بعد اس نے آئندہ کے لئے لائحہ عمل ترتیب دینا شروع کر دیا، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شاکو اگر یہاں آ جائے تو کیا وہ ارمان شاہ کو نقصان پہنچا سکتا ہے، جہاں تک معاملہ مرزا جواد بیگ کا تھا تو وہ بے چارے اپنی بیوی کو لے کر محفوظ مقام پر نکل گئے تھے۔ شاکو کا جہاں تک معاملہ تھا اس کے بارے میں شہاب اپنے سابقہ تجربے کی بنیاد پر کام کرنا چاہتا تھا۔ ارمان شاہ صاحب کی شخصیت کو وہ در حقیقت ابھی تک نہیں سمجھ پایا تھا، جملوں میں تو یہ شخص بالکل ہی مختلف نظر آتا تھا اور نجانے کیوں شہاب کو یہ احساس ہوتا تھا کہ شاید یہاں اس کا تجربہ مار کھا گیا ہے اور وہ مکمل طور پر ایک آدمی کو سمجھنے میں ناکام رہا ہے۔ کیا یہ شخص کوئی غلط انسان ہو سکتا ہے اس کا اندازہ ایسا ہی تھا لیکن بہر حال سارے معاملات اپنی جگہ سابقہ تجربات ایسے تھے کہ اس قسم کے بہت سے افراد اسے دوبارہ

میں نظر آئے تھے بلکہ بعض اوقات کچھ لوگ اسی انداز میں کام کرتے ہیں...... پہلے بے شمار خول چڑھا لیتے ہیں اور اس کے بعد صورت حال بالکل بدل جاتی ہے۔ غور کرنے کے بعد ہی صحیح فیصلہ کیا جا سکتا تھا، چنانچہ شہاب نے اس سلسلے کو ذرا سی ڈھیل دے دی تھی اور یہ سوچا تھا کہ کام چاہے دیر سے ہو لیکن اس میں استحکام ہونا چاہئے اور اس کے علاوہ اسے یہ خیال بھی تھا کہ شاکر خان یا شاکو کے بارے میں بھی یہاں معلومات حاصل کی جائیں اور اس کے لئے اسے کوئی مناسب شخصیت درکار تھی، اس مختصر سے قیام کے دوران اس نے یہ اندازہ تو لگا لیا تھا کہ نا صرف کوٹھی کے اندر رہنے والے بلکہ باہر کے لوگ بھی ارمان شاہ کے لئے دل میں کوئی برائی نہیں رکھتے۔ ارمان شاہ خود بہت مطمئن تھا، حالانکہ شہاب نے یہاں سیکورٹی کے کوئی خاص انتظامات نہیں دیکھے تھے...... ارمان شاہ کا اطمینان اس کے لئے باعث حیرت تھا، کچھ وقت گزر گیا اور اس وقت ارمان شاہ اور اخلاق احمد ساتھ ساتھ کہیں گئے ہوئے تھے کہ ایک خوبصورت سی لڑکی شہاب کے پاس پہنچ گئی۔

"بھائی آپ کو امی نے بلایا ہے۔ میرا نام فرحانہ ہے اور میں اخلاق احمد کی بیٹی ہوں۔"

"آپ جائیے بیٹے...... میں آ رہا ہوں۔" شہاب نے لڑکی سے کہا اور وہ مسکراتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ یہ ذمہ داری تھی جو شہاب کو سر انجام دینا تھی۔ آخر کار وہ زرینہ کے پاس پہنچ گیا۔

"یہ نہ سمجھنا کہ میں نے شوہر سے چھپ کر تمہیں بلایا ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اصل میں کچھ تھوڑے سے معاملات مجھے اخلاق صاحب نے بتائے تھے اور کہا تھا کہ ذرا سا اجتناب برتنا پڑے گا مجھے تم سے اور جذباتی ہونے کی کوشش نہ کروں، بلکہ ذرا سی احتیاط رکھوں چونکہ معاملہ بالکل مختلف ہے، بس یوں سمجھ لو کہ اب تک تم سے کم ملاقاتوں کی بنیادی وجہ یہ ہے ورنہ دل تو چاہتا ہے کہ تمہیں اتنا دیکھوں، اتنا دیکھوں کہ دل بھر جائے۔" شہاب مسکرانے لگا اور کہا۔

"یہ تو میں کبھی نہ چاہوں گا کہ آپ کا دل مجھے دیکھنے سے بھر جائے پھوپھی جان بہر طور آپ نے مجھے ایک رشتہ دیا ہے اور بعض رشتے اس قدر قیمتی اور دلکش ہوتے ہیں کہ زندگی کی قیمت پر نہیں کھوئے جا سکتے، میں یہ کبھی نہیں چاہوں گا۔"

”نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا، اچھا خیر چھوڑو، مجھے اپنے بارے میں کچھ اور بتاؤ۔“

”آپ مجھ سے پوچھئے۔“

”میں چاہتی ہوں تم سے مستقل تعلقات رہیں...... یہ تو بتایا تھا تم نے کہ تمہاری شادی ہو گئی ہے، کون بچی ہے۔“

”بینا نام ہے خود بھی وکیل ہے...... محکمہ پولیس میں بھی اسے ایک عہدہ حاصل ہے لیکن ہم سرکاری مراعات سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں، یعنی یہ کہ شادی کے بعد بہنا کا تعلق تو ہے محکمہ پولیس سے لیکن بس محکمہ پولیس گھر میں آگیا ہے اور کام گھر ہی کی حد ہو رہا ہے۔“

”ہاں بالکل...... بالکل...... میں سمجھ رہی ہوں اور یہ بھی کہہ رہی تھی میں اخلاق صاحب سے کہ اب جب مجھے ایک ایسی شخصیت ملی ہے تو شاید میں اسے اتنی آسانی سے نہ چھوڑ سکوں، چنانچہ مجھے اس کے لئے اجازت درکار ہے...... میں یہ رابطے رکھنا چاہتی ہوں۔“

”آپ ایسا کر کے یوں سمجھ لیجئے کہ مجھ پر احسان کریں گی، ایک ایسی آرزو جو میں خود کرنا چاہتا تھا آپ نے اس میں پہل کر کے میری عزت [illegible] ہے۔“

”خدا تمہیں خوش رکھے، یقین کرو وہ میرا بچپن کا...... اچھا چھوڑو یہ بتاؤ یہاں کس سلسلے میں آئے ہو، پولیس کی طرف سے کوئی کارروائی سونپی گئی ہے تمہیں۔“

”جی ہاں...... ایک بار سوچا تھا کہ آپ سے اس موضوع پر گفتگو کروں لیکن پھر یہ خیال آیا کہ کہیں آپ کے لئے کوئی مشکل نہ بنے۔“

”نہیں...... ہم تو بس یوں سمجھ لو کہ سادگی سے یہاں وقت گزار رہے ہیں، کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے جو قابل تذکرہ ہو۔“

”اصل میں یہاں جو حادثہ ہوا تھا جس کا تذکرہ اس دن آپ سے ہوا تھا مجھے اس کے بارے میں معلومات درکار تھیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ میں ابھی تک اس میں ناکام رہا ہوں۔“

”حقیقت تو یہ ہے شہاب کہ وہ واقعہ بڑا ہی پراسرار ہے اور صحیح معنوں میں کوئی بھی اس کی تشریح نہیں کر سکتا، جہاں تک شاکر خان کا تعلق ہے وہ بہت اچھا انسان تھا، تصور بھی نہیں کر سکتا کوئی کہ وہ کسی کو قتل کر سکتا ہے، بس اس پر قتل کا شبہ ظاہر کیا گیا اور اس نے آخری طور پر یہی کہا کہ وہ ان دونوں کا قاتل نہیں ہے...... وہ تو یہی کہتا رہا کہ اس کی بیوی اور بہن انتہائی صاحب کردار ہیں یا تھیں اور وہ کسی کے فریب میں آنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں، ان کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔“

”خود آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے پھوپی جان۔“

”خدا کی قسم انسان شناسی میں دعویٰ رکھتی ہوں میں اور اسی دعوے کے ساتھ یہ بات کہہ سکتی ہوں کہ بہت ہی نفیس خواتین تھیں وہ، بالکل کوئی ایسی بات نہیں ہے جو کچھ بھی ہوا یا فرزندہ نے جو کچھ بھی کیا وہ یوں سمجھ لو یقینی طور پر زبردستی اور جعل سازی سے کیا ہو گا مگر بس شاکر خان یا تو جذباتی ہو گیا یا پھر اسے پھنسانے کے لئے بھرپور کوشش کی گئی کیا کہا جا سکتا ہے اور باقی جہاں تک رہا انسان کا ایک ایسا عمل، ایک ناکردہ گناہ اور ایک شریف انسان جب برائی کی طرف آتا ہے تو پھر وہ بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔“

”ایک بات ذرا تعجب خیز ہے پھوپی جان۔“

”وہ کیا۔“

”ارمان شاہ صاحب کو اس بات کا مکمل طور پر علم ہو چکا ہے کہ مرزا جواد بیگ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ میں ہی تھا جسے اتفاق سے عین وقت پر اس بات کا احساس ہو گیا کہ کوئی شخص مرزا جواد بیگ پر قاتلانہ حملہ کرنا چاہتا ہے، اگر وہ کوشش بروقت نہ ہو گئی ہوتی تو مرزا جواد بیگ اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہوتے اور اب وہ اس قدر خوفزدہ ہیں کہ شاید ملک چھوڑ کر ہی چلے گئے ہیں۔ جج اشتیاق حسین بھی مر چکے ہیں اور اس سلسلے میں ارمان شاہ کو جتنا خطرہ درپیش ہو سکتا ہے وہ کسی اور کو نہیں ہے لیکن ارمان شاہ اس قدر بے تعلق نظر آتے ہیں ان تمام باتوں سے جیسے معاملہ کسی اور کا ہو اور ان کا ان واقعات سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔“

”اصل میں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ارمان شاہ صاحب بہت ہی درویش صفت آدمی ہیں اپنے آپ کو کبھی درویش نہیں ظاہر کرتے لیکن طریقہ کار ایسا ہی ہے، لوگوں کے ساتھ بہت اچھا رویہ ہے ان کا اور یہ سمجھ لو کہ شاید ہی تمہیں کوئی ایسا مل سکے جس سے تمہیں ارمان شاہ کے لئے برائی سننے کا موقعہ ملے، بات کیونکہ اصول کی تھی اور شاکو کے سلسلے میں وہ حقیقت نہیں چھپا سکتے تھے اس لئے انہیں عدالت میں گواہی بھی دینا پڑی اور ہر قسم کے خوف سے بے نیاز ہو کر وہ شاکو کے خلاف کیس میں دلچسپی لیتے رہے، لیکن بڑے کایاں؟ انسان ہیں اور حقیقتوں کو سمجھتے ہیں۔“

"بہر حال ان کی زندگی کا تحفظ ہمارا فرض ہے اور مجھے فی الحال اسی کام پر مامور کیا گیا ہے، ڈیوٹی تو بہر حال دینا ہی ہوتی ہے، چنانچہ میں صرف یہ ڈیوٹی سر انجام دے رہا ہوں۔"

شہاب نے ذہنی طور پر بہت سے فیصلے کئے تھے، لیکن اس سے پہلے کے واقعات میں اور ان واقعات میں زمین و آسمان کا فرق نظر آ رہا تھا، تھوڑے ہی عرصے قبل کی بات ہے کہ اسے اسی طرح کے ایک بہروپئے کا سامنا کرنا پڑا تھا جو اپنے آپ کو درویش کہتا تھا لیکن پھر وہ اس قدر خطرناک نکلا تھا کہ شہاب کو صورت حال سنبھالنا مشکل ہو گئی تھی۔ اس وقت بھی اس کا دل یہی کہہ رہا تھا کہ ارمان شاہ چاہے اپنے آپ کو کچھ بھی کہہ لے لیکن یہ بالکل اسی انداز کا ایک جاگیر دار ہے جس انداز کے ایک جاگیر دار سے اس کا واسطہ پڑ چکا تھا اور اس چیلنج کو قبول کر کے شہاب نے پھر اپنے ماضی کو دہرایا تھا، یہاں حویلی میں اسے کوئی بہت بڑی اہمیت نہیں دی جا رہی تھی...... ارمان شاہ نے بھی اس کے بعد اس سے ایسی کوئی خصوصی ملاقات نہیں کی تھی، ویسے بھی شہاب نے محسوس کیا تھا کہ ارمان شاہ ایک بے پرواہ انسان ہے اور اپنے تحفظ کے لئے اس نے کوئی خاص بندوبست نہیں کیا ہے، پھر شہاب معمول کے مطابق رحمان گڑھی کی سیر کے لئے نکل آیا...... زرینہ اور اخلاق احمد کو وہ اس سلسلے میں بہت زیادہ پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا...... رحمان گڑھی واقعی ایک چھوٹا سا علاقہ تھا اسے بہر حال الیاس خان وغیرہ بھی یاد تھے لیکن الیاس خان کے پاس دوبارہ واپس جانے کے بعد وہ الیاس خان کو اس سلسلے میں کسی طرح سے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا، البتہ یہ الگ بات تھی کہ الیاس خان خود ہی اسے کھیتوں پر مل گیا تھا۔ شہاب نے اسے ایک لمحے کے اندر پہچان لیا۔ الیاس خان بھی رک گیا تھا، لیکن اس کے چہرے پر اچھے تاثرات نہیں تھے۔ شہاب خود ہی اس کے پاس پہنچ گیا اور اس نے الیاس خان کو سلام کیا، سلام کا جواب دے کر الیاس خان واپس پلٹا تو شہاب نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔

"ارے کیا بات ہے، الیاس صاحب کچھ ناراض ہو گئے ہیں آپ۔"

"مذاق اڑا رہے ہو ہمارا بھیا، اڑا لو، ہم تم سے ناراض ہو کر جیتے رہ سکتے ہیں۔"

"اوہو...... ہو، او بھائی، پہلی بات تو یہ کہ تم ناراض ہو، دوسری بات یہ کہ میں تمہارا کیا بگاڑ لوں گا۔"

"بڑے آدمیوں کے مہمان بھی بڑے آدمی ہی ہوتے ہیں۔ ارے ہم کیا ہماری اوقات

خیر، تم تو مہمان ہو بڑے شاہ جی کے ہم سمجھے تمہیں اپنا مہمان، ہم سوچے اپنے دل با کہ تم ایک آدھ وقت کی روٹی ہماری طرف بھی کھاؤ گے تو بے وقوفی تو ہماری ہوئی نا، تمہارا اس میں کیا قصور ہے۔"

"اچھا...... اچھا تو خان صاحب ناراض ہو گئے ہم سے۔"

"ارے نہیں بھیا۔"

"خان صاحب جب آپ کا دل چاہے آپ اپنے ہاں روٹی کھلا دیجئے اور پھر میں تو بڑے شاہ جی کا مہمان ہوں بھی نہیں میں تو ایک سرکاری آدمی ہوں جو ایک سرکاری کام سے یہاں آیا ہوں۔"

"ر کے تو بڑے شاہ جی صاحب کے پاس ہی ہونا، کیوں ایسی باتیں کرتے ہو جنہیں جھوٹ میں شمار کیا جائے۔"

الیاس خان بولا۔

"اچھا چلئے وعدہ آپ کے ہاں آؤں گا اور خود فرمائش کر کے آپ سے کھانا کھاؤں گا۔"

"چھوڑو کیا رکھا ہے ان باتوں میں، ہمارے لائق کوئی حکم ہو تو بتاؤ۔"

"اگر آپ کی ناراضگی دور نہیں ہوئی خان صاحب تو پھر مزہ نہیں آئے گا۔"

"نہیں ہم ناراض نہیں ہیں بھیا، ہم بہت معمولی آدمی ہیں اور تم ٹھہرے شہر والے، ویسے ہی تمہیں دیکھ کر ڈر لگتا ہے ہمیں تو۔"

"الیاس خان صاحب ایک بات بتائیے، ایک چھوٹا سا کام اگر میں آپ سے لینا چاہوں تو آپ میرا وہ کام کریں گے یا آپ کے دل میں اللہ سے زیادہ بڑے شاہ جی کا خوف ہے۔"

"ایں، یہ کیا کہہ رہے ہو، گالیاں دینا چاہتے ہو، برا بھلا کہنا چاہتے ہو تو کہہ لو بھائی مگر اللہ کے نام کے ساتھ تو ایسے الفاظ نہ کہو۔"

"کچھ پوچھنا چاہتا ہوں آپ سے۔"

"پوچھو، پوچھو بڑے شاہ جی کی عزت ضرور کرتے ہیں اور ویسے بھی وہ برے آدمی نہیں ہیں، لیکن ہمارا ایمان تو ہمارا اپنا ہی ہے نا بھیا، کون سی ایسی بات ہی جسے تم پوچھنا چاہتے ہو۔"

"اصل میں جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ سرکاری آدمی ہوں خان صاحب اور سرکار کی طرف سے کچھ تحقیقات کرنے آیا ہوں۔ یہ بتاؤ اور ذرا سوچ سمجھ کر بتاؤ کہ سچ مچ یہ بڑے

شاہ جی جو ہیں ارمان شاہ صاحب کیسے آدمی ہیں۔"

"دیکھو بھیا ایک بات تو ہم تم سے کہیں آدمی وہ بالکل برے نہیں ہیں، بستی والوں کے ساتھ کبھی برا سلوک نہیں کیا، نیک طبیعت کے رہے ہیں...... ارے تمہارا ان سے کوئی تعلق ہو یا نہ ہو اگر کبھی اپنی کوئی ضرورت لے کر کبھی ان کے پاس پہنچ جاؤ گے تو انکار نہیں کریں گے جس حد تک بھی وہ تمہارے لئے کچھ کر سکتے ہیں ضرور کر کے دیں گے، یہ تو ہم تم سے پورے دعوے کے ساتھ کہہ رہے ہیں۔"

"یہاں تھوڑے دن پہلے ایک واقعہ ہو گیا تھا۔"

"کیسا واقعہ۔"

"ارمان شاہ صاحب کی حویلی میں دو عورتیں قتل کر دی گئی تھیں۔"

"ارے ہاں بس...... وہ فرزندہ یہاں تو یہ بات ہے کہ جب انسان فرزندہ کا نام لیتا ہے تو پہلے لاحول پڑھتا ہے اور پھر فرزندہ کی صورت پر لعنت بھیجتا ہے...... کم بخت نے دو جانیں لے لیں، ایک آدمی کو مصیبت میں گرفتار کرا دیا۔"

"فرزندہ نے جانیں لے لیں۔"

"بھائی کسی کی عزت لوٹو گے تو جس کی عزت ہوتی ہے اس کو دکھ تو ہوتا ہے۔ ارے وہ عزت دار، غیرت دار تھا مگر جلدی کر گیا، مارتا تو اس کمینے فرزندہ کو جس نے یہ حرکت کی تھی، دو عورتوں کو مارنے سے کیا ملا، کون جانے کس کی بات سچ تھی، کس کی جھوٹ ہو سکتا ہے الزام ہی ہو ان عورتوں پر، فرزندہ کمینہ تو بھاگ گیا وہ بے چاری ماری گئیں اور شاکو بھی پھنس گیا پوری زندگی کے لئے۔"

"فرزندہ کے اہل خاندان بھی تو ہیں یہاں۔"

"ہمارے گھر کے پچھواڑے ہی تو رہتے ہیں...... ایک بہن ہے، ایک بہنوئی ہے اور ماں ہے، پاگل ہو گئی ہے بے چاری، اکیلا ہی بیٹا تھا اور وہ بھی نگاہوں سے دور ہو گیا ہے۔ ارے وہ تھا ہی کمینہ جو ماں کو چھوڑ دے اس سے بڑا کمینہ کون ہو سکتا ہے۔"

"آپ کے گھر کے پچھلے حصے میں رہتے تھے فرزندہ کے اہل خاندان۔"

"بتا تو دیا حمیدا ہے اس کے بہنوئی کا نام، بہن کا نام سکھی ہے۔"

"میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"تو مل لو، ان سے ملنا کون سا مشکل کام ہے۔"

"ابھی مل سکتا ہوں۔"

"بھائی جب مل لو، ہم سے تو ایسے پوچھ رہے ہو تم جیسے ہم تمہیں اجازت دیں گے تو تم ان سے مل سکتے ہو ورنہ نہیں۔"

"تو پھر مجھے وہاں پہنچا دیں۔"

"گھر بتائے دیتے ہیں، تھوڑا سا کام ہے ہمیں جو ہم کر رہے ہیں۔"

"گھر بتا دیجئے بس۔" پھر شہاب الیاس خان کی رہنمائی میں فرزندہ کے گھر کے دروازے پر پہنچ گیا اور دروازے کی زنجیر بجانے پر ایک بھاری بھر کم بدن کے آدمی نے دروازہ کھولا، چہرے سے ہی خبیث نظر آ رہا تھا، کڑی نگاہوں سے شہاب کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"کہو بابو جی کیا بات ہے، کوئی کام ہے ہم سے۔"

"حمیدا ہے تمہارا نام۔"

"ہاں۔"

"تم سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیسی معلومات۔"

"فرزندہ کے بارے میں۔"

"اس کے بارے میں ہم کوئی بات نہیں کریں گے، بھاگ جاؤ۔" اس نے کہا اور دروازہ بند کرنے کی کوشش کی لیکن شہاب نے دروازے میں پاؤں اڑا دیا اور بولا۔

"میرا تعلق پولیس سے ہے حمیدا، یہاں سے تمہیں جوتے مارتا ہوا لے جاؤں گا پولیس اسٹیشن، وہاں پہلے ایک ہفتے تک بند رکھوں گا الٹا لٹکا کر مار لگاؤں گا اور پھر اس کے بعد تم سے فرزندہ کے بارے میں پوچھوں گا۔"

"بلاوجہ ہی، ہمیں نہیں معلوم فرزندہ کے بارے میں اور پولیس کے کپڑے کب پہنے ہوئے ہو تم۔"

"یہ دیکھو یہ میرا کارڈ ہے۔" شہاب نے کہا اور اپنا سروس کارڈ نکال کر حمیدا کے سامنے کر دیا جس پر وردی والی تصویر لگی ہوئی تھی...... حمیدا نے اسے دیکھا اور اس کا رویہ بدل گیا، وہ ہنسنے لگا۔

"معاف کرنا افسر صاحب آپ خود سوچو ہم تو نہیں جانتے تھے کہ آپ پولیس والے ہیں
یا نہیں اور پھر سچی بات تو یہ ہے کہ جس بندے کی وجہ سے ہماری اتنی بدنامی ہوئی ہے ہم اس
کے بارے میں زیادہ بات نہیں کرنا چاہتے تھے تو اس میں ہمارا کون سا قصور تھا...... آجائیے
جی، اندر آجائیے، ہم بھی شہر میں رہ چکے ہیں، بس میں کنڈیکٹری کرتے تھے اب نوکری چھوڑ
کر یہاں آگئے ہیں...... اس کمینے فرزندہ نے سب کچھ بیڑا غرق کر کے رکھ دیا، شہر میں اچھی
خاصی کمائی ہوئی تھی لیکن یہاں آکر ڈنڈے بجا رہے ہیں اور رکھا ہوا کھا رہے ہیں کیا
کریں...... بڑی بی الگ پاگل ہو گئی ہیں، انہیں سنبھالنا بڑا مشکل کام ہے۔" حمیدا کہنے لگا،
اچانک ہی اسی وقت ایک تیز آواز سنائی دی۔

"مجھے کھول دو جہانگیر بادشاہ اب تو تم نے زنجیر بھی اتار لی ہے۔ ارے میں کس کی زنجیر
ہلاؤں...... میں کس سے فریاد کروں، بادشاہ، او بادشاہ۔" یہ ایک بوڑھی آواز تھی...... شہاب
اندر داخل ہوا تو اسے ایک نوجوان لڑکی نظر آئی...... تھی تو نوجوان ہی لیکن چہرے کے نقوش
میں جو کیفیات جھلکتی تھیں وہ نوجوانی کا مذاق اڑاتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں، بدحال، بدحالی اور
پریشانی انسان سے اس کا کیا کچھ چھین لیتی ہے...... حمیدا چہرے سے جو نظر آرہا تھا وہ ایک الگ
بات تھی، لیکن اب شہاب کے ساتھ اس کا رویہ خاصا بدلا ہوا تھا۔

"بیٹھئے افسر صاحب جی، ہم سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ۔"

"یہ کون ہیں۔"

"تو کیوں کھڑی ہے یہاں، چل جا چائے بنا افسر صاحب کے لئے۔" حمیدا نے عورت
کو ڈانٹتے ہوئے کہا، عورت واپسی کے لئے مڑی تو شہاب جلدی سے بولا۔

"سنو بی بی ادھر آؤ...... ادھر آؤ...... حمیدا اسے بلاؤ۔"

"صاحب وہ میری بیوی ہے، اس سے آپ کیا بات کریں گے۔'

"تم یوں نہیں مانو گے، ٹھیک ہے میں چلتا ہوں لیکن اس کے بعد جو ہوگا اس کی ذمہ
داری تم پر ہوگی۔"

"کمال ہے بھئی...... آجا ادھر آجا...... سامنے آنے کا بہت شوق ہے نا تجھے مردوں
کے، آجا۔"

"لو میں کب آرہی تھی، میں تو سمجھی پتا نہیں کیا بات ہے۔"

"بہن کون ہو تم، حمیدا کو بکواس کرنے دو، مجھے بتاؤ کون ہو تم۔" شہاب نے کہا تو لڑکی کی
آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"رفیعہ ہے میرا نام، فرزندہ کی بہن ہوں۔"

"ارے او جہانگیر بادشاہ مجھے بھی تو نکال لے، تیرا بیڑا غرق گھنٹا ہی لے گیا اپنا اتار کر،
ارے میری بھی تو سن لو کوئی۔"

"یہ کون ہے۔"

"ساس ہے جی میری، بیٹے کے غم میں پاگل ہو گئی ہے...... فرزندہ نے سب کو برباد
کر کے رکھ دیا ہے، اب اس بڑھیا کی مصیبت الگ گلے پڑی ہوئی ہے۔"

"فرزندہ نے جو کچھ کیا ہے حمیدا تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے۔"

"بس جی شرم سے آنکھیں ہی جھک جاتی ہیں، بگڑا ہوا لونڈا تھا، گند کر بیٹھا، بے چاری
دو عورتیں ماری گئیں، گھر چھوڑ کر بھاگ گیا...... اب آپ بتاؤ جی میں تو شہر میں نوکری کرتا
تھا، خرچہ بھیجتا تھا اب وہ نوکری بھی ختم کرنی پڑی ہے...... ان دونوں کو شہر لے جا نہیں سکتا،
بڑھیا میری ساس الگ پاگل ہو گئی ہے...... بیٹے کے غم میں اور اسے ویسے یہاں نہیں چھوڑ
سکتا، بڑی پریشانی ہے جی دماغ خراب نہ ہو جائے تو بندہ کیا کرے۔"

"تو تمہارے خیال میں فرزندہ نے وہ سب کچھ کیا تھا جس کا الزام اس پر لگایا گیا ہے۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہو صاحب جی، کیا وہ بڑا شریف زادہ تھا...... بنا رہتا تھا شریف اندر
سے کیا نکلا یہ تو اب پتا چلا ہے نا۔"

"تو یہ خاتون اسی وقت سے پاگل ہو گئی ہے۔"

"ہاں جی۔"

"اور کوئی ایسی بات تم مجھے بتا سکتے ہو جس سے یہ پتا چلے کہ فرزندہ پر کوئی الزام تو نہیں
لگایا گیا۔"

"کون الزام لگائے گا جی، اس کے پاس رکھا ہی کیا تھا جو اس پر الزام لگاتا کوئی، ہاتھ لگ
جاتا اگر شاکو کے تو وہ بتا دیتا، مگر اب کیا کیا جائے ہم ہی بھگت رہے ہیں۔" شہاب کو احساس
ہو گیا کہ یہ حمیدا نامی شخص جو ہے بہت چار سو بیس اور تیز آدمی ہے، شہر میں رہ چکا ہے......
بس میں کنڈیکٹری کر چکا ہے کام کی کوئی بات نہیں بتائے گا لیکن یہ دونوں عورتیں کار آمد

ثابت ہو سکتی ہیں...... ان سے کچھ پوچھ لینا ضروری ہو گا اور اس کے بعد شہاب نے اپنے طور پر ایک فیصلہ کیا اور پھر وہاں سے اُٹھ کر بولا۔

"ٹھیک ہے حمیدا بس تم سے اتنا ہی معلوم کرنا تھا، چلتا ہوں اب۔"

"بڑی مہربانی صاحب جی۔" نجانے کیوں شہاب کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ حمیدا کے گھر سے اسے کچھ کام کی باتیں معلوم ہو سکیں گی۔ اس سلسلے میں کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن پھر اس سلسلے میں بھی الیاس خان ہی کام آئے...... وہ الیاس خان کے گھر پہنچا، الیاس خان گھر ہی میں موجود تھے۔

"مل لئے حمیدا سے۔"

"ہاں، وہ تو بہت غلط آدمی ہے۔"

"ہو گا جی، ہم اپنے منہ سے کسی کو برا یا بھلا کیوں کہیں۔"

"اس کی بیوی رفیعہ بھی عجیب نظر آ رہی تھی، فرزندہ کی ماں پاگل ہو گئی ہے۔"

"اولاد کی برائیوں کی سزا کبھی کبھی ماں باپ کو ہی بھگتنا پڑتی ہے...... اس کا زندہ ثبوت ہے صاحب اور کیا کہیں گے، بے چاری رقیہ اچھی خاصی عورت تھی مگر بس اللہ کی مرضی۔"

"حمیدا کوئی کام وام نہیں کرتا۔"

"بس دس بجے منڈی نکل جاتا ہے...... دلالی کا کام کر لیتا ہے تھوڑے بہت پیسے کما لیتا ہے۔"

"صبح دس بجے۔"

"ہاں۔"

"پھر واپس کب آتا ہے۔"

"بس چار پانچ گھنٹے لگ جاتے ہیں منڈی میں۔"

"منڈی کہاں ہے؟"

"بس رحمان گڑھی سے کوئی چھ کوس کے فاصلے پر ہے۔"

"اچھا...... اچھا۔" شہاب نے کہا۔

بہر حال دوسرے دن کا انتظار کرنا تھا، دوسرے دن دس بجے کے بعد وہ خاموشی سے حمیدا کے دروازے پر پہنچا، دستک دی تو بے چاری رفیعہ نے ہی دروازہ کھولا تھا...... شہاب کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئی، خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

"جی صاحب جی۔"

"رفیعہ بہن میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ تم مجھے سگے بھائی کی مانند سمجھو مگر میرے دل میں تمہارے لئے بہن جیسی ہی عزت ہے، تھوڑی سی کچھ باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں تم سے، میں نے کل ہی بتا دیا تھا کہ میں پولیس افسر ہوں...... کیا تم میری مدد کرو گی۔"

"کیوں نہیں صاحب جی اندر آ جاؤ، رفیعہ کے لہجے میں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔

شہاب اندر داخل ہوا تو رفیعہ نے دروازہ بند کر دیا اور بولی۔

"صاحب جی اگر گھر میں کوئی آئے گا تو میں اس سے کہہ دوں گی کہ گھر میں کوئی نہیں ہے...... آپ ذرا مہربانی کر کے کسی کو اپنے یہاں آنے کا پتا نہیں چلنے دینا۔"

"تم اطمینان رکھو بہن، بہر حال اس وقت تم ایک بھائی کے سامنے ہو۔"

"آپ کی بڑی مہربانی، اللہ آپ کو خوش رکھے۔" رفیعہ نے کہا۔

"تھوڑی سی باتیں معلوم کروں گا میں تم سے اور دیکھو جذبات سے الگ ہٹ کر بات کرنا، جھوٹ نہ بولنا، ممکن ہے میں تمہارے کام ہی آ جاؤں۔"

"اللہ کی قسم جھوٹ نہیں بولیں گے۔" رفیعہ نے کہا۔

"رفیعہ فرزندہ پر جو الزام لگایا گیا ہے...... کیا فرزندہ ایسا کر سکتا ہے؟"

"مرحوم باپ کی قسم میرا بھائی ایسا نہیں ہے...... وہ کبھی یہ کچھ نہیں کر سکتا، وہ تو بڑا شرمیلا اور بہت اچھا تھا، الزام ہے اس پر، سب جھوٹ ہے...... میں آپ کو ایک بات بتاؤں حمیدا جو ہے نا بڑا لالچی ہے، جب یہ قصہ ہوا تو حمیدا ادھر آیا ہوا تھا۔ حمیدا کو کسی نے بلایا، اسے پیسے دیئے اور اس کے بعد سے حمیدا یہیں ہے...... حمیدا نے خود گواہی دی تھی، کچہری جا کر کہ فرزندہ نے یہ حرکت کی ہے، بس صاحب جی پیسے کی وجہ سے اس نے یہ سب کچھ کیا ہے اور اماں پاگل تھوڑی ہے...... اماں کو تو پاگل کہہ کر اس نے اندر بند کر دیا ہے۔ اب ایک انسان جس کے دل میں غم کے اتنے سارے بوجھ ہوں تو کیا وہ ہوش میں رہے گا۔ اب اماں جہانگیر بادشاہ کی زنجیر ہلانا چاہتی ہے تا کہ انصاف مانگے...... صاحب جی میرا بھائی بالکل ایسا نہیں ہے اس پر الزام لگایا گیا ہے۔"

"ایک بات بتاؤ رفیعہ کیا فرزندہ کو جان سے مار دیا گیا ہو گا۔"

"کچھ نہیں کہہ سکتے صاحب جی، میں تو گھر کی عورت ہوں بس ہم پر برا وقت آپڑا ہے۔ پتا نہیں میرا بھائی کہاں ہے مگر وہ ایسا نہیں تھا۔"

"پورے اعتماد کے ساتھ کہتی ہو۔"

"ہاں۔"

"حمیدا کو پیسے کس نے دیئے تھے اور یہ بات تمہیں کیسے معلوم ہوئی۔"

"شہر سے بلایا گیا تھا اسے جی، مہینے میں پچاس ساٹھ روپے بھیج دیا کرتا تھا، جب آیا تو تب بھی اس کے پاس سوڈیڑھ سو روپے ہی تھے، لیکن تین چار دن کے بعد نوٹوں کی یہ موٹی گڈی اس کے پاس دیکھی میں نے، تب سے اب تک شہر واپس نہیں گیا ہے، نوکری چھوڑے آرام سے بیٹھا کھا رہا ہے، اماں کا بھی کوئی علاج وغیرہ نہیں ہو رہا۔"

"ٹھیک ہے تم بے فکر رہو رفیعہ اگر فرزندہ بے قصور ہے تو میں اسے بچاؤں گا۔ میں اسی لئے یہاں آیا ہوں...... میرے یہاں آنے کا ذکر کسی سے نہ کرنا، میں نے تم سے کچھ نہیں پوچھا سمجھ رہی ہونا، میرا وعدہ ہے کہ تم لوگوں کو میرے ہاتھوں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"ٹھیک ہے صاحب جی اللہ آپ کا بھلا کرے۔" پھر شہاب وہاں سے نکل آیا تھا اور نجانے کیوں پہلی بار اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ کوئی کام کی بات معلوم ہوئی ہے، ویسے اسے حیرت تھی کہ شاکو جس نے اس کی نگاہوں کے سامنے جواد بیگ پر حملہ کیا تھا ابھی تک یہاں نہیں پہنچا، یا تو وہ ابھی جواد بیگ ہی کی تلاش میں سرگراں ہے یا پھر فرزندہ کی تلاش میں لگا ہوا ہو گا۔ فرزندہ بھی تو اس کی لسٹ میں آتا ہے، ابھی اس نے ارمان شاہ کے بارے میں نہیں سوچا ہو گا کیونکہ بہر حال یہ اس کے لئے سب سے مشکل ترین مرحلہ ہے لیکن ارمان شاہ کی بے نیازی واقعی قابل غور اور قابل تحسین تھی۔ کیا واقعی یہ شخص بے گناہ ہے اور اپنی بے گناہی پر یقین رکھتے ہوئے سوچتا ہے کہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ شاکو بھی ابھی تک یہاں نہیں آیا تھا، لیکن بہر حال حمیدا قابل توجہ شخصیت تھی اور رفیعہ نے جو کچھ بتایا تھا اس پر غور کرنا بھی بہت ضروری تھا۔ وہ رقم آخر حمیدا کے پاس کہاں سے آئی، دیکھنے میں بھی حمیدا ایک شاطر آدمی معلوم ہوتا تھا اور چہرے سے کافی خطرناک نظر آتا تھا۔ شہاب کا انداز فکر بدل گیا، پہلے سے بھی اس کے کئی تجربات اسی طرح کے تھے اور انہی تجربات کے تحت اسے ایک ایسی جگہ کی تلاش ہوئی جہاں وہ چھوٹا موٹا کام کر سکے اور بات بن گئی۔ رحمان گڑھی کے

مشرقی حصے میں ایک سوکھی ندی تھی جس کے اوپر پل بنا ہوا تھا۔ اس بوسیدہ پل سے کبھی کوئی کام لیا جاتا رہا ہوگا، اب تو اس کے دونوں طرف کی سڑک ہی ٹوٹی ہوئی تھی، پل کے نیچے البتہ ایسی جگہ تھی کہ وہاں آرام سے کوئی بھی کام کیا جا سکے، آس پاس بھی کوئی ایسا خطرہ نہیں تھا جو کسی کے دیکھ لئے جانے کا ہو۔ بہر حال شہاب نے اپنے طور پر ایک فیصلہ کیا اور پھر اس فیصلے پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گا۔ حمیدا کو سنبھالنا ذرا مشکل کام تھا لیکن اس کے لئے شہاب نے تھوڑا سا وقت برباد کرنا مناسب سمجھا تھا۔ یہ اندازہ لگا لیا تھا اس نے کہ ارمان شاہ نے اس کی طرف خاص توجہ نہیں دی ہے، حیرت تو اسے اس بات پہ تھی کہ حویلی میں نامناسب انتظامات ہونے کے باوجود ارمان شاہ شاکو کے مسئلے میں بالکل بے فکر تھا، آخر اس کی وجہ کیا ہے یا تو اس نے اتنے خفیہ اور مضبوط انتظامات کر رکھے ہیں کہ اسے شاکو کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے یا پھر وہ پاگل آدمی ہے...... بہر حال شہاب کو کافی دیر تک حمیدا کا انتظار کرنا پڑا تھا، اس دن حمیدا منڈی جانے کے لئے ذرا دیر ہی سے نکلا تھا۔ شہاب نے اس کا تعاقب کیا اور بڑی احتیاط کے ساتھ اس کا پیچھا کرتا رہا، پھر ایک مخصوص جگہ پہنچ کر شہاب اچانک ہی حمیدا کے سامنے آگیا۔ حمیدا چونک کر رک گیا تھا، اس نے شہاب کو دیکھا اور بولا۔

"صاحب جی آپ ادھر، یہاں کیا کر رہے ہو آپ۔"

"نہیں اتفاق کی بات ہے حمیدا، وہ سامنے جو تمہیں ٹوٹا پل نظر آ رہا ہے نا اس کے نیچے میں نے ایک ایسی چیز دیکھی ہے جسے دیکھ کر میں حیران ہو گیا تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ کسی کو اس طرف بلا کر دکھاؤں تو سہی ہے کیا۔"

"کیا ہے صاحب جی۔"

"حیرت کی بات ہے حمیدا آؤ ذرا ایک منٹ کے لئے ساتھ۔"

"ایسی کیا چیز ہے صاحب جی...... حمیدا نے کہا لیکن شہاب آگے بڑھ گیا تھا۔ حمیدا بحالت مجبوری اس کے پیچھے چل پڑا کیونکہ اس سے پہلے شہاب اسے اپنے پولیس آفیسر ہونے کی دھمکی دے چکا تھا، پل کے نیچے پہنچنے کے بعد شہاب نے کہا۔

"حیرت کی بات ہے حمیدا کہ یہاں دور دور تک کوئی نہیں ہے دیکھ رہے ہو نا۔"

"ہاں...... صاحب جی مگر آپ مجھے کیا چیز دکھانے کے لئے لائے تھے۔"

"اصل میں حمیدا مجھے کسی نے کچھ رقم دی ہے اور کہا ہے کہ تمہیں یہاں ہلاک کر دوں

اور یہیں تمہاری لاش کسی گڑھے میں دفن کر دوں، بس سمجھ لو میں نے تمہارے گھر سے تمہارا پیچھا کیا ہے اور اب تم میرے قبضے میں آگئے ہو...... مجھے معاف کرنا دوست دولت کے لئے انسان کیا کچھ نہیں کرتا، یہ میری مجبوری ہے ورنہ میری تم سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔"

"کک کیا کہہ رہے ہو صاحب، ہم کیا کہیں آپ سے آپ تو ویسے بھی پولیس والے ہو۔"

"ہم بھی تو انسان ہوتے ہیں حمیدا اور پھر دس ہزار روپے کی رقم کم نہیں ہوتی، کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا کہ ہم نے تمہیں مار دیا۔"

"دیکھو صاحب جی ایک بات کہیں آپ سے چوڑیاں ہم نے بھی نہیں پہن رکھی ہیں، آپ کیا کرو گے ہمیں گولی مار دو گے۔"

"نہیں پستول کی آواز تو دُور دُور تک سنی جائے گی، میں تمہیں گردن دبا کر مار دوں گا۔"

"صاحب جی گیارہ سال تک پہلوانی کی ہے ہم نے، ایک بہت بڑے استاد کے پٹھے رہے ہیں، جان بچانے کے لئے آپ سے مقابلہ کریں گے جی، مقابلے میں ہار گئے تو بات دوسری ہے ورنہ ہمیں مارنا آپ کے لئے اتنا آسان نہیں ہوگا۔"

"ہوئی نامردوں والی بات، آجاؤ پھر۔" شہاب نے کہا اور حمیدا کو بھی طیش آگیا، چنانچہ دونوں سامنے آگئے، اب حمیدا نے پہلوانی بے شک کی ہوگی لیکن مارشل آرٹس کا معاملہ دوسرا تھا۔ حمیدا دونوں ہاتھ سیدھے کر کے آگے بڑھا لیکن شہاب کی لات اس کے پیٹ پر پڑی تھی اور وہ دوہرا ہو گیا تھا، دوسری لات اس کی ٹھوڑی کے نیچے پڑی اور وہ زمین پر چت ہو گیا، اس کی کمر میں چوٹ لگی تھی۔ شہاب نے برق رفتاری سے اس کے دونوں پاؤں پکڑے اور انہیں ایک مخصوص انداز میں موڑ کر ایک دوسرے پر چڑھا دیا۔ یہ ایسی اذیت ناک اور کرب ناک کیفیت ہوتی تھی کہ پنڈلی کی دونوں ہڈیاں ایک دوسرے پر جم جاتی تھیں اور پاؤں پر اتنا دباؤ پڑتا تھا کہ انسان کے لئے اذیت برداشت کرنا مشکل ہو جائے۔ حمیدا نے اس عجیب و غریب داؤ کو نکالنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکا، تب شہاب ہنستا ہوا آگے بڑھا اور بولا۔

"یہ تو بہت معمولی سا داؤ تھا حمیدا ابھی تمہاری ریڑھ کی ہڈی کے سارے منکے بھی ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔"

"ارے تیرا...... ارے تیرا ستیاناس، ارے تیرا بیڑا غرق چھوڑ دے، چھوڑ دے، ہار گئے ہیں ہم تجھ سے...... ابے یہ کیا کیا...... او پولیس افسر خدا تجھے غارت کرے۔"

"اب تمہاری موت تو لازمی ہے حمیدا، تم نے اس وقت یہ بات نہیں سوچی تھی جب تم نے فرزندہ کے لئے ایک بڑی رقم وصول کی تھی۔" شہاب نے کہا اور حمیدا چیختے چیختے بے ہوش ہو گیا، اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کک کیا کہہ رہے ہو افسر صاحب، تمہیں اللہ کا واسطہ میری ٹانگیں کھول دو، میں تو تکلیف ہی سے مر جاؤں گا۔"

"چلو اگر تم اسی طرح پڑے رہنے کا وعدہ کرو تو میں تمہاری ٹانگیں کھول دیتا ہوں لیکن اس کے بعد میں تمہاری ریڑھ کی ہڈی پر داؤ لگاؤں گا اور تم زندگی بھر کھڑے نہیں ہو سکو گے، کیا سمجھے۔"

"تمہیں خدا کا واسطہ میری ٹانگیں صحیح کر دو۔"

شہاب نے بہر حال زور لگا کر حمیدا کی ٹانگیں سیدھی کر دیں، لیکن وہ یہ بات جانتا تھا کہ حمیدا اب بھی اگر کھڑے ہونے کی کوشش کرے گا تو آدھے گھنٹے تک یہ کام آسان نہیں ہوگا۔

"ہاں حمیدا اب جو کچھ میں تم سے پوچھوں تم مجھے بتاؤ۔"

"ارے مر گئے ہم تو، پوچھو، پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو صاحب۔"

"وہ رقم تمہیں کس نے دی تھی اور کس لئے دی تھی۔"

"افسر صاحب کون سی رقم کی بات کر رہے ہو۔"

"بہکنے لگے، اس کا مطلب ہے کہ موت آ ہی گئی ہے تمہاری۔" شہاب نے ایک قدم آگے بڑھایا تو حمیدا چیخ پڑا۔

"نہیں، آپ یقین کرو افسر صاحب جی وہ بڑے رحم دل آدمی ہیں...... ہم، ہم ہی دھوکا کھا گئے تھے۔"

"وہ جی بات اصل میں یہ ہے کہ ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ فرزندہ نے ایسا سب کچھ نہیں کیا تھا، وہ تو بس دھوکے میں آ گیا تھا۔ فرزندہ سے بات ہوئی تھی ہماری ہمیں معلوم تھا جی، صاحب جی آپ کو ایک بات بتائیں، صاحب جی آپ کو اللہ کا واسطہ ہمارا نام مت لینا ورنہ ہم تو کتے کی موت مارے جائیں گے، صاحب جی بس غلطی ہو گئی تھی ہم سے، ہمیں معاف

کر دیں جی۔"

"پھر فضول باتیں شروع کر دیں تم نے، کیا قصہ تھا پوری تفصیل بتاؤ مجھے ورنہ اس کے بعد تم نے ایک لفظ اِدھر اُدھر کا کہا تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔"

"صاحب جی حویلی کا پچھلا حصہ جو ہے نا ادھر ایک نظر مار لینا، ہمیں جو رقم دی تھی نا، شاہ جی نے دی تھی، بڑے شاہ جی نے، بڑے شاہ جی نے کہا کہ فرزندہ کچھ کر کے بھاگ گیا ہے، وہ بالکل الگ بات ہے لیکن اس کی بہن اور ماں کے لئے بڑے شاہ جی کچھ رقم دینا چاہتے ہیں جسے احتیاط سے ان دونوں پر خرچ کیا جائے اور انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دی جائے، صاحب جی اس وقت جو ہمیں معلوم ہوا تھا وہ بڑا عجیب تھا اور اس کے لئے بڑے شاہ جی نے ہمیں یہ رقم دی تھی جی اور ایک بات اور بتائیں جی آپ کو صاحب جی وہ جو ہے نا شاکر خان کی بھتیجی وہ فرزندہ کے پاس ہے اور فرزندہ جی شہر میں رہتا ہے...... ہم نے ہی اس کی رہائش کا بندوبست کیا ہے...... ہم شہر میں کنڈیکٹری کرتے تھے جی، بس جی ایک لمبی کہانی ہے یہ۔"

"سناؤ۔" شہاب نے غراتی ہوئی آواز میں کہا اس کے فرشتوں کو بھی گمان نہیں تھا کہ حمیدا اتنے کام کا آدمی نکلے گا۔ بہر حال حمیدا نے اسے جو کہانی سنائی شہاب اسے سن کر ششدر رہ گیا تھا۔ شہاب کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے حمیدا کو دیکھ رہا تھا۔ آخر میں حمیدا نے کہا۔

"صاحب جی آپ نے ہمیں سولی پر لٹکا دیا ہے...... بڑے شاہ جی بہت اچھے آدمی ہیں، بڑے نیک انسان ہیں کسی کا برا نہیں چاہتے وہ لیکن انسان کبھی کبھی اتنا ہی مجبور ہو جاتا ہے۔ صاحب جی آپ کو اللہ کا واسطہ ویسے جو کچھ بھی ہو گا دیکھا جائے گا، لیکن اگر ہو سکے تو یہ بات بڑے شاہ جی تک نہ پہنچنے دینا یا ہمارا نام مت لینا، باقی آپ کی مرضی ہے جی ہمارا تو کچھ بھی نہیں ہے، مارے جائیں گے آپ مار دو یا بڑے شاہ جی مروا دیں ہمیں کچھ بھی ہو جائے۔"

"حمیدا مجھے تم سے پوری ہمدردی ہے اور تم یہ مت سمجھنا کہ جو وعدہ میں نے تم سے کیا ہے اسے پورا نہیں کروں گا۔ تم یوں کرو منڈی جا رہے ہو نا شہر نکل جاؤ، کچھ دن کے لئے شہر نکل جاؤ وہیں رہو بلکہ جو کام کر رہے تھے وہ نہ کرو...... یہاں تمہاری بیوی اور ساس ہے ان دونوں کے علاوہ تو اور کوئی نہیں ہے۔ تم بالکل بے فکر رہو، انہیں تھوڑی سی رقم میں پہنچا دوں گا کہہ دوں گا کہ تم کسی ضروری کام سے شہر چلے گئے ہو۔ کیا سمجھے، حالات جب

ٹھیک ہو جائیں تو تب آ جانا۔"

"ٹھیک ہے صاحب جی اگر آپ یہ حکم دیتے ہو تو ہم یہ کام کر لیں گے۔"

"تم بے فکر رہو...... میں تمہیں ایک پتا بتائے دیتا ہوں اگر شہر میں تمہیں کوئی اور ٹھکانہ نہ ملے تو اس وقت تک جب تک کہ میں اپنا کام مکمل نہ کر لوں تم اس پتے پر جا کر رہ سکتے ہو۔"

"صاحب جی...... جو آپ کا حکم، آپ نے ہم پر یہ مہربانی کی، اللہ آپ کو خوش رکھے، تو کیا صاحب جی اب ہم جائیں یہاں سے۔"

"سیدھے منڈی جانا اور وہاں سے شہر نکل جانا، اگر تم نے رقم لے کر زیادہ وفاداری دکھانے کی کوشش کی تو پھر سمجھ لو کہ میرے لئے بھی مشکل ہو جائے گا کہ میں تمہیں چھوڑ دوں۔"

"کوئی دماغ خراب ہوا ہے ہمارا صاحب جی ویسے ایک بات کہیں آپ سے، پہلے گھر جائیں گے اور رفیعہ کو سمجھا دیں گے کہ اچانک ہی شہر جانا پڑ گیا ہے...... مہینہ دو مہینے میں واپس آئیں گے...... صاحب جی آپ اسے رقم کیوں دیتے ہو وہ رقم تو بڑے شاہ جی نے ان دونوں کے لئے دی تھی نا...... ہم تھوڑی سی رقم انہیں دیئے دیتے ہیں، ان کا کام بن جائے گا۔ بس صاحب جی۔"

"حمیدا ایک بار پھر سوچ لو۔"

"صاحب جی اب کوئی قسم تو کھا نہیں سکتے ہم، ارے ہمیں کیا پڑی ہے اپنی گردن پھنسائیں، گردن نکل رہی ہے تو نکالنے کی کوشش کیوں نہ کریں۔"

"بہت اچھی بات ہے تو پھر جاؤ تا کہ تمہیں میرے ساتھ نہ دیکھا جا سکے۔" شہاب نے کہا اور حمیدا لنگڑاتا ہوا آگے بڑھنے لگا، وہ بڑی مشکل سے چل رہا تھا۔ شہاب کافی دیر تک وہاں کھڑا رہا اور اس کے بعد شہاب کے لئے بھی ضروری تھا کہ وہ حمیدا پر نگاہ رکھے، اس نے حمیدا سے اتنا فاصلہ اختیار کر رکھا تھا کہ حمیدا کو اپنے گھر میں داخل ہوتا دیکھ کر شہاب نے ایک گہری سانس لی تھی اور اس کے بعد کوئی بیس منٹ کے بعد حمیدا باہر نکلا تھا۔ اب اس کی چال ٹھیک ہی تھی، پھر وہ اسی راستے سے گزر کر آگے بڑھ گیا۔ شہاب نہایت چالاکی کے ساتھ اس کا پیچھا کر رہا تھا اور جب حمیدا رحمان گڑھی سے باہر نکل گیا تو شہاب کو اطمینان ہوا اور وہ واپسی کے لئے پلٹ پڑا لیکن اس کا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا جو واقعات حمیدا نے سنائے

تھے اگر وہ واقعی سچ تھے تو یہ ایک نہایت حیرت انگیز کہانی تھی اور اس کے بہت سے پہلو ابھی تشنہ تھے۔ حمیدا کے بارے میں یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ واقعی نکل گیا ہے لیکن پھر بھی شہاب نے اس کی تصدیق کر لینا مناسب سمجھا، حویلی کی طرف جاتے جاتے اس نے راستہ بدل لیا اور حمیدا کے گھر پہنچ گیا، ایک بار پھر دستک دی تو رفیعہ نے دروازہ کھولا، شہاب نے رفیعہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"رفیعہ بہن اس وقت میں تم سے زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ ایک وعدہ کیا ہے میں نے تم سے کہ تمہارے بھائی کو بے قصور ثابت کر کے تم تک پہنچا دوں گا۔ اس میں کچھ اور بے قصور لوگ بھی پھنسے ہوئے ہیں ان کی گردن بھی نکالنی ہے، مسئلہ صرف یہ ہے کہ تم مجھے ایک بات اور سچ سچ بتا دو۔"

"پوچھئے بھائی، کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"حمیدا کہاں گیا۔"

"شہر کا کہہ کر گیا ہے۔ یہ اتنے سارے پیسے دے گیا ہے مجھے کہنے لگا تھا کہ دو تین مہینے میں واپس آئے گا اور کوئی پوچھے تو یہ کہہ دوں کہ شہر واپس چلا گیا ہے۔ بس اتنی سی بات ہے۔"

"کچھ کپڑے وغیرہ لے گیا ہے اپنے۔"

"ہاں، چار جوڑے لے گیا ہے وہی تھے اس کے پاس۔"

"بس یہی پوچھنا تھا اور جو کچھ وہ کہہ گیا ہے وہی تم پوچھنے والوں کو کہو گی کسی کو کوئی حقیقت بتانے کی کوشش نہ کرنا اور یہ بھی نہ کہنا کہ میں تمہارے پاس آیا تھا۔"

"جی بھائی جی۔" رفیعہ نے جواب دیا اور اس کے بعد شہاب وہاں سے واپس چل پڑا، پھر کچھ دیر کے بعد وہ حویلی میں داخل ہو رہا تھا۔

بہر حال اپنی آرام گاہ میں پہنچنے کے بعد نجانے کب تک وہ ذہنی پریشانی کے عالم میں ڈوبا رہا تھا اور پھر معمولات کے مطابق فراغت حاصل کر کے وہ زرینہ کے پاس پہنچا تھا۔ زرینہ مجسم اخلاق بنی ہوئی تھی ویسے اخلاق احمد بھی موجود تھے۔ انہوں نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے شہاب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آؤ بھتیجے اب تو بھئی تم نے اس طرح ہماری تنہائیوں پر قبضہ جمالیا ہے کہ جب بھی دیکھو تمہارے ہی بارے میں گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ کہو کیا ہو رہا ہے۔"

"کوئی خاص کام نہیں اخلاق احمد صاحب۔"

"یار ویسے تو تم یقینی طور پر پولیس کے افسر ہو جب تم نے ان خاتون کو پھوپھی جان کہنا قبول کر لیا ہے تو ہمیں بھی پھوپھا جان کہہ لیا کرو، تھوڑی بہت خوشی ہمیں بھی حاصل ہو جائے گی۔"

"سوری پھوپھا صاحب۔"

"کہو کیسی گزر رہی ہے یہاں ویسے ایک بات کہیں تم سے، تمہارا جو اصل مقصد ہے نا وہ پتا نہیں پورا ہو رہا ہے یا نہیں جہاں تک شاکو کا معاملہ ہے تو شاکو شاید ادھر کا رخ نہ کرے۔ اصل میں حویلی میں بہت زیادہ پہرے وغیرہ کا بندوبست تو نہیں ہے لیکن شاہ جی کا معاملہ کچھ ایسا ہے کہ ان کے بارے میں کوئی بری بات سوچتے ہوئے خود بخود ذہن ڈانوا ڈول ہو جاتا ہے۔ یہ بات تو بہر حال تمہارے علم میں آ ہی چکی ہے کہ عدالت میں شاہ جی نے شاکو کے خلاف بیان نہیں دیا تھا بلکہ سچی بات یہ ہے کہ جو حقیقت تھی وہ بیان کر دی تھی اور یہ ان کی مجبوری تھی۔"

"ہاں..... ہاں کیوں نہیں..... لیکن اب میں اسے کیا کروں، محترم پھوپھا جان کہ میری ڈیوٹی ہی ایسے لگا دی گئی ہے۔"

"ہاں، یہ بات بھی ٹھیک ہے لیکن معاف کرنا سرکاری عہدے دار ویسے بھی ذرا اپنے فرائض پورے کرنے میں پیچھے ہی رہتے ہیں۔ اگر آرام کر رہے ہو تو بے شک کرو حالانکہ رحمان گڑھی کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں سیر و سیاحت کا لطف اٹھایا جائے، کوفت نہیں ہو رہی تمہیں یہاں۔"

"نہیں کوفت کا کیا سوال ہے، اس بات کے امکانات میں کہ شاکو کسی وقت یہاں پہنچ جائے۔"

"فرض کرو اگر وہ یہاں پہنچ گیا تو کیا کر لو گے۔" اخلاق احمد نے پوچھا۔

"جہاں تک ممکن ہو سکا کوشش کروں گا کہ شاہ جی کو اس سے کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے، ویسے اخلاق صاحب شاہ جی کا ماضی بالکل تاریکی میں ہے..... میرا مطلب ہے کہ ارمان شاہ صاحب کے اور ایسے بھائی بہن وغیرہ کا کوئی پتا نہیں ملتا جو یہاں رہتے ہوں۔" شہاب نے اخلاق احمد صاحب کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا اور ایک لمحے کے اندر اسے احساس

ہو گیا کہ اخلاق احمد کے چہرے کا رنگ بدلا ہے لیکن صرف ایک لمحے کے لئے اس کے بعد فوراً انہوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا، پھر آہستہ سے بولے تھے۔

"ہاں بے چارے تنہا ہی ہیں اور کوئی نہیں ہے بھائی بہن وغیرہ۔"

"تھے ہی نہیں یا۔"

"نہیں میرا خیال ہے ماں باپ کے اکلوتے ہی تھے وہ اور ویسے بھی کافی عرصے تک ملک سے باہر رہے ہیں، بہت زیادہ تفصیلات تو مجھے نہیں معلوم لیکن جب سے میرا اور ان کا ساتھ ہوا ہے اس کو بھی کوئی معمولی وقت نہیں گزرا، تبھی سے مجھے ان کے بارے میں معلومات حاصل ہیں، پتا نہیں ملک سے باہر رہے ہیں یار حمان گڑھی سے باہر انہوں نے خاصا وقت گزارا ہے۔ رحمان گڑھی کی اس حویلی میں بہت سے ملازم ہوا کرتے تھے بلکہ یوں سمجھو کہ پرانے ملازموں میں سے اب تو کوئی ہے ہی نہیں، سب کے سب نئے ہیں، میرا مطلب ہے ارمان شاہ صاحب کے دور کے، رحیم شاہ جی تو بس اللہ لوگ آدمی تھے۔ وہ بھی اچھی زندگی گزار گئے اور جہاں تک ارمان شاہ صاحب کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں تو پوری بستی سے پوچھ لو سب ایک ہی بات کہیں گے کہ بڑے اچھے انسان ہیں۔"

"جی۔" شہاب نے آہستہ سے کہا، کوشش تو کی تھی اس نے اور اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ اخلاق صاحب تھوڑا بہت کچھ جانتے ہیں لیکن ایک لمحے کے اندر اندر انہوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ ظاہر ہے ارمان شاہ صاحب کے وفادار تھے اور پھر تھوڑی بہت جو تفصیل شہاب کے علم میں آئی تھی وہ ایسی عجیب و غریب نوعیت کی حامل تھی کہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، مجموعی طور پر یہ ایک دلچسپ کیس تھا اور شہاب سوچ رہا تھا کہ اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے۔ وہ اگر چاہتا تو زرینہ بیگم کو جذباتی طور پر متاثر کر سکتا تھا اور اس صورت حال میں شاید کوئی کام کی بات بن جاتی لیکن پھر اس نے یہ فیصلہ ترک کر دیا، ایک اور تصور اس کے ذہن میں آیا تھا اور اس تصور کے تحت وہ کوئی بہتر عمل کرنا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے اسی رات کوشش کر کے ارمان شاہ صاحب تک رسائی حاصل کی۔ ارمان شاہ صاحب بڑے ڈرائنگ روم میں بیٹھے کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے، ان کے خصوصی ملازم نے انہیں اطلاع دی کہ شہاب ان سے ملنا چاہتا ہے تو انہوں نے فوراً ہی شہاب کو طلب کر لیا اور ہنس کر بولے۔

"آیئے افسر صاحب بھئی آپ تو یہاں ہماری حفاظت کے لئے آئے ہیں۔ آپ کو

...لینے کی کیا ضرورت ہے، جب چاہیں جدھر داخل ہو سکتے ہیں زیادہ سے زیادہ پوچھ گچھ ...کہہ دیں گے کہ کسی پراسرار سائے کو اندر داخل ہوتے دیکھا ہے اور اس کا تعاقب کرتے ...یہاں آ گئے ہیں۔ آیئے، بیٹھئے، کہئے ہماری حفاظت کا انتظام کیسا چل رہا ہے۔" شہاب ...خوشی سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا اور پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارمان شاہ صاحب آپ کو اندازہ ہے کہ محکمہ پولیس سپیشل ڈیپارٹمنٹ یا اس طرح کے دوسرے محکمے کس کیفیت کے حامل ہیں، ذمہ داریاں سپرد کی جاتی ہیں لیکن بعض اوقات ذمہ داریوں کا سرپاؤں نہیں ہوتا اور انسان خود یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے اس کا کوئی مفہوم بھی ہے یا نہیں۔" شہاب کے ان الفاظ کو ارمان شاہ غور سے سنتا رہا، پھر آہستہ سے بولا۔

"ہاں اس میں کوئی شک تو نہیں ہے لیکن عزیزی اپنی ذمہ داریوں سے اکتاہٹ کا اظہار نہیں کرنا چاہئے جو کچھ کر رہے ہو اس سے وفادار رہو، کہیں ایسا محسوس کرتے ہو کہ کام غیر ذمہ داری کے ساتھ ہو رہا یا غیر مناسب ہو رہا ہے تو اگر موقعہ مل جائے تو اپنی تجویز بے شک پیش کر دو لیکن ہماری رائے تو یہ ہے کہ بیزاری کا اظہار یا اپنے اعلیٰ افسران کے بارے میں تاثرات خراب نہ خود رکھو اور نہ کسی کے دل میں پیدا ہونے دو۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں جناب لیکن اب آپ ہی سوچئے، آپ ہنس رہے ہوں گے اس بات پر کہ خطرہ آپ کی زندگی کو ہے جسے سرکاری طور پر محسوس کیا گیا ہے۔ آپ خود اسے ذرا برابر اہمیت نہیں دے رہے لیکن سپیشل ڈیپارٹمنٹ کا ایک آدمی یہاں عیش و آرام کی زندگی گزار رہا ہے آپ کی حفاظت کے نام پر۔"

"بھئی اگر سپیشل ڈیپارٹمنٹ محکمہ پولیس اور انتظامیہ تمہیں یہاں بھیج کر مطمئن ہے تو میں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں، مہمان تو خیر کسی کو بھی برے نہیں لگتے، گزار لو کچھ وقت یہاں، کیا فرق پڑتا ہے۔"

"ارمان شاہ صاحب ابھی تھوڑے ہی دن قبل میری شادی ہوئی ہے، بیوی کی شدید خواہش تھی کہ اگر ہنی مون کے لئے نہ سہی تو کم از کم بلی کی طرح سات گھر تو اسے دکھا دوں مگر پہلا گھر تک نہ اسے دکھا سکا۔ رحمان گڑھی کا ماحول مجھے بے حد خوبصورت لگا ہے، خصوصاً یہاں زندگی کا ایک انداز جو یہاں انتہائی حسین اہمیت کا حامل ہے اس کا کوئی جواب نہیں ہے،

چلئے اگر آپ کی حفاظت کے نام پر مجھے یہاں تھوڑا سا وقت دے دیا گیا ہے تو کم از کم آپ مجھے اس بات کی اجازت دے دیجئے کہ تھوڑے دن کے لئے اپنی بیوی کو بھی یہاں بلا لوں، آپ کے مہمان رہ جائیں گے، کچھ روز دعائیں ہی کریں گے۔ آپ کے لئے ویسے تو آپ جیسے درویش صفت انسانوں کو ہم جیسے گناہ گاروں کی دعائیں۔"

"نہ، نہ میاں نہ...... ایسی بات مت کہنا یہ بات تو جاننے والا ہی جانتا ہے کہ کون کیا ہے۔ دعا تو ہر شخص کی ہی سنی جاتی ہے کس کی دعا کس کے لئے کارگر ہو جائے اس کا فیصلہ کرنا ہمارا کام نہیں ہے اور جہاں تک تم نے اپنی بیوی کو یہاں بلانے کی بات کی تو پہلے تو ہم تمہاری یہاں آمد کو بے مقصد بات سمجھ رہے تھے لیکن اب ہم خود ڈی آئی جی سے درخواست کریں گے کہ ہمیں تمہاری ضرورت ہے اور کچھ وقت یہاں گزار لو، تم تو یہاں سرکاری طور پر بھیجے ہوئے آدمی ہو لیکن ہم دعوت دیتے ہیں کہ اپنی بیگم کو یہاں ہمارے مہمان کی حیثیت سے بلاؤ اور فوراً بلا لو...... ہمیں خوشی ہو گی۔"

"جناب عالی سرکاری ذمہ داریاں تو بعض اوقات بڑی مشکل اہمیت کی حامل ہوتی ہیں لیکن آپ جیسے کسی مشفق انسان کی محبت بھی حاصل ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اسے ہم ڈیوٹی کے خوشگوار دور کی فہرست میں شامل کر سکتے ہیں۔"

"خلوص کے ساتھ تم یہاں قیام کرو اور اپنی بیگم کو بلا لو، ہم ہدایت کر دیں گے کہ ہماری مہمان کو یہاں کوئی تکلیف نہ ہو...... ہاں، ایک خاص بات ہم تم سے کہنا چاہتے ہیں ہر انسان اپنی کمزوریوں کو چھپانے کا خواہشمند ہوتا ہے، یوں سمجھ لو کہ ہم اپنی ایک کمزوری تم سے چھپانا چاہتے ہیں۔" شہاب سنجیدہ نگاہوں سے ارمان شاہ کو دیکھنے لگا تو ارمان شاہ نے کہا۔

"ہر انسان مختلف مزاج کا حامل ہوتا ہے۔ میری بیگم مسرت جہاں بس یہ بات میں تمہیں اس لئے بتا رہا ہوں کہ کہیں تمہیں کوئی خاص احساس نہ ہو، مسرت جہاں بہت اچھے خاندان کی خاتون ہیں لیکن ایک ایسے خاندان سے ان کا تعلق ہے جو اپنے آپ کو ہمیشہ احساس برتری میں مبتلا سمجھتا رہا ہے۔ مسرت جہاں کی بھی یہی کیفیت ہے میں تم سے پہلے سے معذرت خواہ ہوں اس سلسلے میں کہ ممکن ہے مسرت جہاں تمہاری بیگم کو اس انداز میں خوش آمدید نہ کہہ سکیں جس طرح مہمانوں کو خوش آمدید کہا جاتا ہے، اپنے آپ میں محدود رہنے کی عادی ہیں بس وہ جو ذرا کہتے ہیں ناکہ موڈی قسم کی خاتون ہیں، تمہاری بیگم کو کہیں یہ شکایت نہ ہو کہ انہوں نے تمہاری بیگم کے ساتھ بہت اچھا سلوک نہیں کیا البتہ اس سلسلے میں اخلاق احمد بہت خوش نصیب ہیں کہ انہیں زرینہ بیگم جیسی بیگم حاصل ہیں۔ اخلاق احمد کو میں خاص طور سے ہدایت کر دوں گا اور وہ آپ لوگوں کا خاص خیال رکھیں گے، کیوں میاں محسوس تو نہیں کرو گے۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں ارمان شاہ صاحب ہم تو زبردستی کے مہمان بن رہے ہیں۔ محترمہ اگر خوش ہوئی تو ٹھیک ورنہ چند روز یہاں قیام رہے گا اور اس کے بعد ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"ایک بار پھر معذرت کرتا ہوں۔" ارمان شاہ نے کہا، کچھ دیر کے بعد شہاب وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ بینا کو یہاں اس جگہ بلانا بے مقصد نہیں تھا...... حمید سے اسے جو معلومات حاصل ہوئی تھیں ان کی دو ہی نوعیتیں ہو سکتی تھیں یا تو حمید افراڈ کر کے نکل گیا اور اپنی بیوی اور ایک مظلوم ماں کو اسی طرح چھوڑ گیا یا پھر جو کچھ وہ کہہ گیا ہے اگر وہ سچ ہے تو ایک عجیب و غریب کہانی جنم لینے والی ہے، حالانکہ ذہن میں اور بھی بہت سے نکتے آرہے تھے لیکن بینا کی آمد بڑی عجیب و غریب تھی اور شہاب کو اس کے آنے سے خوشی ہو رہی تھی۔ آخر کار اس نے ٹیلی فون پر بینا سے رابطہ قائم کیا اور بینا کہنے لگی۔

"کہاں سے بول رہے ہو...... کیا واپس آگئے۔"

"کیا محسوس ہو رہا ہے؟"

"بیکار باتیں نہیں...... یہ بتاؤ کہاں سے بول رہے ہو۔"

"بھئی رحمان گڑھی سے۔"

"تو اب تک خیال نہیں آیا مجھ سے رابطہ قائم کرنے کا۔"

"ویری گڈ...... ویری گڈ ایک نیا لہجہ سنا ہے میں نے محترمہ بینا کا، غالباً یہ بیوی کے حقوق ہیں جو استعمال کئے جا رہے ہیں۔"

"میں بہت ناراض ہوں تم سے...... کیا ہمارے پاس اس قسم کے ذرائع نہیں تھے کہ ہم ایک دوسرے سے رابطہ قائم کر سکتے۔"

"تھے...... یقیناً تھے محترمہ اور اس وقت میں بالکل آپ سے یہ نہیں کہوں گا کہ عزیزہ، جانِ من، نور نظر، سکون دل نوکری پر آیا ہوا ہوں ڈیوٹی سرانجام دے رہا ہوں...... پولیس

سلسلہ ایک دم ختم ہو جاتا اور بہر حال شہاب کا مسلک ہی کچھ اور تھا، حقیقتوں کو بے نقاب کرنا، حقیقتوں کو منظر عام تک لانا یہ ساری چیزیں از حد ضروری تھیں اور شہاب اس سلسلے میں بے پروائی نہیں کرنا چاہتا تھا، پھر اس کے بعد بینا کے جوابی فون کا انتظار اس نے جس شدت سے کیا تھا ایسے لمحات اس کی زندگی میں بہت کم ہی آئے تھے...... تقریباً بیس منٹ کے بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تھی، ڈائریکٹ لائن تھی، دوسری طرف سے آنے والی آواز بینا ہی کی تھی۔

"ہاں بینا میں بول رہا ہوں۔"

"نادر حیات صاحب سے بات کیجئے، میں اس وقت انہی کے پاس ہوں۔" بینا نے کہا۔

"تھینک یو بینا...... بات کراؤ۔" ٹیلی فون نادر حیات صاحب نے لے لیا تھا پھر وہ کہنے لگے۔

"ہاں شہاب خیریت۔"

"سر بالکل خیریت ہے...... آپ نے اس بات کی تصدیق کر لی کہ گرفتار ہونے والا شاکو ہی ہے۔"

"ہاں بالکل...... مکمل طور پر تصدیق ہو چکی ہے۔"

"کہاں ہے وہ اس وقت۔"

"فی الحال تو ایک علاقے کے تھانے کے لاک اپ میں ہے۔" ڈی ایس پی نیاز احمد کا علاقہ ہے لیکن تمہاری خواہش کے مطابق میں نے فوری طور پر نیاز احمد سے رابطہ قائم کر کے ایک طرح سے یوں سمجھ لو کہ اس خبر کو سیل کر دیا ہے اور کسی کو بھی اس بارے میں زبان کھولنے کی ممانعت کر دی ہے اور ڈی ایس پی نیاز کو ہدایت کر دی ہے کہ اس گرفتاری کو بالکل خفیہ رکھا جائے۔ ایس ایچ او سے بھی کہہ دیا جائے کہ روزنامچے میں اس گرفتاری کو ابھی نہ دکھایا جائے۔"

"میں تو یہ چاہتا ہوں...... جناب کہ اسے بالکل خفیہ سیل میں منتقل کر دیا جائے۔"

"ہو جائے گا، یقینی طور پر ہو جائے گا لیکن اس خطرے کو ذہن میں رکھنا کہ وہ دوبارہ بھی فرار ہو سکتا ہے۔"

"سر آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ وہ دوبارہ فرار نہ ہو لیکن خفیہ سیل میں جہاں بھی اسے رکھا جائے وہاں یہ ہدایت کر دی جائے کہ اس کے ساتھ نہایت وی آئی پی سلوک ہو یا اگر آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کے فرار ہونے کا خطرہ زیادہ ہے تو میں اس

بندوبست کئے دیتا ہوں...... آپ مجھے بتائیے۔"

"نہیں خیر ایسا تو ممکن نہیں ہے لیکن اس میں دوسری صورت حال ذرا غلط ہو جائے گی۔"

"کیا۔"

"مثلاً یہ کہ اگر میں کسی کو ہدایت کر دوں کہ اس پر کڑی نگرانی رکھی جائے اور اسے دوبارہ فرار ہونے کا موقعہ نہ دیا جائے اور وہ کوشش کرے تو کیا اس سلسلے میں اسے قابو میں رکھنے والے تشدد نہیں کریں گے، اس پر۔" شہاب نے ایک لمحے کے لئے سوچا، پھر بولا۔

"تو پھر ٹھیک ہے جناب ایسا کیا جا سکتا ہے کہ اسے ہم اپنی تحویل میں لے لیں...... آپ کو اس سلسلے میں مدد کرنا ہو گی۔"

"اصل میں، میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا۔"

"تو پھر بینا کو فون دیجئے۔"

"ہاں بات کرو۔" فون ایک بار پھر بینا کے ہاتھ میں پہنچ گیا تو شہاب نے کہا۔

"بینا ایسا کرو کہ ڈبل او گینگ کو مخاطب کر کے ان سے کہو کہ شاکو کو اپنی تحویل میں لے لیں، بہتر ہے کہ وہ اسے بے ہوشی کے عالم میں لے جائیں جہاں اسے رکھا جانا ہے لیکن اس کے بعد مکمل طور پر اس کا تحفظ بھی کریں اور اسے عزت و احترام بھی دیں...... وہ اسے یہ سمجھانے کی کوشش کریں کہ بس اسے تھوڑے سے وقت کے لئے یہاں رکھا گیا ہے بعد میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیا خیال ہے اسے پوائنٹ ون پر رکھا جائے یا پوائنٹ ٹو پر۔"

"میرا خیال ہے پوائنٹ ٹو پر جو سہولتیں حاصل ہیں وہ پوائنٹ ون میں نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

"لیکن بینا بڑی ہوشیاری سے یہ کام کرنا ہے۔"

"شاکو کو پولیس کسٹڈی سے کس طرح حاصل کرنا ہو گا۔"

"جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ تم نے سمجھ لیا ہے نا، تم اس سلسلے میں کسی سے بھی رابطہ قائم کرو اور ایک مکمل طور پر سیٹ اپ بنالو، پھر جب شاکو کو پوائنٹ ٹو پر پہنچا دیا جائے تو تم مجھے اطلاع دو...... اب ذرا نادر حیات صاحب کو ٹیلی فون دے دو۔" پھر شہاب نے نادر حیات صاحب سے بھی یہی فرمائش کی کہ نہایت احتیاط کے ساتھ شاکو کو بے ہوش کر کے بینا

کے حوالے کر دیا جائے، باقی ہدایات اس کو دے دی گئی ہیں۔

"ٹھیک ہے میں یہ کام کئے لیتا ہوں مگر اب ایک بات تو بتا دو۔"

"سر حکم۔" شہاب نے مودبانہ انداز میں کہا۔

"کیوں کر رہے ہو یہ سب ہمیں تو دو افراد کو اس سے محفوظ رکھنا تھا...... مرزا جواد بیگ تو سنا ہے شہر چھوڑ کر ہی چلا گیا ہے، باقی رہ گیا معاملہ ارمان شاہ کا تو اب شاکو گرفتار ہو ہی چکا ہے، اس لئے ارمان شاہ کو بھی کوئی خطرہ نہیں ہے...... تم یہ مزید کارروائی کیوں کر رہے ہو۔"

"سر آپ نے ایک غلط آدمی کو ایک مہم سونپ دی ہے۔ اب آپ خود فرمائیے جب تک اس کی تمام تر تفصیلات میرے علم میں نہیں آ جائیں گی میری واپسی کس طرح ممکن ہے۔"

"ہاں خیر یہ بات تو میں جانتا ہوں ضدی آدمی کہ تم تمام حقیقتوں کے بارے میں معلومات حاصل کئے بغیر واپس نہیں آؤ گے۔ لیکن کوئی اہم انکشاف ہو گا کیا۔"

"انشاء اللہ بہت اہم۔"

"کر دیا نا مجھے تجسس کا شکار۔"

"آپ کو اس انکشاف پر لطف آئے گا...... یہ میرا وعدہ ہے۔"

"اوکے...... بینا سے بات کرنی ہے۔"

"ایک بار اور دے دیجئے۔" پھر فون بینا کے ہاتھ میں آ گیا۔

"جی جناب فرمائیے۔"

"بینا تم ڈیوٹی پر ہو اور بہر حال کبھی کبھی تمہیں ایسی ڈیوٹیاں سر انجام دینا چاہئیں، کیا سمجھیں۔"

"جی سر آپ اطمینان رکھیں۔" بینا نے غیر متوقع لہجے میں کہا۔

"میں آپ کی رپورٹ کا انتظار کروں گا میڈم۔"

"اوکے۔" اور اس کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا، لیکن شہاب کے لئے سوچوں کے میدان کھل گئے تھے، بڑا بروقت کام ہو گیا تھا، بے چارے شاکو کو ایک بار پھر گرفتار کر لیا گیا تھا اور اس بار جب اسے جیل کی تحویل میں دیا جاتا تو ایک مفرور کی حیثیت سے اس کے ساتھ جو سلوک ہوتا وہ اسے دیوانہ کر دیتا اور بہر حال موجودہ حالات کے تحت یہ ایک ناپسندیدہ عمل ہوتا جو شہاب کے لئے ناقابل برداشت تھا، پھر بہت سا وقت انتظار کرنا پڑا تھا کوئی دو گھنٹے کے

بعد اسے بینا کا ٹیلی فون دوبارہ موصول ہوا تھا، شکر تھا اس دوران کوئی ایسی مداخلت نہیں ہوئی تھی جس کی وجہ سے شہاب کو کسی دقت کا سامنا کرنا پڑتا، بینا نے فون کر کے کہا۔

"سر سارے کام آپ کی خواہش کے مطابق ہو گئے ہیں...... سردار علی، انجم شیخ، ذصیف یہ تین افراد ڈیوٹی پر لگا دیئے گئے ہیں۔ پوائنٹ ٹو پر یہ افراد موجود ہیں...... وہ ابھی بے ہوش ہے اور اسے مارک روم میں رکھا گیا ہے۔"

"ان لوگوں کو ہدایت کر دو بینا کہ شاکو نہ تو خودکشی کرنے پائے نہ اپنے آپ کو کوئی نقصان پہنچانے پائے...... وہ فرار ہونے کی ہر ممکن کوشش کرے گا، چنانچہ اس کو اس سے روکا جائے۔"

"اسے بے ہوشی کے عالم میں یہاں منتقل کیا گیا ہے اور جتنا ڈوز اسے دیا گیا ہے کم از کم وہ اسے آٹھ گھنٹے تو بے ہوش رکھے گا اس کے بعد۔"

"بس ان لوگوں کو ہدایت کر دو کہ شاکو ایک خطرناک مجرم ہے...... اس سے بچتے بھی رہیں اور اسے کوئی نقصان بھی نہ پہنچنے دیں۔"

"اوکے۔"

"اور محترمہ بینا صاحبہ اب آپ سے ایک غم زدہ شوہر کی درخواست ہے کہ آپ براہ کرم فوراً رحمان گڑھی پہنچ جائیے...... رحمان گڑھی تک آنے کا طریقہ کار میں آپ کو بتائے دیتا ہوں...... میں آپ کا منتظر رہوں گا۔"

"کیا۔"

"جی...... وہ بہت سے فلمی گانے اس موقع کے لئے ایجاد کئے گئے ہیں لیکن سوچتا ہوں کہ ٹیلی فون آپریٹر کہیں میرے گانے کو سن نہ لے اس لئے سارے گانے ادھار، وہ جو سارے جدائی کے گانے ہوا کرتے ہیں نا اور پھر وہ ملن کی خوشی کے۔"

"یار سیریس ہو جاؤ...... مجھے بتاؤ کہ واقعی جو کچھ کہہ رہے ہو وہ سچ ہے۔" بینا نے کہا۔

"بالکل سچ ہے مائی لاڈ...... آپ رحمان گڑھی کے لئے روانہ ہو جائیے، میں آپ کو یہاں آنے کی مفصل تفصیل فراہم کئے دیتا ہوں۔"

"کچھ خاص تیاریوں کے ساتھ آؤں۔"

"جی ہاں لیکن ایسی تیاریوں کے ساتھ جنہیں بتاتے ہوئے بہر حال شرم آتی ہے اور

جہاں تک لباس وغیرہ کا تعلق ہے تو آپ یہاں ایک مہمان کی حیثیت سے آرہی ہیں، ذرا اچھے اچھے لباس لے آیئے، بہرحال آپ کو ایک خوبصورت مہمان کے طور پر یہاں قیام کرنا ہوگا۔"

"شاکو تو گرفتار ہو گیا ہے پتا نہیں تم نے یہ لمبا چکر کیوں چلا دیا ہے۔"

"ایک بے گناہ کی زندگی بچانے کے لئے، خدا حافظ۔" شہاب نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ بس اس سے زیادہ وہ بینا کو کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن بہرحال بینا کو ریسیو کرنے کے لئے اس نے تمام انتظامات کئے تھے خود تو جس طرح یہاں پہنچا تھا اس میں الیاس خان کی مہربانی تھی، لیکن بینا کو لانے کے لئے اب ارمان شاہ کا سہارا لینا پڑا تھا اور ارمان شاہ نے اسے تمام سہولتیں فراہم کر دی تھیں...... چنانچہ شہاب ایک شاندار لینڈ روور لے کر اس اسٹیشن تک پہنچ گیا تھا جہاں بینا کو ٹرین ہی سے آنا تھا...... بینا ہر طرح سے خود اعتماد لڑکی تھی۔ وہ مقررہ وقت پر ریلوے پلیٹ فارم پر اتر آئی اور شہاب نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ بینا نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور بولی۔

"بہرحال یہ تو نہیں کہہ سکتی کہ مجھے جس انداز میں بلایا گیا ہے اس میں کیا شرارت پوشیدہ ہے...... ہاں، یہاں بلانے کے جذبے کو میں مکمل طور سے سمجھتی ہوں۔"

شہاب نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔

"بہرحال یہ اعتماد ہی زندگی کے آخری لمحات تک ہمارے درمیان قائم رہنا چاہئے اور میں سمجھتا ہوں یہ بہت کافی ہے۔" بینا نے کہا۔

"راستے بھر تجسس رہا ہے اور یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ شاکو کی گرفتاری کے بعد تمہارے یہاں موجود رہنے کا کیا جواز ہے۔" شہاب نے سست رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے کہا۔

"بینا ہم لوگ اتنے سطحی لوگ نہیں ہیں کہ کسی مسئلے کو بالکل عام انداز میں سیدھی لکیروں پر چلتے ہوئے محسوس کریں اور اس کے خاتمے پر یہ سوچیں کہ چلئے بات ختم ہوئی، اب ہمیں کیا لینا دینا ہے...... شاکو کے بارے میں تمہیں کم از کم یہ بات معلوم ہے کہ اس نے اپنے جرم کا اعتراف نہیں کیا تھا...... وہ آخر تک یہ کہتا رہا تھا کہ وہ بے گناہ ہے۔ اس نے اپنی بیوی اور بھاوج کو قتل نہیں کیا ہے...... ایک ایسا شخص اگر کوئی سزا پالے تو پھر وہ شدت سے

جذبوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ شاکو کے جذبوں کی شدت کا تمہیں یقینی طور پر احساس ہوگا اس کا مقصد ہے اس شدت کی کوئی وجہ ہے، ہو سکتا ہے وہ بے گناہ ہی ہو اگر وہ بے گناہ ہے تو گنہگار کون ہے...... ظاہر ہے کم از کم میں اس بات کو تو نظر انداز نہیں کر سکتا۔" بینا نے رک کر شہاب کو دیکھا، پھر آہستہ سے بولی۔

"کیا ارمان شاہ۔"

"بینا ایسے خود ساختہ شاہ اپنے وسائل کے حوالے سے نجانے کیا کیا کر لیا کرتے ہیں...... بہرحال ہماری جنگ تو انہی سے ہی ہے نا، ویسے مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے اس کہانی ایک بڑی تبدیلی کے ساتھ ہمارے سامنے آرہی ہے، کچھ انوکھے معاملات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ حویلی میں داخل ہونے سے پہلے میں تم سے وہاں کے ماحول اور ان لوگوں کا تعارف کرا دینا چاہتا ہوں، حالانکہ ارمان شاہ صاحب تو ڈرائیور کو بھی میرے ساتھ کر رہے تھے لیکن چونکہ مجھے تمہیں تفصیلات سے آگاہ کرنا تھا اس لئے میں نے کسی اور کو اپنے ساتھ لانا مناسب نہیں سمجھا، تو یہ صورت حال ہے محترمہ بینا اس حویلی میں ویسے تو لاتعداد افراد رہتے ہیں۔ ارمان شاہ بڑی بہترین مالی حیثیت کا حامل ہے اور ہمیں ماضی کے کچھ ایسے ہی شاہ یاد آجاتے ہیں، خود درویش بننے کی کوشش نہیں کرتا لیکن رحمان گڑھی کے متعدد افراد اسے بڑی عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، ابھی تک مجھے ایک بھی شخص ایسا نہیں ملا جس نے اس کی برائی کی ہو اور یہ کہا ہو کہ اس نے کسی کے ساتھ ظلم کیا ہے، وہ ضرورت مندوں کی ضرورتیں بھی پوری کرتا ہے، مقصد یہ کہ درپردہ بھی مجھے ایسے افراد نہیں ملے جو اس سے شاکی ہوں...... حویلی میں بہت سے ملازم ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک چھوٹا سا دلچسپ خاندان بھی ہے۔ ارمان شاہ کے متعدد کاموں کا نگراں ایک شخص ہے اس کا نام اخلاق احمد ہے، عمر رسیدہ آدمی ہے اور مجسم اخلاق ہے اور ایک روایتی کہانی بھی اس خاندان کے ساتھ شامل ہے۔"

"وہ کیا۔" بینا نے سوال کیا۔

"ایک نوجوان جو اخلاق احمد کی بیوی زرینہ کا بھتیجا تھا اور پھوپھی اپنے بھتیجے پر جان دیتی تھی لیکن وہ شخص ایک حادثے میں ہلاک ہو گیا۔"

"ہوں...... تو پھر......؟ بینا شہاب کی بات نہیں سمجھی تھی۔"

”وہ بھتیجا میرا ہمشکل تھا۔“

”وہ لوگ مجھ سے بڑی اپنائیت اور محبت کا برتاؤ کر رہے ہیں۔“

”ہوں...... بینا نے ایک گہری سانس لے کر معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔“ پھر بولی۔ ایک بات بتائیے۔“

”ہوں...... بولو۔“

”کیا محترمہ پھوپھی جان اور پھوپھا صاحب کی نوجوان لڑکیاں بھی ہیں؟“

”بے شک ہیں۔“لیکن بینا اس مرحوم بھتیجے کی تصویر میں بھی دیکھ چکا ہوں...... تم بھی دیکھو گی تو حیران رہ جاؤ گی یوں بھی وہ بہت نیک نفس اور پر اخلاق لوگ ہیں ملو گی تو تمہیں خود اندازہ ہو جائے گا۔ شہاب نے کہا اور بینا گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی۔ پھر بولی۔

”خدا کا شکر ہے۔“ شہاب بھی مسکرانے لگا تھا۔



بینا پرمسرت نگاہوں سے رحمان گڑھی کے راستے کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ لمحوں کے بعد ...نے کہا۔ ”کچھ بھی ہے شہاب زمین کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کی اپنی کوئی اہمیت نہ ہو۔ ہم اپنی فطرت اور جبلت کی بنیاد پر اپنی پسندیدہ جگہیں منتخب کرتے ہیں اور انہیں اچھا یا برا ...قرار دیتے ہیں، لیکن ان محنت کشوں کو دیکھو، جو کھیتوں میں کام کر رہے ہیں۔ انہیں یہ جگہیں ...تنی عزیز ہوں گی۔“

”یقیناً......“ شہاب نے کہا۔

”ان لوگوں کا کیا نام بتایا تھا تم نے؟“

”اخلاق احمد...... زرینہ بیگم...... میں انہیں پھوپھی جان کہتا ہوں...... زرینہ پھوپھی ...اپنے بھتیجے کو بہت زیادہ چاہتی تھی اور وہ شخص حادثے میں ہلاک ہو گیا تھا، لیکن میرا ہمشکل ...تھا وہ بالکل...... پرانے زمانے کی تصویر دیکھ کر مجھے اس بات کا پورا یقین ہو گیا ہے کہ زرینہ ...اور اخلاق احمد صاحب جھوٹ نہیں بول رہے، چنانچہ ان لوگوں کی خصوصی محبت اور عنایت ...مجھ پر ہے۔“

”ایک سوال بتائیے۔“ بینا نے کہا۔

”ہوں۔“

”اخلاق احمد آپ کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں؟“

”ہاں...... بالکل۔“

”اور انہیں یہ معلوم ہے کہ آپ شادی شدہ ہیں۔“

”بہت صاف ستھرے لوگ ہیں بینا، بڑی اچھی فطرت کے مالک، بچیوں کو میں نے

مکمل طور پر نہیں دیکھا، صرف ایک بچی دیکھی ہے...... بے شک نوجوان اور خوب صورت ہے لیکن پاکیزہ فطرت کی مالک ہے۔ میں وہاں مہمان خانے میں رہتا ہوں...... تم ان سے ملو گی تو تمہیں خوشی ہو گی۔"

"یقیناً کیوں نہیں۔"

"مجھ سے بہت محبت کا اظہار کرتے ہیں، تمہاری آمد سے بہت خوش ہیں اس کے علاوہ ارمان شاہ صاحب نے اپنا ایک پرابلم بھی مجھے بتایا ہے۔"

"وہ کیا۔"

"وہ یہ کہ ان کی بیگم خود بھی مغرور ہیں، ایک مغرور خاندان سے تعلق رکھتی ہیں اور شاید اپنی سطح کا ایک تعین رکھتی ہیں...... ارمان شاہ صاحب نے پہلے سے معذرت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کی کسی بات سے بددل نہ ہوا جائے ویسے بذات خود ارمان شاہ ایک نفیس انسان ہیں، تو یہ تمام صورت حال میں تمہارے علم میں لے آیا ہوں تاکہ تم پہلے سے اپنے آپ کو اس کے لئے تیار رکھو۔"

"ٹھیک ہے، مگر مجھے کرنا کیا ہو گا؟"

"اس کے بارے میں تفصیل آہستہ آہستہ بتاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" بینا نے پراعتماد لہجے میں کہا۔

بہر حال شہاب کے ساتھ ایسے بہت سے کیسوں پر کام کر چکی تھی اس لئے اسے اس بات کی پروا نہیں تھی کہ شہاب اس سے کیا کام لے رہا ہے...... بس اتنا کافی تھا کہ شہاب کے پاس پہنچ گئی تھی، کیونکہ تنہائی کے یہ لمحات بڑی بوریت سے گزر رہے تھے۔ پھر وہ حویلی میں داخل ہو گئے اور پہلی بار شہاب نے اخلاق احمد صاحب کی دونوں بیٹیوں کو دیکھا خود زرینہ بیگم بینا کے استقبال کے لئے تیار تھیں...... بہر حال یہ صرف خلوص تھا، نہ اخلاق صاحب کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی اور نہ ہی اس سلسلے میں پہلے سے کوئی بات ہوئی تھی۔ شہاب لینڈ روور سے اترنے کے بعد بینا کے ساتھ وہیں پہنچ گیا جہاں یہ لوگ موجود تھے اور زرینہ بیگم نے آگے بڑھ کر بینا کو گلے لگا لیا، دونوں لڑکیوں نے بھی بینا کو بڑے محبت بھرے انداز میں خوش آمدید کہا تھا اور پھر اسے اندر لے گئی تھیں، شہاب بھی ساتھ ہی تھا...... زرینہ بیگم نے کہا۔

"اتنے خوب صورت انسان کی بیوی اگر اتنی حسین نہ ہوتی تو ہم اظہار تو بے شک نہ

کرتے لیکن دل ہی دل میں یہ ضرور سوچتے کہ شہاب میاں کے والدین نے شہاب کے ساتھ انصاف نہیں برتا، لیکن یہاں تو یہ محسوس ہوتا ہے جیسے انصاف کی حد کر دی گئی ہو......

بہر حال بیٹی بعض لوگ بہت زیادہ خلوص کا اظہار کرتے ہیں...... بڑے پیار کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان کے دل میں سچ مچ خلوص کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا، ہمارے سینوں میں بھی تمہارے لئے ایک جذبہ ہے، ایک پیار ہے، خدا کے لئے اس میں گہرائیاں تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنا، اگر کوئی گہرائی ہے تو صرف اتنی کہ شہاب میاں میرے مرحوم بھتیجے کے ہم شکل ہیں اور میں اپنے مرحوم بھتیجے کو ضرورت سے زیادہ محبت کی نگاہ سے دیکھتی تھی اور اس سے پیار کرتی تھی۔"

"پھوپھی جان شہاب نے راستے میں مجھے تمام تفصیلات بتا دی ہیں۔"

"اور اب یہ تو ممکن نہیں ہو سکتا کہ تمہارے آنے کے بعد بھی شہاب میاں مہمان خانے میں رہیں۔"

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے پھوپھی جان لیکن ارمان شاہ صاحب۔"

"اخلاق احمد ان سے بات کر چکے ہیں...... بڑے شاہ جی کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"آپ کی مرضی ہے۔" اور اس کے بعد واقعی شہاب کو یہ محسوس ہوا کہ وہ اپنی سگی پھوپھی کے گھر میں ہی ہے۔ بینا بھی ان لوگوں کے خلوص کی قائل ہو گئی۔ زرینہ بیگم ان کی دونوں بچیاں آمنہ اور شاہانہ بے انتہا محبت کا برتاؤ کر رہی تھیں، ابھی تک، ارمان شاہ صاحب سے رابطہ قائم نہیں ہوا تھا...... انیکسی خاصی وسعت میں تھی، ایک کمرہ ان دونوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا...... غالباً یہ لوگ پہلے ہی طے کر چکے تھے کہ اس کے بعد شہاب کو مہمان خانے میں نہیں رہنے دیا جائے گا، لیکن شہاب کو ایک ہلکی سی ذہنی اُلجھن کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مہمان خانے سے وہ اپنے طور سے بہت سے عمل کر سکتا تھا، جبکہ یہاں اسے ذرا محتاط رہنا پڑتا لیکن بہر حال اس نے سوچا کہ اس مشکل کا حل بھی کسی نہ کسی شکل میں بعد میں نکال لے گا۔ یہاں ان لوگوں کی خاصی پذیرائی ہوئی تھی، البتہ شام کو سورج ڈھلنے کے بعد ارمان شاہ نے شہاب سے پوچھا تھا کہ اس کی بیوی خیریت سے پہنچ گئی اور شہاب نے ان کا شکریہ ادا کیا تھا۔ شاکو کی بات صیغہ راز ہی میں رکھی گئی تھی...... بینا ان لوگوں کے ساتھ مگن تھی، لیکن شہاب ارمان شاہ کے ساتھ خاصے وقت تک رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر ارمان شاہ سے اس بات کا

اظہار کیا۔

"شاہ صاحب مجھے ایک بات پر سخت حیرت ہے...... میں نے بہت گہری نگاہ سے جائزہ لیا ہے، آپ نے ذرہ برابر بھی اپنے تحفظ کا بندوبست نہیں کیا۔"

"دیکھو میاں! پہلے بھی یہ بات کہہ چکا ہوں تم سے اور اب بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ آنا اور جانا ہمارا اپنا کام نہیں ہے، جس کا یہ کام ہے اسے جو بھی منظور ہے وہ ہو کر رہے گا۔ جان بچانے کی کوشش اس کی قوتوں سے انحراف ہے...... نظریہ ہوتا ہے اپنا اپنا، میں اپنے نظریئے کی بات کر رہا ہوں...... بہر حال تم اس سلسلے میں میری طرف سے بالکل بے فکر رہو، کیا سمجھے۔"

"جی۔" شہاب گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ پھر اس رات اس نے بینا کو تمام تر تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔

"اور محترمہ بینا حویلی کے مختلف گوشوں میں آپ کو وقت بے وقت سیر و سیاحت کرنا ہوگی۔ ویسے تو ماشاءاللہ آپ کی شکل و صورت بڑی قتل و غارت گری کی حامل ہے، لیکن میں چاہتا ہوں ان دنوں آپ کچھ زیادہ ہی حسین نظر آئیں، کیا سمجھیں اور اس کے علاوہ۔"

"مجھے ساری صورت حال بتاؤ۔" پھر نہ جانے [illegible] کون سے حصے تک بینا اور شہاب اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے تھے، پھر جب بینا کی آنکھوں میں نیند کی سرخی لہرانے لگی تو شہاب نے اسے محبت بھرے انداز میں سلا دیا...... بینا کی آمد سے تھوڑی سی دلچسپیاں پیدا ہو گئی تھیں، ایک طرف تو یہ سارا گھریلو مسئلہ چل رہا تھا، دوسری طرف شہاب حمید کے انکشاف کے تحت اپنے اور کام بھی کر رہا تھا، چنانچہ رات کی تاریکیوں میں اس نے حویلی کے مختلف گوشوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا...... بینا بے شک اس میں شریک نہیں تھی لیکن شہاب نے بینا سے یہ بات کہی تھی کہ اسے یہ اہم کام بھی سرانجام دینا ہے۔ بس ایک نظریہ تھا حالانکہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ حمید جیسے غلط انسان نے شہاب کو دھوکا دے کر نکل جانے کی کوشش کی ہو لیکن بہر حال ایسا ہی کرنا پڑتا ہے۔ ذمہ داریاں اپنا ایک الگ مقام رکھتی ہیں اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے ہر قسم کے خطرات مول لینے پڑتے ہیں...... دوسری صبح مدہم مدہم بوندیں پڑ رہی تھیں...... موسم بہت گہرا سیاہ ہو رہا تھا اور چونکہ ان علاقوں میں بارشیں ذرا کم ہی ہوتی تھیں اس لئے ایسے موسم نظر انداز نہیں کئے جا سکتے تھے۔

اخلاق احمد صاحب کی دونوں بیٹیاں تو خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی تھیں کیونکہ بینا

ہیں بہت پسند آئی تھی، لڑکیوں نے تجویز پیش کی کہ حویلی کے پچھلے باغ میں جھولا ڈالا ے اور موسم سے لطف اٹھایا جائے...... بینا ہنس کر شہاب سے بولی۔

"شہاب تمہیں رسیوں پر جھولا جھولنے سے کوئی دلچسپی ہے۔"

"ہاں...... کیوں نہیں لیکن ایسا آدمی ہوں نہیں۔"

شہاب نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ گردن میں رسی ہونی چاہئے۔"

"خدا نہ کرے کیسی باتیں کر رہے ہو، دلچسپی تو ویسے مجھے بھی نہیں ہے اس احمقانہ عمل ے لیکن یہ لڑکیاں ارمان بھری ہیں۔"

"تو پھر ان ارمان بھری لڑکیوں کا ساتھ دو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" بینا نے ُردن ہلا دی تھی اور اس کے بعد تمام انتظامات ہو گئے لیکن دلچسپ بات یہ رہی کہ اس وقت ب یہ سب حویلی کے باغ کے پچھلے حصے میں انجوائے کر رہے تھے تو عمارت کے پچھلے حصے ے ایک خاتون نمودار ہوئیں اور اخلاق احمد کی دونوں لڑکیاں ایک دم سنبھل گئیں۔

"جہانیاں آ رہی ہیں۔"

"کون؟"

"جہانیاں، مسرت جہاں ارمان شاہ صاحب کی بیگم ہیں۔"

"اوہ تم پریشان کیوں ہو گئیں۔"

"نہیں، بہر حال انہیں سلام تو کرنا ہوگا۔" بینا کی گہری نگاہیں آنے والی کا جائزہ لے رہی تھیں...... ایک دراز قامت لیکن بے انتہا خوب صورت عورت تھی، اس کے چہرے کے نقوش میں بڑی جاذبیت تھی لیکن اس کے ساتھ ہی ایک کرختگی بھی پائی جاتی تھی۔ قد و قامت، جسامت بہت اچھا تھا، دونوں لڑکیاں اُلجھ سی گئی تھیں لیکن بینا ہونٹوں پر دل آویز مسکراہٹ لئے اپنی جگہ کھڑی جہانیاں کے نام سے شہرت پانے والی مسرت جہاں کو دیکھ رہی تھی، دونوں لڑکیوں نے آگے بڑھ کر سلام کیا تو مسرت جہاں نے کہا۔

"وہ کون ہے، کیا تمہاری کوئی مہمان؟"

"جی دارالحکومت سے آئی ہیں۔"

"اچھا...... اچھا بڑی پیاری لڑکی ہے۔"

"وہ آپ کے پاس آنا چاہتی ہیں۔" شاہانہ نے جلدی سے کہا، ذرا سی اُلجھ گئی تھی وہ، اس کا خیال تھا کہ بینا بھی آگے بڑھ کر جہانیاں کو سلام کرے گی لیکن بینا اپنی جگہ کھڑی رہی تھی۔ وہ اس سے کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ مسرت جہاں خود ہی آگے بڑھی اور بینا کے قریب پہنچ گئی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"ہیلو، کیا نام ہے آپ کا میڈم...... کیا آپ تعارف کرانا پسند کریں گی۔"

"میرا نام بینا واسطی ہے اور یقینی طور پر میں آپ کی مہمان ہوں ویسے یہ دونوں بچیاں مجھے آپ کے بارے میں بتا چکی ہیں، لیکن نہ جانے کیوں آپ کو جہانیاں کہتے ہوئے مجھے ایک عجیب سا احساس ہوگا، کیوں نہ میں آپ کو مسرت جہاں ہی کہوں یا اگر آپ احترام کا کوئی اور لفظ اس کے لئے متعین کر سکتی ہیں تو براہ کرم مجھے اس کے بارے میں بتائیے۔"

"ہوں، ویری گڈ بہر حال دارالحکومت میں رہتی ہو یقینی طور پر اچھی خاصی تعلیم یافتہ بھی ہوگی، لیکن ہمیں ان تمام باتوں میں سے صرف ایک بات پر اعتراض ہے۔"

"کیا؟" بینا نے کہا۔

"ہماری مہمان ہو جیسا کہ تم نے ابھی کہا لیکن ہم سے ہی تعارف نہیں۔"

"موقع ملتے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی لیکن زیادہ وقت نہیں ہوا ہے آئے ہوئے مجھے اور بہر حال مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ آپ سے ملاقات کے لئے پہلے اجازت لینا ضروری ہوگا۔"

"ہوتا ہے ایسا لیکن ہر شخص کے لئے نہیں، اب دیکھو کتنا حسین موسم ہے، ہم یہ سوچ کر باہر نکلے تھے کہ ہم بھی باہر کے موسم سے لطف اٹھائیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کیا کریں، ایسا بہت سے معاملات میں ہوتا ہے۔"

"مشورے قبول کرتی ہیں آپ۔" بینا نے کہا اور وہ غور سے بینا کو دیکھنے لگی، پھر بولی۔

"مہمان قابلِ احترام ہوتے ہیں، لیکن طبیعتوں کا تعین بھی ضروری ہوتا ہے، کسی سے بے تکلف ہونے کے لئے وقت درکار ہوتا ہے۔ کیا آپ اس سلسلے میں جلد بازی کی قائل ہیں خاتون؟"

"شاید ایسا ہی ہے۔"

"نام نہیں بتایا آپ نے؟"

"بینا۔"

"شادی شدہ ہیں؟"

"جی۔"

"شوہر کہاں ہیں، کیا کرتے ہیں؟"

"یہیں آپ کی حویلی میں ہیں، بڑے شاہ صاحب کے پاس خدمات انجام دے رہے ہیں۔"

"اوہو...... ہمیں نہیں معلوم...... کیا نام ہے؟"

"شہاب ثاقب۔"

"بچیو...... تم واقف ہو، کیا نئے ملازم ہوئے ہیں۔ شاہ جی نے بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا۔"

"نہیں کسی سرکاری کام سے شاہ جی کے پاس آئے ہیں۔ سرکاری ملازم ہیں۔"

"ایک ہی بات ہے، بڑے شاہ جی خود سرکار ہیں، خیر بہن آپ ہمیں پسند آئیں۔"

"کیا واقعی۔" بینا نے کہا۔

"لوگ ہماری باتوں پر شک نہیں کرتے۔"

"ثبوت دیجئے گا محترمہ مسرت جہاں۔" بینا بولی۔ جہانیاں نے ایک نگاہ دونوں لڑکیوں کو دیکھا، پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

"کیسا ثبوت؟"

"آیئے جھولا جھولیں۔" بینا نے کہا...... جہانیاں کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ پھر وہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔

"بے تکا کام ہے...... رسی پر بیٹھ کر ہچکولے کھانا۔ کیا فائدہ اس سے۔"

بینا مسکرانے لگی پھر اس نے مدہم لہجے میں کہا۔

"جہانیاں کیا کہا جائے اس بارے میں خود اپنی توہین ہوتی ہے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم لوگ حیثیت ہی کیا رکھتے ہیں...... دنیا کی ان معصوم معصوم خوشیوں کو اپنی زندگی میں شامل کرکے ہم جینے کے سہارے تلاش کر لیتے ہیں۔ کام کچھ بھی ہو اس کا پس منظر بعض اوقات کچھ نہیں ہوتا لیکن تھوڑی بہت خوشی حاصل ہو جاتی ہے۔"

"بچپن میں، میں نے بھی یہ سب کچھ کیا ہے، لیکن کچھ عجیب لگے گا یہ، نہیں بھئی پلیز ویسے تم خود اپنی بات کی نفی کر رہی ہو۔" اس نے کہا۔

"نفی۔"

"ہاں بالکل۔"

"وہ کیسے؟"

"تم نے کہا تھا کہ تم مجھے مسرت جہاں کہو گی مگر تم مجھے جہانیاں کہہ کر مخاطب کر رہی ہو۔"

"آپ نے بھلا اجازت دی تھی مجھے۔"

"خیر اجازت تو میں کسی کو بھی نہیں دے سکتی، ٹھیک کہہ رہی ہو تم...... چلو آؤ موسم بہت اچھا ہے تھوڑی سی سیر کر لیں۔" وہ بولی اور پھر شاہانہ اور آمنہ کی طرف رخ کر کے کہنے لگی۔

"تم لوگ کیا کھڑی سن رہی ہو جاؤ۔" وہ دونوں اتنی برق رفتاری سے واپس بھاگی تھیں جیسے رسی کھل گئی ہو۔ مسرت جہاں خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی تھیں، اس کے چہرے پر واقعی غرور کے آثار تھے، پھر وہ سرد لہجے میں بولی۔

"خیر حالانکہ میں ہر شخص کو اس کے مقام پر رکھنے کی عادی ہوں لیکن کوئی بات نہیں کبھی کبھی۔" بینا ایسے لوگوں کے بارے میں اچھی طرح جانتی تھی۔ یہ ذہنی طور پر بیمار لوگ ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو دوسروں سے نمایاں کرنے کی کوشش میں بہت سی چیزیں کھو بیٹھتے ہیں اور عورت انہی میں سے ایک معلوم ہوتی تھی، لیکن بہر حال بینا کے لئے یہی کیا کم تھا کہ اس نے جہانیاں کی توجہ حاصل کر لی تھی۔ مقصد یہی تھا اور شہاب بھی یقینی طور پر یہی چاہتا ہو گا۔ غرضیکہ تھوڑی دیر تک وہ جہانیاں کے ساتھ وہیں گھومتی پھرتی رہی، پھر جہانیاں بولی۔

"آؤ اندر چلتے ہیں، اس سے زیادہ میرا باہر رہنے کو دل نہیں چاہتا۔" بینا خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی تھی اور اس نے پہلی بار کوٹھی کو اندر سے دیکھا تھا...... ایک دولت مند شخص کی حویلی جس قدر خوب صورت ہو سکتی تھی یہ بھی ایسی ہی جگہ تھی اور رحمان گڑھی میں ارمان شاہ کا یہ محل نما گھر اسی کیفیت کا حامل تھا، باادب ملازمین خاموش چلنے پھرنے کے عادی، شور نہ کرنے کی ہدایات پر عمل کرنے والے، پتا نہیں خود ارمان شاہ کس

کا انسان تھا، ابھی تک تو اس کے بارے میں شہاب کو یہی خیال تھا کہ اگر اداکاری کرتا تو بہت عمدہ اداکار ہے ورنہ ممکن ہے ان واقعوں سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ ہو اور کھیل مختلف ہی ہو لیکن اندر کے ماحول سے یہ احساس ہوتا تھا کہ اور جو کچھ ہے لیکن جہانیاں کے بارے میں جو کچھ معلومات شہاب کے ذریعے بینا کو حاصل ہوئی تھی اس کے ذریعے یہاں کے ماحول کے مطابقت صحیح اندازہ ہو جاتا تھا...... مسرت جہاں نے کہا۔

"یہ علاقہ میری تحویل میں ہے اور یہاں بڑے شاہ جی کا حکم بھی نہیں چلتا۔ میرا اپنا انداز ہے، طرز زندگی ہے، ہو سکتا ہے کہ بہت سوں کو یہ ناپسند ہو لیکن میری فطرت کچھ اسی قسم کی ہے...... خیر چھوڑو، تم یہ بتاؤ مگر ٹھہرو آؤ بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ موسم سے لطف اٹھانا چاہتی ہو تو چلو اوپر کے حصے میں چلتے ہیں۔" مسرت جہاں یا جہانیاں اسے لے کر جس جگہ پہنچی تھی وہ واقعی حسین تھی، خاصی بلندی پر تھی اور یہاں سے چھوٹی سی رحمان گڑھی کے بے شمار منظر نظر آتے تھے۔ جہانیاں اسے لے کر ایک بڑے شیڈ کے نیچے بیٹھ گئی۔ چاروں طرف پھولوں کے گملے رکھے ہوئے تھے اور پھول مہک رہے تھے...... بارش ذرا کچھ تیز ہو گئی تھی جس سے شیڈ کی چھت پر جلترنگ بج رہا تھا۔ کچھ ملازمائیں خود بخود اوپر پہنچ کر کافی فاصلے پر ایک دوسرے شیڈ کے نیچے کھڑی ہو گئیں تاکہ جہانیاں کی جانب سے کوئی اشارہ ملے تو اس کی تعمیل کریں۔

مسرت جہاں نے دور دور تک بارش کی دھند میں لپٹے ہوئے ماحول کو دیکھا، پھر بینا سے بولی۔

"چائے یا کافی پینا پسند کرو گی۔"

"اس ماحول میں ان دونوں چیزوں سے انکار کرنا میں سمجھتی ہوں کہ کفران نعمت ہے اور کوئی بھی صاحب ذوق اس پیشکش کو ٹھکرا نہیں سکتا۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو...... چائے یا کافی؟"

"کافی کی بات ہی کیا ہوتی ہے۔" بینا نے بے تکلفی سے کہا اور اس نے اشارے سے ایک ملازمہ کو اپنے قریب بلایا، ملازمہ دوڑتی ہوئی اس کے قریب پہنچی تو وہ بولی۔

"کافی۔"

"جی۔" ملازمہ نے جواب دیا اور واپس پلٹ گئی۔

جہانیاں کی نگاہیں پھر چاروں طرف دیکھنے لگی تھیں...... بینا بھی چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

"رحمان گڑھی بہت چھوٹی سی ہے لیکن بے حد خوب صورت۔"

"ہاں...... مجھے پسند ہے حالانکہ بڑے شاہ جی نے مجھے کئی بار پیشکش کی کہ اگر میں یہاں اکتاہٹ محسوس کروں تو شہری آبادی میں میرے لئے کوئی خوب صورت کوٹھی خرید لیں، ویسے بھی ان کی کافی جائیداد ہے شہری آبادی میں، لیکن مجھے رحمان گڑھی پسند ہے۔"

"خوب صورت جگہ ہے...... شہر کی نسبت انتہائی پر سکون ماحول لیکن مجھے تعجب ہے مسرت جہاں۔" وہ سوالیہ نگاہوں سے بینا کو دیکھنے لگی تو بینا نے کہا۔

"ابھی عمر کی اس منزل میں ہیں آپ جہاں انسان نہ تو تنہائی پسند ہوتا ہے نہ ہنگاموں سے دور رہنے کا خواہشمند، پھر وہ کون سے جذبات ہیں جنہوں نے آپ کو سکون پسند بنا دیا ہے۔"

"نہیں...... ضروری نہیں ہوتا کہ انسان کسی طرح کے جذبات کا شکار ہو کر ہی تنہائی پسند ہو۔ بعض اوقات یہ چیزیں فطرت میں بھی شامل ہوتی ہیں۔"

"معاف کیجئے گا جہاں بلایا ہے جہاں بٹھایا ہے عزت کے ساتھ کافی پلا رہی ہیں اس لئے ہمت بڑھ رہی ہے میری، اگر میری باتوں میں گستاخی محسوس ہو تو ایک دفعہ انکار کر دیجئے گا، میں احتیاط کر لوں گی ورنہ دوسری صورت میں اگر میں کچھ ایسے جملے بول جاؤں جو آپ کو ناگوار گزریں تو اس کے لئے پہلے سے معافی مانگتی ہوں۔"

"اس حد تک آنے کے بعد اگر تکلف کی باتیں کی گئیں تو پھر یہ ملاقات ہی بے کار ہو جائے گی۔" مسرت جہاں نے کہا۔

"بے حد شکریہ...... اصل میں ہر چیز کا ایک پس منظر ہوتا ہے، اگر آپ اپنی فطرت کو خاموش طبع کہتی ہیں تو اس کے پس منظر میں بھی کچھ نہ کچھ ہوگا۔"

"ہاں ہے۔" وہ بولی۔

"کیا؟" بینا نے سوال کیا اور وہ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی اور پھر بولی۔

"کب تک یہاں ہو؟"

"تھوڑے عرصے۔"

"مطلب۔"

"مطلب یہ کہ جیسا کہ آپ کو بتا چکی ہوں کہ میرے شوہر یہاں ہیں، واپس چلے جائیں گے میں بھی چلی جاؤں گی۔"

"اوہو...... میں نے توجہ سے نہیں سنی تھی تمہاری بات، کیا انہوں نے بڑے شاہ جی کے پاس ملازمت کی ہے؟"

"نہیں، ان کا تعلق محکمہ پولیس سے ہے اور پچھلے دنوں یہاں کوئی واقعہ ہو گیا تھا اس کی تحقیقات کے لئے میرے شوہر یہاں آئے تھے اور اب شاید بڑے شاہ جی کی زندگی کو کوئی خطرہ ہے، اس سلسلے میں حکومت کی طرف سے یہاں بھیجا گیا ہے بلکہ خاصے دن ہو گئے انہیں یہاں آئے ہوئے، ہو سکتا ہے آپ کو اس سلسلے میں معلومات حاصل نہ ہوں۔"

"بڑے شاہ جی کے دوسرے معاملات میں میرا کوئی دخل نہیں ہوتا، کیونکہ میں اس سے کوئی دلچسپی نہیں لیتی، لیکن واردات کیا ہوئی تھی یہاں، کیا واقعہ ہوا تھا وہ؟"

"غالباً دو خواتین قتل کر دی گئی تھیں سرونٹ کوارٹر میں۔"

"اوہو...... ہو...... اچھا...... کچھ دن ہنگامے تو رہے تھے...... میں نے سنا تھا لیکن بعد میں کیا ہوا یہ نہیں معلوم ویسے پولیس وغیرہ بڑے شاہ جی کے راستے میں کم ہی آتی ہے اور خود بڑے شاہ جی اپنے لئے مناسب حفاظتی انتظامات رکھتے ہیں...... کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس میں ہمیں پولیس کے تحفظ کی ضرورت ہو اور بڑے شاہ جی کا نظریہ تو پھر بالکل ہی مختلف ہے اور ٹھیک بھی ہے، میں ان سے اتفاق کرتی ہوں۔"

"کیسا نظریہ؟"

"زندگی اور موت کو وہ اہمیت نہیں دیتے کیونکہ ان کا خیال ہے دونوں کام لازم و ملزوم ہیں اور جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اس سے گریز نہیں کیا جا سکتا۔"

"بے شک، یہ بات تو آپ بالکل ٹھیک کہتی ہیں۔"

"بہر حال تم مجھ سے میرے ماضی کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔"

"ہاں۔"

"کسی سے کچھ کہو گی تو نہیں؟"

"نہیں مسرت جہاں، میں ایک اچھے خاندان کی لڑکی ہوں اور یہ جانتی ہوں کہ انسان اگر اچھا نہ بھی ہو تب بھی اسے دوستی نبھانے کے لئے کم از کم کچھ باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

"اچھی لگ رہی ہو مجھے...... اصل میں انسان اپنے ماحول سے بری طرح اُکتا جاتا ہے، یکسانیت فطرت کی قاتل ہوتی ہے اور کبھی کبھی خود اپنا تعین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں، بات اصل میں یہ ہے کہ بچپن ایسا ہی گزرا تھا جیسے چھوٹے بچوں کا گزرتا ہے۔ ماں باپ صاحب حیثیت تھے اور ہیں، بھائی اور پورا خاندان بڑے شاہ جی سے زیادہ اچھی حیثیت کے مالک ہیں ہم لوگ، ہماری زمینیں، ہماری مالی حیثیت بڑے شاہ جی سے دس گنا زیادہ ہے، لیکن بہر حال والدین کے کچھ فاصلے ہوتے ہیں ایک ماضی ہے ہمارا اس ماضی کے تحت، یوں سمجھ لو کہ مجھے میری مرضی کے بغیر بڑے شاہ جی سے منسلک کر دیا گیا۔ میں فطرتاً مختلف تھی میں کچھ اور چاہتی تھی۔ میری خواہشات، میری آرزوئیں بالکل الگ نوعیت کی حامل تھیں لیکن میری پسند کے برخلاف بڑے شاہ جی جیسی طبیعت کے مالک شخص سے میری شادی کر دی گئی۔ ارمان شاہ بہت اچھے انسان ہیں لیکن انسان کی اپنی پسند ہوتی ہے۔ وہ روایتی قسم کے آدمی ہیں، مذہبی ہونا بری بات نہیں ہے لیکن انتہا پسند ہونا بری بات ہے...... وہ عورت کو وہی مقام دیتے ہیں جو ایک روایتی مقام ہوتا ہے، مجھے انہوں نے دنیا کی ہر سہولت مہیا کر رکھی ہے اور بس یہ سوچ کر مطمئن ہو گئے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے کر دیا ہے میں اس سے مطمئن ہوں...... ماں باپ کی یہی ہدایت تھی اور ہے کہ شوہر سے ہر طرح سے تعاون کرو، سو کر رہی ہوں لیکن فطری طور پر میں اس مزاج کی مالک نہیں ہوں۔"

"لیکن مسرت جہاں آپ نے اپنے آپ کو اس مزاج کا مالک بنا تو لیا ہے، لوگ آپ کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ آپ مغرور ہیں اور لوگوں سے کم ملنا جلنا پسند کرتی ہیں۔"

"ہاں...... یہ مزاج میں نے اپنے اندر پیدا کیا ہے، جب مجھے میری پسند کی زندگی نہیں ملی تو میں دوسروں کی پسند کی زندگی کیوں گزاروں، اپنی مرضی کی اتنی مالک تو ہوں میں کہ کسی کو پسند کروں اور کسی کو نہ کروں...... میری فطرت کو تو نہیں بدل سکتے نا یہ لوگ، میری مرضی ہے۔"

"ہاں خیر...... یقیناً برا نہ مانئے...... سوالات ٹیڑھے ضرور ہیں مگر آپ سے محبت سے کئے جا رہے ہیں۔"

"نہیں میں برا نہیں مان رہی...... اگر میرا لہجہ تلخ ہو جائے تو تم بھی اس کا برا مت ماننا...... کم از کم آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا جانتی ہو، یہ سب بڑے شاہ جی کے غلام

ہیں تم مجھے بتاؤ نگاہیں جھکی ہوئی ہوں...... چہرے پر یتیمی برس رہی ہو تو کیا میں کہہ سکتی ہوں کہ آؤ میرے شانوں پر بیٹھ جاؤ، نفرت ہے مجھے ان تمام لوگوں سے، آخر یہ مجھ سے آنکھیں ملا کر بات کیوں نہیں کرتے...... کس کو قتل کرا دیا ہے میں نے، لیکن یہ ہمارے نمک خوار ہیں تو پھر میں ان کو انہی کا مقام دیتی ہوں تو پھر کیا غلط کرتی ہوں...... تم مجھے بتاؤ تم نے مجھ پر توجہ دی، مسرت جہاں کہہ کر پکارا مجھے، میں نے تمہارے ساتھ کوئی بد تمیزی یا بد سلوکی کی۔"

"نہیں...... نہیں...... آپ کیسی باتیں کرتی ہیں مسرت...... بہر حال میں آپ کو بتا دوں کہ زندگی میں تبدیلیاں اپنی پسند اور اپنی مرضی کے مطابق کی جا سکتی ہیں، اپنے آپ کو ایک گھٹن کا شکار رکھ کر زندگی گزارنا کوئی عقل مندی کی نشانی نہیں ہے...... آپ پلیز اپنے لئے ایسا ماحول بنائیے کہ باقی زندگی آپ کی اپنی پسند سے گزرے۔"

"چھوڑو بینا کیا بات کرتی ہو...... بس ہوتا ہے بہت کچھ ہوتا ہے۔"

"آپ بڑے شاہ جی سے کچھ خوش نظر نہیں آتیں۔"

"نہیں وہ اچھے انسان ہیں، بہت اچھے انسان ہیں انسانیت ہے ان کے اندر لیکن ایک بات کہوں انسان کو انسان رہنا چاہئے یا تو دنیا ترک کر کے درویش بن جائے، عبادتوں میں زندگی گزارے یا پھر اگر دنیادار ہے تو کم از کم دوسروں کے سینے پر بوجھ نہ بنے۔"

"مذہب تو یہی کہتا ہے مسرت جہاں کہ انسان دنیا اور دین دونوں کا خیال رکھے۔"

"دیکھو مجھ سے مذہبی گفتگو مت کرو، کہیں کوئی ایسی بات منہ سے نکل جائے جو مذہبی روایات کے خلاف ہو تو بلاوجہ کچھ گناہ سر پر مسلط ہو جائیں گے...... میں تھکی ہوئی شخصیت ہوں بہت زیادہ تھکی ہوئی...... شاہ جی درویش صفت بنے رہتے ہیں...... میرا خیال ہے کہ رحمان گڑھی میں کوئی بھی تمہیں ایسا نہیں ملے گا جو شاہ جی کو برا انسان کہے لیکن ان کے کچھ اصول کسی کو ذہنی تکلیف تو پہنچا سکتے ہیں، بس چھوڑو ان باتوں کو یوں سمجھ لو کہ مجھے شاہ جی جیسے شوہر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، شوہر تو دوست ہوتا ہے احترام تو ہم بہت سے رشتوں کا کرتے ہیں...... میں اپنے طور پر ایک دوست شوہر چاہتی تھی، وہ مجھے نہیں ملا۔"

"کوئی ذہن میں تھا۔" بینا نے سوال کیا...... وہ بڑی احتیاط کے ساتھ مسرت جہاں کو شیشے میں اتار رہی تھی۔

"یقین کرو نہیں...... عشق و محبت جیسی چیزوں سے میں بالکل دور رہی ہوں لیکن

خیال ضرور تھے دل میں کہ زندگی میں جو شخصیت شامل ہو وہ ایسی ضرور ہو جس سے دوستی کا انداز اختیار کیا جائے۔"

"ہاں...... یہ صحیح طلب ہے جسے غلط نہیں کہا جا سکتا، ماحول واقعی بہت خوب صورت ہو رہا ہے۔" کچھ دیر کے بعد ملازمہ نے کافی کی ٹرے سامنے لا کر رکھ دی...... بینا چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھی، حویلی سے تھوڑے فاصلے پر ایک چھوٹا سا خوب صورت گھاس کا میدان پھیلا ہوا تھا جس کے دونوں سمت کا حصہ درختوں سے گھرا ہوا تھا اور اس کے بعد ایک اور دروازہ نظر آ رہا تھا جو کسی ٹوٹی پھوٹی حویلی کا دروازہ تھا۔ بینا نے اس طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا ہے؟"

"آسیب محل۔"

"کیا؟" بینا چونک کر بولی۔

"ہاں...... وہ آسیب محل ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"پرانی حویلی جو اب آسیب زدہ کہلاتی ہے لیکن تم دیکھو کہ آسیبوں کا بڑی حویلی سے کسی طرح رابطہ قائم ہے اور ان کو بڑی حویلی میں آنے جانے کی کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔" بینا نے نہ سمجھ آنے والے انداز میں مسرت جہاں کو دیکھا تو وہ بولی۔

"کبھی آسیب دیکھے ہیں زندگی میں۔"

"نہیں۔"

"ہوں۔"

"مگر وہ پرانی حویلی۔"

"چھوڑو وہ ہمارا موضوع نہیں ہے...... تم یہ بتاؤ کہ شادی کر کے کیسی زندگی گزار رہی ہو؟"

"بہت اچھی ہے...... ظاہر ہے یہاں کے اصول نہیں ہیں ورنہ میں آپ کو شہاب سے ضرور ملوائی۔"

"شہاب تمہارے شوہر کا نام ہو گا۔"

"جی۔"

"طبیعت کا کیسا انسان ہے؟"

"خوش اخلاق، محبت کرنے والے، اچھی شخصیت کے مالک ہیں۔"

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" مسرت جہاں نے کہا اور بینا نے کافی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ بولی۔

"نہیں رہنے دو وہ سب کچھ مت کرو جو دوسرے کرتے ہیں تم میری مہمان ہو میرے ہاتھوں کی بنائی ہوئی کافی پیو۔"

"شاہ جی اپنے والدین کے اکلوتے ہیں؟" بینا نے سوال کیا۔

"سوال ہماری شخصیتوں سے تعلق نہیں رکھتا۔"

"نہیں، آپ ایسی بات نہ کہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ نے شہاب کے بارے میں پوچھا...... میں نے آپ کو تفصیل بتائی...... شاہ جی کے بارے میں میں آپ سے کچھ معلومات حاصل کر رہی ہوں تو غلط تو نہیں ہے، اس کے باوجود اگر آپ کچھ نہ بتانا چاہیں تو کوئی حرج نہیں۔"

"پہلی بار ملی ہو...... اچھی لگتی ہو، اعتبار قائم کرنے کو دل چاہتا ہے لیکن بہر حال بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جنہیں زبان سے نکالنا بہتر نہیں ہوتا...... شاہ جی سے بڑے بھی ایک اور شاہ جی تھے نام سنا ہو گا۔"

"کون؟" بینا نے سوال کیا۔

"رحیم شاہ صاحب۔"

"غالباً ارمان شاہ کے والد۔"

"ہاں۔"

"ہاں...... بالکل نام سنا ہے۔"

"بہت اچھے انسان تھے یوں سمجھ لو کہ رحمان گڑھی کو رحمان گڑھی انہوں نے ہی بنایا تھا، حالانکہ یہ آبادی یا یہ بستی ان کے والد یعنی ارمان شاہ کے دادا نے آباد کی تھی اور ان کا نام رحمان شاہ تھا جس کی مناسبت سے اس آبادی کا نام رحمان گڑھی پڑا لیکن رحیم شاہ نے رحمان گڑھی کے لوگوں کو زندگی کی بہت سی ضرورتیں مہیا کیں اور یہاں کے لوگ ان کی پوجا

کرتے رہے، جبکہ رحمان شاہ صاحب ذرا سخت قسم کے انسان تھے پھر اس کے بعد ارمان شاہ نے یہاں کا نظام سنبھالا...... آؤ، میں تمہیں ایک عجیب و غریب کہانی سناتی ہوں...... بارش کے اس موسم میں تمہیں یہ کہانی پسند آئے گی، بڑی دلچسپ کہانی ہے۔"

"ہاں، ضرور۔" بینا نے کہا۔

"رحیم شاہ بہت اچھے انسان تھے، بلاشبہ برائیاں نہیں تھیں ان کے اندر لیکن پھر ایک واقعہ ہو گیا ایک چھوٹا سا واقعہ...... ہوا یوں کہ کہیں سے کوئی دعوت نامہ آیا...... رحیم شاہ کے لئے غالباً کسی کی شادی تھی۔ رحیم شاہ یعنی ارمان شاہ کے والد اس شادی میں شرکت کرنے کے لئے گئے، شادی ہو چکی تھی اور ارمان شاہ پیدا بھی ہو چکے تھے، زندگی بہتر انداز میں گزر رہی تھی، جس شادی میں گئے تھے وہ ذرا آزاد خیال لوگوں کی شادی تھی، وہاں مجرے کے لئے کچھ طوائفیں آئی ہوئی تھیں، کوئی بہت ہی حسین طوائف زادی رحیم شاہ کو بھا گئی...... انسان بہر حال کچھ بھی ہو لیکن کچھ قدرتی صفات ایسی ہوتی ہیں جن سے بہتر طور پر وہ متاثر ہو جاتا ہے۔ رحیم شاہ اس رقاصہ سے متاثر ہو گئے اور اتفاق کی بات یہ کہ رقاصہ بھی انسان ہی تھی، میں اسے طوائف نہیں کہہ رہی بلکہ رقاصہ ہی کہہ رہی ہوں...... غرضیکہ دونوں کی ملاقات ہوئی اور رحیم شاہ صاحب کچھ اس طرح اس سے متاثر ہوئے کہ اس سے نکاح کر لیا، گئے تھے کسی اور کی شادی میں، اس سے نکاح کر کے واپس آ گئے پھر اس طوائف کو رہنے کے لئے ایک عالی شان جگہ دی گئی بات جب تک چھپا سکے چھپ گئی، نہ چھپا سکے اور آہستہ آہستہ وہ بات منظر عام پر آ گئی...... پہلی بیوی نے سنا، عورت جو ہنگامہ کر سکتی تھی کیا لیکن بہر حال عورت کی ایک حد ہوتی ہے، وہ حد ختم ہو گئی لیکن قدرت نے رحیم شاہ کی بیوی کو موقع دیا...... وہ طوائف انتقال کر گئی اور اپنے وجود کا ایک حصہ ایک بیٹے کی شکل میں چھوڑ گئی۔ بیٹے کو بہر حال رحیم شاہ صاحب نے پروان چڑھایا لیکن اس کا دماغی توازن درست نہیں تھا، بہت علاج کرائے گئے اس کے...... ٹھیک نہیں ہو سکا اب بھی وہ اس پرانی حویلی میں رہتا ہے...... بس ایک ملازم اس کے ساتھ ہوتا ہے جو اس کی دیکھ بھال کرتا ہے...... ارمان شاہ کو ان کے والد یہ تلقین کر گئے تھے کہ اپنے سوتیلے بھائی کو کوئی تکلیف نہ ہونے دے لیکن بہر حال اس کا دماغی توازن درست نہیں ہے، وہ وہیں رہتا ہے اور رحیم شاہ صاحب کی ہدایت کے مطابق ارمان شاہ نے اس سے کسی کو ملنے کی اجازت بھی نہیں دی ہوئی، بعض اوقات تو لوگ یہ

چنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ممکن ہے کہ ارمان شاہ اس طوائف زادے کو اپنی دولت میں سے ئی حصہ نہ دینے کی غرض سے اسے پرانی حویلی میں قید کئے ہوئے ہیں، لیکن ایسی بات نہیں ے وہ نہیں ہوا جو لوگوں نے سوچا تھا اور حالات نارمل ہی رہے...... یہ کہنے والوں کی زبانیں د بخود بند ہو گئیں...... ارمان شاہ بہت نرم طبیعت کے انسان ہیں لیکن بہر حال کسی کو اپنے ے میں کچھ کہنے کی اجازت بھی نہیں دیتے اور ان کی جگہ کوئی بھی ہو ظاہر ہے ایسا ہی ے گا وہ، تو یہ ہے جناب صورت حال، تسلی ہو گئی ہو گی آپ کی۔" مسرت جہاں نے کسی در خوشگوار انداز میں کہا اور بینا مسکرانے لگی اور بولی۔

"سچ بتاؤں آپ کو، مجھ سے کہا گیا تھا مسرت جہاں کہ آپ انتہائی مغرور اور کسی کو منہ لگانے والی خاتون ہیں، لیکن میں سمجھتی ہوں آپ اتنی اچھی انسان ہیں کہ آپ کے بارے ں اگر کوئی شخص غلط کہے تو اس سے جھگڑا کرنا چاہئے۔" مسرت جہاں پھیکے سے انداز میں سکرا کر رہ گئی تھی، بینا نے کہا۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی...... ہر چیز کا کوئی نہ کوئی حل ہونا چاہئے...... آپ کی زندگی اگر ی انداز میں گزرتی رہی تو اسے زندگی کہیں گی آپ۔"

"دیکھو...... مجھے رلانے کی کوشش مت کرو، اگر رو پڑی تو سارا وقار بہہ جائے گا...... ڑی مشکل سے میں نے اپنا ایک مقام بنایا ہے اور میں اپنی زندگی میں کوئی شگاف نہیں چاہتی، م تو آج ہو کل چلی جاؤ گی، مجھے باقی زندگی بھی اسی انداز میں بسر کرنی ہے اس لئے ایسے جملے نہ کہو میرے بارے میں کہ میرے دل میں خود میرے لئے ہمدردی پیدا ہو جائے، پلیز بینا۔"

"او کے...... او کے...... میں جانتی ہوں، میں سمجھتی ہوں۔"

"آؤ نیچے چلتے ہیں، نہ جانے کیوں طبیعت پر تکدر سا سوار ہو گیا ہے۔ آؤ پلیز، میں ذرا ی قسم کی انسان ہوں۔" پھر بینا نے محسوس کیا کہ وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہے، نانچہ اس نے مسرت جہاں سے اجازت مانگ لی۔

"ہاں...... طبیعت پر اضمحلال پیدا ہو گیا ہے لیکن سنو میں جب بھی بلاؤں آ جانا اور انے کی کوشش مت کرنا...... مطلب یہ کہ جانے سے بہت پہلے مجھے بتا دینا کہ جا رہی ہو اگر ا کچھ کہنا چاہے تو کہیں دل ہی میں نہ رہ جائے۔"

"نہیں...... آپ جب بھی مجھے بلائیں گی میں آ جاؤں گی، حالانکہ میرا دل تو یہ چاہے گا

کہ جب بھی چاہوں یہاں آجاؤں لیکن پھر بھی۔"

"ہاں...... میں بلاؤں گی تمہیں...... او کے۔" وہ اپنی خواب گاہ میں داخل ہوئی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا...... بینا نے محسوس کر لیا کہ خاصی ذہنی مریضہ ہے اور اپنے طور پر اپنی اُلجھنوں میں ڈوبی ہوئی، بہر حال کردار تو ہوا ہی کرتے ہیں لیکن بینا کچھ نئے انکشافات لے کر شہاب تک پہنچی تھی اور رات ہی کا وقت اسے ملا تھا۔ جب شہاب سے اس بارے میں گفتگو ہوئی تو شہاب نے کہا۔

"ویسے تو بینا اس سے پہلے بھی ہم بہت سے ایسے معاملات سے نمٹ چکے ہیں جو ہمارے لئے خاصی اُلجھنوں کا باعث بنے ہیں، لیکن آخر کار تمام اُلجھنیں سلجھ گئی ہیں، بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے وقت درکار ہوتا ہے...... اب جہاں تک شاکو کا معاملہ ہے تو وہ بے چارہ گرفتار ہو گیا ہے۔ یہ ایک بہتر قدم اٹھایا ہے میں نے کہ اسے ڈبل او گینگ کی تحویل میں رکھا ہے، لیکن بہر حال کسی نہ کسی وقت اسے قانون کے حوالے کرنا ہو گا...... ویسے نادر حیات صاحب ہمارے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہیں...... اس شخص نے مجھے میرے کام کے لئے جتنی آسانیاں فراہم کی ہیں بینا میں انہیں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا، مگر ابھی تک اونٹ کسی کروٹ بیٹھ نہیں رہا ہے۔"

"کیوں؟"

"بھئی ابھی تھوڑے دن پہلے کی بات ہے تمہارے ذہن میں ایسا ہی ایک شخص ہو گا جو درویش بنا پھرتا تھا لیکن بعد میں وہ اتنی بھیانک چیز نکلی کہ میں خود بھی دنگ رہ گیا تھا...... میرے ذہن میں ارمان شاہ کے لئے بھی یہی خیال تھا، لیکن یار کہیں سے کوئی ایسا کمزور پہلو نہیں رہا جس سے میں حقیقتوں کو جان سکوں...... ایک تھوڑی سی غلطی ہو گئی ہے مجھ سے، بس یہ احساس ہوتا ہے کہ اس غلطی کے بعد کہ انسان کو ہمیشہ حد سے زیادہ خود اعتمادی کا شکار نہیں ہونا چاہئے، ممکن ہے کہ وہ غلطی مجھے کوئی نقصان بھی پہنچا جائے۔" شہاب کے ان الفاظ پر بینا نے چونک کر شہاب کو دیکھا اور شہاب نے اس کی آنکھوں میں تشویش کے آثار پائے تو جلدی سے بولا۔

"ارے نہیں نہیں، غلط سمجھی ہو...... نقصان سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ مجھے کوئی جانی نقصان پہنچ جائے، مطلب میرے اپنے کام کے سلسلے میں ہے۔"

"خدا آپ کو محفوظ رکھے...... ویسے ابھی تک آپ۔"

"ہاں بینا، آؤ وہی انداز اختیار کریں جو اس سے پہلے کرتے رہے ہیں، یعنی کسی مسئلے پر آپس میں گفتگو کرنا اور کسی نتیجے پر پہنچنا۔" بینا نے گردن ہلا دی تو شہاب مسکرا کر بولا۔

"یار میرے منافع کی کوئی انتہا ہے کہ ایک پولیس آفیسر سے ایک کیس کے سلسلے میں بات کر رہا ہوں اور پوری ہمت اور اس یقین کے ساتھ کہ جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں اس میں مجھے مشورہ ملے گا اور پھر وہ شخصیت میری بیوی بھی ہے۔"

"ویسے مجھے تھوڑی شکایت ہے شہاب۔"

"شکایت نہ ہو بینا تو زندگی بے مزہ ہو جاتی ہے، شرط یہ ہے کہ شکایت ضرور بیان کی جائے اور اس کے جواب میں اگر کچھ کہا جائے تو اس پر ہمدردانہ غور فرمایا جائے تاکہ دوسرا اپنی بے گناہی ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائے، بشرطیکہ وہ بے گناہ ہو۔"

"بات اصل میں یہ ہے...... مگر چھوڑو، یہ بتاؤ شکایت کیا ہے؟"

"وہ یہ ہے کہ شادی کرنے کے بعد آپ نے ذرا میری کچھ زیادہ ہی حفاظت شروع کر دی ہے...... مجھے بہت سے معاملات سے دور رکھتے ہیں...... یہ سوچ کر کہ کہیں مجھے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔"

"نہیں بینا...... میں اس پر احتجاج کرتا ہوں، شادی ہونے کے بعد یا یوں سمجھ لیجئے آپ کہ میں نے آپ کی حفاظت کا سلسلہ بہت محدود کر دیا ہے، جبکہ اس کے بعد مجھ پر زیادہ ذمہ داریاں عائد ہونی چاہئے تھیں...... شادی سے پہلے ایک خود غرض انسان کی حیثیت سے میں آپ کو مختلف معاملات میں جھونک دیا کرتا تھا، لیکن توبہ...... توبہ...... آپ نے ایسا ایٹمی دھماکا کیا میرے سرے میں کہ صاحب میں تو ہیرو شیما بن کر رہ گیا۔" بینا شرما کر ہنس دی تھی، پھر اس نے کہا۔

"یہ نہ کہئے آپ بلکہ یہ کہئے کہ۔"

"جی جی...... فرمائیے۔"

"بس کچھ نہیں کہنا، اب دیکھیں نا بات کو آپ کہاں سے کہاں لے گئے حالانکہ ہم اس موضوع پر ایک سنجیدہ گفتگو کر رہے تھے۔"

"چلئے ٹھیک ہے جیل سے شاکر خان عرف شاکو فرار ہوا، یہ وہ شخص تھا جس نے اپنی

بیوی اور بھاوج کو قتل کر دیا تھا لیکن عینی شاہدوں کے نہ ملنے سے سزائے موت سے بچ گیا تھا۔ کچھ گواہان ایسے تھے جن کی بنا پر اسے عمر قید کی سزا ہو گئی، جبکہ وہ کہتا تھا کہ اس نے اپنی بیوی اور بھاوج کو قتل نہیں کیا...... تم نوٹ کر رہی ہو نا۔"

"ایک منٹ، مگر یہاں کاغذ پنسل کہاں سے لاؤں؟"

"صرف ذہنی طور پر۔"

"جی۔"

"شاکر خان یا شاکو کے بھائی کا انتقال ہو چکا تھا۔ بھاوج کی ایک بیٹی تھی جسے وہ ساتھ لے گیا تھا۔ میرا مطلب ہے شاید میں آگے سے بول گیا یعنی وہ یہاں اس حویلی میں ملازمت کرتا تھا اور فیملی کوارٹر میں رہتا تھا۔ یہاں فرزند نامی ایک شخص نے اس کی بیوی اور بھاوج کو اپنی برائی کا نشانہ بنایا اور فرار ہو گیا، جبکہ شاکر خان نے واپس آکر بد چلنی کے الزام میں اسے قتل کر دیا۔ فرزند اسی وقت نکل بھاگا تھا...... انہیں قتل کرنے کے بعد شاکو یا شاکر خان بھاوج کی بچی کو لے کر یہاں سے فرار ہو گیا، بعد میں گرفتار ہوا اور یہی کہتا رہا کہ یہ دونوں قتل اس نے نہیں کئے لیکن اس میں بہت بڑی خرابی یا خامی یہ رہ گئی کہ اس بچی کے بارے میں صحیح پتا نہ چل سکا اور یہ فرض کر لیا گیا کہ شاکر خان اس بچی کو لے کر وہاں سے فرار ہوا اور اس نے اس کی بھی گردن دبا کر اسے ہلاک کر دیا...... بینا یہاں پر یہ نکتہ نوٹ کرو کہ پہلی بات تو یہ کہ ایک شخص جو دو افراد کو قتل کر کے وہاں سے فرار ہوتا ہے ایک بچی کو اپنے ساتھ لے جانے کا خطرہ کیوں مول لے گا اور وہ بھی اس لئے کہ اسے بھی جان سے مار کر ہلاک کر دے...... اس کا دوسرا پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ وہ اس بچی کو چاہتا تھا۔ اگر چاہتا تھا تو پھر اس نے اسے ہلاک کیوں کر دیا، نہیں چاہتا تھا اس سے چھٹکارے کا خواہش مند تھا تو اسے وہیں ہلاک کر کے کیوں نہ فرار ہو گیا جہاں اس نے دو عورتوں کو قتل کیا تھا وہاں اس بچی کو بھی ختم کر دیتا، اگر وہ اس کا اعتراف کر لیتا کہ اسی نے ایسا کیا ہے تو معاملہ اتنا بگڑا ہوا نہ رہتا نہ وہ بچی کے قتل کا اعتراف کرتا ہے اور نہ ان دونوں عورتوں کے قتل کا بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ دونوں انتہائی پاک باز تھیں اور اچھی طبیعت کی مالک تھیں، ان کے ساتھ ظلم ہوا، وہ کہتا ہے کہ اس نے انہیں قتل نہیں کیا۔ بات فرزند پر آتی ہے، فرزند بھی اسی جگہ ملازم تھا...... ظاہر ہے شاکر خان عرف شاکو فرزند سے بھی واقف ہو گا۔ اس سلسلے میں اس کا کوئی بیان کسی جگہ نہیں ہے صرف اس بنیاد پر

مجرم تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ارمان شاہ نے اس کے لئے گواہی دی ہے۔ بینا! ارمان شاہ جہاں تک ہم دیکھتے ہیں بستی میں اس کے لئے ایسا تاثر نہیں ملا جس سے یہ اندازہ ہو کہ وہ بھی برا انسان ہے، لوگوں کے خیالات اچھے ہی ثابت ہوئے ہیں اس کے لئے جبکہ یہ کیس ...ی اور قتل کا ہے کوئی بہت اہم نکتہ ابھی تک پتا نہیں چل سکا...... فرزند کے بارے میں، میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس کی ماں اور بہن پوری طرح سے یہ بات کہتی ہیں کہ وہ ایک اچھا انسان تھا...... یہاں زیادہ لوگوں سے تو معلومات حاصل نہیں ہو سکیں لیکن جس سے بھی معلوم ہوا یہی پتا چلا ہے کہ معاملہ کچھ اُلجھا ہوا سا ہے۔ فرزند بھی برا آدمی نہیں تھا، اس کی ماں پاگل ہو گئی ہے...... ہاں، ایک غلط شخص ملا تھا جس کا نام تھا حمیدا، حمیدا کو کسی نے زبان خاموش رکھنے کے لئے رقم دی تھی اور حمیدا نے مجھے جو کہانی سنائی ہے میں اس پر دنگ ہوں اور اب اسی سلسلے میں کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"کہانی کیا ہے؟" بینا نے سوال کیا پھر جلدی سے بولی۔

"مگر ٹھہرو...... تھوڑا سا میں تمہیں اس بارے میں بھی بتاتی ہوں، میرا مطلب ہے کہ اپنے کسی انکشاف سے پہلے میں نے یہاں جو کچھ کیا ہے وہ میں آپ کو سنانا چاہتی ہوں...... مسٹر شہاب اس کے بعد آپ آگے کے واقعات کا آغاز کریں۔"

"ٹھیک، پھر ہو جائے بسم اللہ۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا...... بینا کچھ لمحے سوچتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔

"شہاب! اس حویلی کو پوری طرح دیکھا ہے آپ نے۔" شہاب نے چونک کر بینا کو دیکھا اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش اُبھر آئے تھے۔ بینا بغور اس کا جائزہ لے رہی تھی...... بہر حال اب شہاب اور بینا کے درمیان اتنی یگانگت ضرور ہو گئی تھی کہ دونوں ایک دوسرے کی کیفیات سے واقف ہو سکیں...... بینا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اگر نہیں بھی دیکھا ہے آپ نے تو یقینی طور پر آپ کو اس کے بارے میں خاصی معلومات حاصل ہیں۔"

"بینا بات پوری کرو، پلیز۔" شہاب نے کہا۔

"ہاں یقیناً اس حویلی کا عقبی حصہ بالکل الگ حیثیت رکھتا ہے، یعنی آپ یہ سمجھ لیجئے کہ عقبی حصے کے ایک سلسلے کو اس طرح ایک دوسرے سے منقطع کیا گیا ہے کہ ساری

صورتحال واضح ہو جاتی ہے، یعنی یہ کہ ادھر سے اگر کوئی ادھر جانا چاہے تو اس کے راستے میں دیواریں حائل ہیں اور وہاں تک جانا کم از کم حویلی کے اندرونی حصے سے آسان نہیں ہے، لیکن یہ بات بھی ہے کہ ادھر سے رابطہ بھی قائم ہے یعنی یہ کہ یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ وہاں تک نہ جایا جاسکے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں بینا، آگے کہیں۔"

"میں نے دور سے اسے دیکھا ہے وہ غالباً پرانی حویلی ہے اور عرف عام میں آسیب زدہ مشہور ہے۔"

"ٹھیک، بولتی رہو۔"

"وہاں ایک شخص رہتا ہے۔" بینا نے کہا۔

"کون؟" شہاب سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔

"ارمان شاہ کا سوتیلا بھائی، میں اس کا نام نہیں جانتی لیکن وہ ذہنی طور پر عدم توازن کا شکار ہے، یعنی یوں سمجھ لو کہ وہ پاگل ہے۔" شہاب کی آنکھوں میں شدید حیرت کے آثار تھے، اس نے آہستہ سے کہا۔

"بولتی رہو بینا، میرے لئے حیرت انگیز انکشافات کر رہی ہو۔"

"کیا تمہیں اس کے بارے میں معلوم تھا شہاب۔"

"نہیں۔" شہاب نے صاف گوئی سے کہا۔

"تب یہ اچھی بات ہے کہ میں نے تمہیں ایک اہم بات سے روشناس کیا۔"

"ہاں بینا! براہ کرم مجھے مزید تفصیل بتاؤ۔"

"شہاب! وہ شخص ارمان شاہ کا سوتیلا بھائی ہے لیکن ایک طوائف کی اولاد جسے بہر حال ظاہر ہے ارمان شاہ کبھی باقاعدہ منظر عام پر نہیں لایا ہوگا۔"

"رحیم شاہ کا بیٹا ہے وہ؟"

"ہاں اور رحیم شاہ نے بھی بقول مسرت جہاں کے آوارگی کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس طوائف سے شادی نہیں کی تھی بلکہ ایک ایثار کیا تھا جس کے نتیجے میں اس کے ہاں وہ بیٹا پیدا ہوا اور ظاہر ہے اس بیٹے کو کسی بھی طرح رحیم شاہ کوئی قانونی مقام نہیں دے سکا تھا، لیکن اس نے ارمان شاہ کو یہ وصیت کی کہ اس بیٹے کو سڑکوں پر نہ روندھا جائے بلکہ ارمان شاہ اس کا

تحفظ کرے۔"

"اوہ...... میرے خدا واقعی، واقعی، بہت عجیب، بے حد عجیب، تقریباً، خیر آگے کہو۔"

"بس وہ وہاں رہتا ہے اور شاید ارمان شاہ اس کے تحفظ کی خاطر یہ نہیں چاہتا کہ لوگوں کو اس طرف جانے کا موقع ملے، اس لئے وہ حویلی آسیب زدہ مشہور کر دی گئی ہے۔"

"اور وہ پاگل بھائی وہیں رہتا ہے؟"

"ہاں۔"

"ایک بات اور بتاؤ۔"

"پوچھو۔"

"کیا ارمان شاہ نے اس کا علاج کرانے کی کوشش نہیں کی؟"

"یقین کرو اتنی معلومات مجھے حاصل نہیں ہیں۔"

"ظاہر ہے، ظاہر ہے...... حیرت انگیز، بے حد حیرت انگیز، اوہو، واقعی۔"

"اچھا اب یہ بتاؤ، واقعی تمہیں اس سلسلے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔"

"نہیں بینا...... تھوڑا بہت معلوم تھا لیکن جو شخص میرے لئے ذریعہ معلومات بنا وہ بھی شاید اصل بات نہیں جانتا تھا، ورنہ، ورنہ......" شہاب جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔

"فرزند کا بہنوئی حمیدا جو بہر حال ایک جرائم پیشہ قسم کا انسان ہے، یقینی طور پر ایک غلط انسان۔" اور اس کے بعد شہاب نے بینا کو حمیدا کی کہانی سنائی...... بینا گہری سوچ میں ڈوب گئی، تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔

"شہاب ہم پورے اعتماد کے ساتھ تو کوئی بات نہیں کہہ سکتے لیکن ظاہری بات ہے کہ خود ارمان شاہ نے حمیدا کو وہ رقم دی ہوگی۔"

"ہاں...... حمیدا نے کچھ دیکھ لیا تھا اور یقینی طور پر اس نے جو کچھ دیکھا ہے...... او، بینا تمہارے آنے سے سارا مقصد حاصل ہو گیا مجھے۔"

"جناب میں تو شادی شدہ ہو کر مفلوج ہو گئی ہوں، بالکل اپاہج ہو گئی ہوں، کوئی کام ہی نہیں کر سکتی...... اس لئے جناب مجھے نظر انداز کر دیتے ہیں۔"

"یار...... بار بار وہ بات مت کہلواؤ جو ایک بار کہہ چکا ہوں...... بھائی اب تم میری عزت ہو، میری آبرو ہو۔"

"اور میرے اپنے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"کیا میں اپنی عزت، اپنی آبرو خود نہیں ہوں۔"

"ہو...... بالکل ہو...... سو فیصدی ہو۔"

"تو مجھ پر اعتبار کرنا چاہئے تمہیں۔"

"بینا اعتبار کرتا ہوں میں تم پر، اچھا خیر چھوڑو، یہ بتاؤ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں کوئی حل نکالنا ہو گا اس کا، حمیدا نے غلط نہیں کہا تھا۔"

"مسئلہ فرزند کا آجاتا ہے، آخر وہ کہاں ہے؟"

"حمیدا کا کہنا ہے کہ وہ شہر میں ہے۔"

"میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی۔"

"کیا؟"

"فرزند......" پھر بینا جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئی، شہاب نے کہا۔

"تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ شاکو گرفتار ہو گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ نادر حیات صاحب کی مدد سے میں نے شاکو کو پولیس کی تحویل میں نہیں جانے دیا۔"

"ہاں۔"

"بینا...... ہمیں ایک بار شاکو سے ملاقات کرنا ہو گی۔"

"شاکو سے ملاقات؟"

"ہاں، وہ بہت سے انکشافات کر سکے گا۔"

"کر دے گا۔"

"کوشش کریں گے۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"ایک بات سنو...... میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔"

"کیا؟"

"اگر شاکو کو اس بچی کا حوالہ دیا جائے مگر بات وہی فرزند والی آجاتی ہے...... فرزند ہمیں اگر اس کے بارے میں معلوم ہو جائے تو بڑی آسانی ہو جائے گی۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے، کیا کہہ سکتی ہوں میں۔" بینا نے کہا اور دونوں گہری سوچ میں ڈوب گئے...... ظاہر بات ہے ہر کام اس طرح تو نہیں ہو جاتا جس طرح انسان کی خواہش ہوتی ہے، بہت سی مشکلات راستے میں آتی ہیں اور یہ ابھی ان مشکلات کا شکار تھے...... شہاب کچھ لمحے سوچتا رہا پھر اس نے مسکرا کر بینا سے کہا۔

"جانتی ہو تمہیں یہاں بلانے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی؟"

"پتا نہیں، میں تو یہ سمجھی تھی کہ شاید مجھ سے دور رہتے ہوئے کچھ مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، یعنی میں یاد وغیرہ آتی ہوں گی۔" شہاب ہنسنے لگا پھر بولا۔

"نہیں ایسی بات نہیں تھی بینا، ظاہر ہے اب تم میرا اپنا وجود ہو...... اپنے بدن کے جس حصے کو جب دل چاہے چھوا جا سکتا ہے وہ حسرت نہیں بنتا اس لئے میں یہ جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

"پھر؟"

"اصل میں ذرا سا شبہ تھا میرے ذہن میں، خود اپنے ارمان شاہ صاحب کے سلسلے میں تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ تمہیں ذرا یہاں بلا کر ارمان شاہ صاحب کا رویہ دیکھوں اور تم سے بہتر اور کون ہو سکتا تھا لیکن اب اس نئی کہانی نے صورتحال کو تبدیل کر دیا ہے اور بالکل یہ سمجھ لو کہ ایک طرح سے ہمیں ایک نیا سیٹ اپ بنانا پڑے گا، ایک بار شاکو سے ملاقات ہو جائے تو کچھ کام کیا جا سکتا ہے، ویسے بینا ایک اور حیرت ناک بات یہ ہے کہ آخر ارمان شاہ، شاکو کی طرف سے اتنا مطمئن کیوں ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟"

"ارمان شاہ کے بارے میں جہاں تک اندازہ ہوتا ہے کوئی ایسا مسئلہ ضرور ہے جو قابل غور ہے وہ حد سے زیادہ خود اعتمادی کا شکار ہے۔ یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ فطرتاً نیک طبع ہے اپنے آپ پر بہت زیادہ یقین رکھتا ہو۔"

"ہاں ہو سکتا ہے اس بات کے پورے پورے امکانات ہیں۔"

"اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"میں اس سلسلے میں ایک لمبا ڈراما کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں، بہر حال شاکو ہماری گرفت میں ہے اور اگر وہ واقعی مجرم ہے تو قانون کی گرفت سے ہم نکالنے کی کوشش نہیں کریں گے، ایسا ہم نے کبھی نہیں کیا اور آئندہ بھی یہی ہمارا رویہ رہے گا، لیکن بہر حال

ساری باتیں اپنی جگہ شاکو سے ملاقات کر کے کچھ انکشافات بھی ہو سکتے ہیں۔ اصل میں بینا، میں جو ڈراما کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں وہ بالکل منفرد نوعیت کا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس ڈرامے کے نتائج خطرناک نکل آئیں لیکن بہرحال یہ بہتر رہے گا، ہمیں اس سے کچھ تبدیلیوں کے ہونے کا امکان ہے۔ یہ بات تو ارمان شاہ اچھی طرح جانتا ہے کہ شاکو جیل سے فرار ہو چکا ہے اور اس نے مرزا جواد بیگ پر قاتلانہ حملہ کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن اس کے باوجود ارمان شاہ نے اپنے تحفظ کے لئے کوئی معقول بندوبست نہیں کیا۔ میں اس کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔"

"طریقہ کار کیا ہو گا؟" بینا نے سوال کیا اور شہاب پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا، پھر بولا۔

"سوچنا پڑے گا، ذرا گہرائی سے سوچنا پڑے گا۔" اور اس کے بعد دونوں خاموش ہو گئے تھے...... شہاب سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، کچھ لمحوں کے بعد وہ مسکرا کر بولا۔

"ترکیب ہے بینا، ذرا تھوڑا سا ڈراما بھی ہونا چاہئے...... ہم لوگ بہت دن سے سادہ سی زندگی گزار رہے ہیں...... اب ذرا چیلنج ضروری ہے۔"

"مثلاً۔"

"ارمان شاہ پر قاتلانہ حملہ۔" شہاب نے کہا اور بینا چونک کر شہاب کی شکل دیکھنے لگی۔

"میں سمجھی نہیں۔"

"ڈبل او گینگ کے افراد سے رابطہ قائم کرنا ہو گا۔ شاکو کی گرفتاری کی خبر ابھی کسی کو بھی نہیں ہے...... ارمان شاہ پر ایک ناکام حملہ ہو گا لیکن اس انداز میں کہ ارمان شاہ سوچنے پر مجبور ہو جائے...... ہم اس کا رویہ دیکھیں گے اس کے لئے ایک باقاعدہ پلاننگ کرنا ہو گی، کیا سمجھی؟" بینا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، پھر بولی۔

"گویا اس وقت تم صحیح معنوں میں تفریح کرنے کے موڈ میں ہو۔"

"کریں گے بینا، کریں گے...... بعض اوقات حقیقتوں کو سامنے لانے کے لئے ناک کو ہاتھ گھما کر پکڑنا پڑتا ہے اور یوں مجبوری ہوتی ہے۔ اب تم دیکھو نا کافی حد تک بات سمجھ میں آ رہی ہے، لیکن اب بھی کچھ ایسے پہلو تشنہ ہیں جن کی وضاحت صرف چند ہی لوگ کر سکتے ہیں، لیکن یہ چند لوگ اگر تم غور کرو تو وضاحت تو ایک الگ بات ہے، اگر انہیں اس بات کا

علم ہو جائے کہ ہم تھوڑی بہت حقیقتوں کو جان چکے ہیں تو وہ خود ہمارے لئے نہ جانے کیا کچھ کرنے پر آمادہ ہو جائیں...... بینا آج تک یہی ہوتا رہا ہے، لوگ اپنا جرم چھپانے کے لئے بہت کچھ کر ڈالتے ہیں...... ساری باتیں اپنی جگہ بہت سی باتوں سے اتفاق کرتا ہوں میں، لیکن پھر بھی بینا دیکھو ہر انسان کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے، ایک طریقہ کار ہوتا ہے۔ ہم صرف اپنے آپ کو بچانے کے لئے خود کو محفوظ رکھنے کے لئے یا اپنی کسی خواہش اور محبت کی تکمیل کے لئے دوسروں کی زندگی سے کھیلنے کا کیا حق رکھتے ہیں، یہ تو نہیں ہونا چاہئے نا۔"

"ہاں بالکل۔" بینا نے مدہم لہجے میں کہا اور اس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی تھی......

زندگی میں بہت بار ایسا ہوا تھا، بہت سی بار یہ سب کچھ کرنا پڑا تھا، لیکن پھر بھی صورت حال میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی، جب تک انگلیاں ٹیڑھی نہ کر لی جائیں، بہت سے منصوبوں پر گفتگو کر لینے کے بعد بینا اور شہاب حویلی سے باہر نکل آئے۔ اخلاق احمد، زرینہ بیگم در حقیقت اپنے نام کے مطابق بہت ہی نفیس لوگ تھے اور اب تو مسرت جہاں بیگم، بینا کی دیوانی ہو گئی تھیں...... زیادہ سے زیادہ اسے اپنے پاس رکھنے کی کوشش کرتی تھیں......

شہاب نے اس دوران ارمان شاہ کا جائزہ بھی لیا تھا۔ بس ایک مخصوص شخصیت کا مالک تھا۔ مسائل تو خیر تھے ہی نہیں ایسے لوگ جن کے اپنے مسائل نہیں ہوتے وہ مسائل تلاش کرتے ہیں...... ارمان شاہ نے اپنی حیثیت کے مطابق کچھ ایسے چکر چلا رکھے تھے جس سے اس کی مصروفیت بھی بڑھ گئی تھی۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ اپنی جانب سے وہ بڑا مطمئن سا رہتا تھا اور شہاب نے بہت بار کوشش کے باوجود کوئی ایسا عمل نہیں دیکھا تھا جس سے اسے یہ احساس ہو کہ ارمان شاہ نے کوئی ایسا موثر بندوبست کر رکھا ہے، اپنی حفاظت کے لئے جس پر اسے مکمل طور سے اعتبار ہو۔ اس دن بھی پروگرام کے مطابق بینا اور شہاب چھوٹی سی رحمان گڑھی کی سیر کو نکل آئے تھے، باہر آنے کے بعد شہاب نے کہا۔

"اصل میں بینا...... ہم ڈبل او گینگ کے زیادہ افراد کو نہیں بلائیں گے، بلکہ اپنے طور پر ہی کام کریں گے، لیکن پھر بھی دو افراد کے لئے کسی ایسی جگہ کی گنجائش نکالنی ہو گی جہاں انہیں قیام کرایا جائے...... ویسے میرے خیال میں توصیف اور سردار علی کو طلب کئے لیتے ہیں۔ یہ دونوں کام کے لوگ ثابت ہوں گے۔"

"منصوبے کے مطابق تو بالکل ٹھیک ہے، لیکن واقعی ٹھہرانے کا مسئلہ کہاں ہو گا؟"

"اس سلسلے میں ایک بات میرے ذہن میں آ رہی ہے۔"

"کیا؟"

"الیاس خان بہت اچھے انسان ہیں...... الیاس خان سے ملاقات کرتے ہیں حالانکہ وہ شخص ناراض ہوگا۔"

"دیکھ لو اگر مناسب سمجھتے ہو۔"

الیاس خان ذرا کھری طبیعت کا مالک تھا، بہت اچھے انداز میں ملا تھا...... شہاب کے ساتھ بینا کو بھی دیکھا، کہیں جانے کی تیاریاں کر رہا تھا، سلام کرنے کے بعد شہاب نے کہا۔

"کہاں چل دیئے الیاس خان صاحب؟"

"بس سرکار ایسے ہی، اصل میں آپ میری حیثیت کو سمجھ نہیں پائے...... ہم تو محنت مزدوری کے بغیر زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"الیاس خان صاحب آخری بار آپ کے پاس آیا ہوں، اس کے بعد نہیں آؤں گا...... آپ اس دن کے بعد سے مسلسل مجھ سے ناراض ہیں، جبکہ قصور میرا نہیں ہے۔"

"ارے نہیں بھیا...... بات یہ نہیں ہے بس کچھ طبیعت میں خرابی ہے، لوگوں کا یہی کہنا ہے کہ ہر بات غلط سوچتے ہیں ہم، پر کیا کریں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی الٹی کھوپڑی میں صحیح بات آتی ہی نہیں ہے، نجانے کیوں یہ دل چاہا تھا کہ بڑے آدمیوں کے ہاں تو مہمان آتے ہی رہتے ہیں، کسی چھوٹے آدمی کے ہاتھ کوئی مہمان لگ جائے تو اسے بھی پتا چلے کہ وہ بھی انسان ہے...... ہم سمجھے، سچی بات ہے کہ تم دو چار دن ہمارے ہاں گزارو گے لیکن وہی ہوا بڑے آدمیوں کے بڑے مہمان، دھت تیرے کی، ہم پھر جیسے کے تیسے رہ گئے۔"

"نہیں الیاس خان صاحب اصل بات جب آپ کے علم میں آئے گی تو آپ مجھے ضرور معاف کر دیں گے۔"

"ارے بھیا کیسی باتیں کرتے ہو، معافی تلافی کی باتیں مت کرو...... ہمیں ذلیل کر رہے ہو...... ہم اور کسی کو معاف کرنے کی حیثیت رکھیں دو الگ الگ باتیں ہیں...... چلو چھوڑو ان باتوں کو، ہمارے لئے کوئی خدمت ہو تو بتاؤ۔"

"کام ہے الیاس خان صاحب آپ سے۔"

"ہم سے۔"

"جی۔"

"تو کہہ دو نا بھیا...... اب جب اتنی عزت دے رہے ہو تو تھوڑی سی عزت اور دے ڈالو، ہم سے بھی تمہیں کوئی کام ہو سکتا ہے۔"

"میرے دو آدمی شہر سے آ رہے ہیں۔"

"اچھا پھر۔"

"میں انہیں آپ کا مہمان بنانا چاہتا ہوں۔"

"اس جھونپڑی میں جو کچھ بھی ہے بھیا اس سے کام چل جائے گا۔"

"ہاں چل جائے گا۔"

"تو پھر حاضر ہیں۔"

"مگر انہیں ذرا پوشیدہ رکھنا ہوگا۔"

"کیا مطلب؟"

"بس وہ ایسے کام سے آ رہے ہیں جس میں ابھی وہ کسی کے سامنے نہیں آنا چاہتے۔"

"ایں۔" الیاس خان چونک پڑے...... شہاب کو دیکھتے ہوئے آہستہ سے بولے۔

"بھیا کوئی ایسا ویسا کام تو نہیں ہے۔"

"ہو سکتا ہے وہ یہاں سے کوئی چیز چوری کر کے بھاگنا چاہتے ہوں، ڈاکہ ڈالنا چاہتے ہوں یہاں، ہو سکتا ہے الیاس خان صاحب۔" الیاس خان سیدھا سادا آدمی تھا، گہری سوچ میں ڈوب گیا اور پھر بولا۔

"بھیا کیا کہہ رہے ہو؟ بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

جواب میں شہاب ہنس پڑا تھا، پھر اس نے کہا۔

"الیاس خان صاحب میں بھی تو برا آدمی ہو سکتا تھا، ہو سکتا تھا میں بھی یہاں کسی جگہ ڈاکہ ڈالنے کے بعد واپس بھاگ جاتا اور لوگ کہتے آپ کا مہمان ہوں۔" الیاس خان نے شہاب کی صورت دیکھی، پھر گردن ہلاتے ہوئے بولے۔

"امتحان لے رہے ہو ہمارا، ٹھیک ہے ہم انہیں مہمان رکھنے کے لئے تیار ہیں...... یہ جو جگہ ہیں نا یہاں وہ رہ سکتے ہیں۔ ڈاکو ہیں تو ٹھیک ہے ڈاکہ مارنے دو، ہماری گردن پھنسنا چاہتی ہے تو پھنسے، اللہ تو دیکھنے والا ہے۔" شہاب ہنستا رہا پھر اس نے الیاس خان کے کاندھے پر ہاتھ

رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں خان صاحب وہ ڈاکو نہیں ہیں...... بس اصل میں میں انہیں حویلی میں نہیں ٹھہرانا چاہتا اور ان کی یہاں آمد کو بھی خفیہ رکھنا چاہتا ہوں ورنہ بڑے شاہ جی ناراض ہوں گے کہ میں نے تکلف برتا ان کے ساتھ، ان دونوں کو کچھ وقت آپ کے پاس ٹھہرانا چاہتا ہوں۔"

"بلالو بھیا، ہیں کہاں؟"

"بس آنے والے ہیں۔"

"تو بس ٹھیک ہے تم بے فکر رہو۔" وہاں سے نکلنے کے بعد شہاب نے بینا سے کہا۔

"بینا یقین کرو ان جیسے لوگوں سے ملنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ انسان ابھی بہت عرصے تک زندہ رہے گا...... دنیا کتنی ہی بری ہو جائے لیکن سب لوگ برے نہیں ہوں گے، کبھی بھی نہیں ہوں گے، میرا ایمان ہے یہ۔"

"ہاں...... کیوں نہیں۔" بینا نے پر خلوص لہجے میں کہا، اچانک ہی شہاب کو کچھ خیال آیا تو اس نے کہا۔

"بینا فرزند کے گھر چلیں۔"

"چلو اور کرنا کیا ہے یہاں رحمان گڑھی میں...... ویسے یہ جگہ توصیف اور سردار علی کے لئے مناسب رہے گی، میرا مطلب ہے وہ ہوں یا کوئی بھی ہو...... میں سمجھ رہی ہوں تم نے یہ بات ان لوگوں سے کیوں کی ہے۔"

"الیاس خان کا گھر۔"

"ہاں۔"

"تمہیں خود اندازہ نہیں ہو سکا کہ کیسا آدمی ہے وہ۔"

"ہاں...... نہایت سادہ لوح اور بہت ہی معصوم فطرت کا مالک۔"

"بالکل ٹھیک ہے بینا، بالکل آرام سے رہیں گے اور پھر انہیں زیادہ وقت یہاں قیام بھی تو نہیں کرنا ہوگا...... کام کرنے کے بعد انہیں یہاں سے فوری طور پر نکال دینا ہے، دونوں کو میں نے اس لئے بلایا ہے کہ اگر کوئی خطرہ پیش آجائے تو دوسرا اس کی مدد کردے، کیونکہ ہم لوگ تو حویلی میں اس وقت صورت حال کا جائزہ لینے والوں میں سے ہوں گے۔"

"میں سمجھ رہی ہوں۔" کچھ دیر کے بعد وہ فرزند کے گھر کی زنجیر بجا رہے تھے......

[illegible] کی بہن رافیہ نے ہی دروازہ کھولا تھا اور ان دونوں کو دیکھ کر عجیب سی کیفیت کا شکار [illegible]تھی، پھر اس نے انہیں سلام کیا اور اندر آنے کا راستہ دے دیا، بیچاری کی کیفیت بڑی [illegible]سی ہو رہی تھی۔

"کہو رافیہ بہن کیا حال ہے؟"

"بھائی ٹھیک ہوں...... حمیدا ابھی تک واپس نہیں آیا۔"

"وہ، رافیہ بہن شاید وہ آپ کو یہ بات بتا کر نہیں گئے۔ انہوں نے مجھے یہ بات بتادی [illegible]کہ وہ شہر واپس جا رہے ہیں، اصل میں جہاں وہ کام کرتے تھے ان لوگوں نے یہ کہا ہے ان [illegible]کہ فوری طور پر اگر وہ واپس نہ آئے تو ان کی نوکری ختم ہو جائے گی۔ پچھلے کچھ عرصے [illegible]جو کچھ ہو رہا ہے آپ لوگوں کو بھی معلوم ہے اور مجھے بھی معلوم ہے...... حمیدا نے مجھ [illegible]مشورہ کیا تھا میں نے اس سے یہی کہا تھا کہ بھائی شہر واپس چلا جا، نوکری نوکری ہوتی ہے [illegible]تیرے پاس کچھ رقم موجود بھی ہے تو کتنے دن بیٹھ کر کھائے گا اور پھر آپ فکر نہ کریں اللہ [illegible]چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا...... ان سے ملئے یہ میری بیگم ہیں، بینا ہے ان کا نام اور بینا یہ [illegible]طرح سے یوں سمجھ لو کہ میری بہن ہیں۔"

"ارے جہانگیر بادشاہ...... او جہانگیر بادشاہ...... ارے تیرا ستیاناس، زنجیر ہی نکال کر [illegible]دی ہے، گھنٹا بھی اتار دیا ہے، مجھے بتا میں کیا کروں۔" اندر سے آواز آئی تو شہاب نے [illegible]مغموم انداز میں رافیہ کی طرف دیکھا اور بولا۔

"ماں جی کی وہی حالت ہے۔"

"ہاں...... بالکل ویسی ہی ہے کوئی فرق نہیں ہے...... بس فریاد کرنا چاہتی ہیں جہانگیر [illegible]شاہ سے کہ ان کے بیٹے کو رہا کرادیا جائے۔"

"گھر سے بھاگنے کی کوشش تو نہیں کرتی۔"

"کمرا کھول دو تو نکل بھاگیں گی، بڑی مشکل سے دروازہ بند کر کے انہیں کھانا وغیرہ [illegible]تی ہوں، ویسے عام طور سے پر سکون رہتی ہیں...... بس یہی ایک رٹ لگائے رہتی ہیں کہ [illegible]نہیں انصاف دے دیا جائے اور حقیقت یہ ہے بھائی کہ فرزند ایسا نہیں ہے، اس پر سراسر الزام [illegible]لگایا گیا ہے...... اماں جی اس وقت تک ٹھیک نہیں ہو سکتی جب تک فرزند واپس نہ آجائے۔"

"آہ...... کاش میں تم سے یہ بات کہہ کر تمہیں یقین دلا سکوں کہ فرزند واپس آجائے

گا بس میں یہی کہہ سکتا ہوں۔"

"بھیا آپ بھی میرے لئے بھائیوں کی طرح ہیں لیکن ہمارا کوئی اور پرسان حال نہ… ہے۔"

"خدا کو کبھی نہ بھولا کرو رافیہ، سب کا پرسان حال وہی ہے اور جب وہ ہے تو پھر کی… کی ضرورت بھی نہیں ہے، کیا سمجھیں۔" رافیہ نے گردن ہلا دی تھی، کافی دیر تک وہ… کے پاس رہے پھر وہاں سے واپس پلٹ پڑے...... پھر بینا نے کہا۔

"پھر اب کیا انتظار ہے شہاب، توصیف اور سردار علی کو طلب کر لیا جائے۔"

"ہاں۔" شہاب نے جواب دیا اور پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔



توصیف اور سردار علی اس چھوٹے سے اسٹیشن پر اتر گئے تھے اور پھر وہ سوالیہ نگا… سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے آگے بڑھے کہ شہاب انہیں نظر آ گیا اور وہ دونوں اس کی جانب… بڑھ گئے...... شہاب نے ان سے پرجوش انداز میں ہاتھ ملایا تھا اور کہا تھا۔

"کہو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی یہاں آنے میں۔"

"نہیں شہاب صاحب...... ہم بس آپ کو ہی تلاش کر رہے تھے، یہاں تک آنے میں بھلا کیا تکلیف ہوتی، بس یہ خیال تھا کہ آگے پتا نہیں کن دقتوں کا سامنا کرنا پڑے...... چھوٹے چھوٹے سے علاقے ہوتے تو بڑے خوبصورت ہیں لیکن یہاں ایسی آسانیوں کا فقدان ہے۔"

"آؤ، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" شہاب نے کہا، پھر کچھ دیر کے بعد وہ ساتھ لائی ہوئی لینڈ روور میں ان دونوں کو بٹھا کر لے چلا، لیکن پھر اس نے بستی رحمان گڑھی کے آخری… سرے پر ان دونوں کو اتار دیا اور کہا۔

"اب کچھ وقت تمہیں یہاں انتظار کرنا ہوگا...... میں ذرا چلتا ہوں اور تم پیدل ہی یہ… طے کر کے اس کھجور کے درخت تک پہنچو جو یہاں سے بہت مختصر نظر آ رہا ہے، اس طرح اس تھوڑے سے سفر سے ہی تمہارا حلیہ ایسا ہو جائے گا جس پر اندازہ ہو کہ تم یہ سفر پیدل کر کے آ رہے ہو۔"

"نہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بس آپ کی ہدایات ہی کافی ہیں۔" توصیف…

…ب وہاں سے چل پڑا...... بینا اس وقت حویلی ہی میں تھی...... لینڈ روور … کے سفر کے… اس کا حلیہ دیکھ کر اندازہ ہو جاتا تھا، لیکن بہرحال یہ کوئی ایسی بات نہیں… …لوگوں کو مکمل طور سے آزادی حاصل تھی اور شہاب کوشش کے باوجود کوئی ایسی… تلاش نہیں کر سکا تھا جس پر اسے یہ شبہ ہو کہ وہ اس کی نگرانی کر رہی ہے، کوئی بھی… نظر نہیں آیا تھا، عجیب و غریب حالات تھے حالانکہ وہ یہاں موجود تھا، لیکن خود… …نے بھی اسے اس طرح نظر انداز کر رکھا تھا جیسے بس کوئی مہمان آیا ہوا ہو اور اتنی… …میں کسی ایک مہمان کے لئے رہنا کوئی دقت طلب بات تھی بھی نہیں، لینڈ روور… …نے کے بعد شہاب پھر واپس پلٹا اور خود بھی ایک طویل فاصلہ طے کر کے کھجور کے… …تک پہنچ گیا جہاں اب توصیف اور سردار علی موجود تھے۔ راستے کی گرد اور مٹی نے… ان کا حلیہ بگاڑ دیا تھا، پھر شہاب انہیں لے کر الیاس خان کے گھر پہنچا، نیک آدمی ان… …شہاب نے توصیف اور سردار کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"یہ ہیں میرے وہ مہمان اور آپ یقین کر لیں کہ ان میں سے نہ کوئی چور ہے اور نہ… …۔"

"کیوں بھائی ایسی بات ہے تو نہیں۔"

"اب اس کے بارے میں ہم کیا کہیں اگر ہم ہیں بھی تو کیا آپ کو یہ بات بتائیں گے… صاحب۔"

"مذاق کر رہا ہوں بھیا...... ادھر آ جاؤ...... جیسی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی ہے سمجھ لو کوئی… نہیں ہونے دیں گے تمہیں۔" الیاس خان نے کہا...... شہاب نے توصیف اور سردار… راستے ہی میں ساری صورت حال سمجھا دی تھی، چنانچہ وہ ان لوگوں کو وہاں چھوڑنے… بعد ایک بار پھر حویلی میں واپس چلا گیا، وہ کہہ گیا تھا کہ اب بقیہ گفتگو ٹرانسمیٹر پر ہی… …بینا کو اس نے ان دونوں کی آمد کے بارے میں بتایا بینا ہنس کر بولی۔

"یہ محترمہ مسرت جہاں جو ہیں نا مجھے اچھی خاصی ذہنی مریضہ معلوم ہوتی ہیں، عجیب… …ب کیفیات کی حامل ہیں ویسے جس حد تک معلومات ہو چکی ہیں بس اس سے زیادہ کی… …ں نہیں ہے، مجھے پیشکش کر دی ہے کہ پولیس سے تمہاری نوکری چھڑوا دوں جو تنخواہ… …تی ہے یہاں اس سے دگنی تنخواہ دلوا دوں گی وہ مجھے اور تمہیں اور ہم لوگوں کو یہیں قیام

کرنا ہوگا...... ہمیں ہر طرح کی سہولت فراہم کی جائے گی، یہاں تک کہ شہر آنے جا
لئے گاڑی بھی دے دی جائے گی...... انیکسی میں ہماری رہائش کا بندوبست کر دیا جا
پیشکشیں کر دی ہیں انہوں نے مجھے، یقین کرو سادہ لوح عورت معصوم ہوتی ہے او
کبھی کبھی تو یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ حمیدا نے جو کچھ تمہیں بتایا ہے وہ بھی غلط ہے اور
پر صورت حال کچھ اور ہی ہے۔" شہاب مسکراتی ہوئی نگاہوں سے بینا کو دیکھنے لگا اور بولا۔

"میرا خیال ہے شادی شدہ ہونے کے بعد تم تھوڑی سی کم عقل ہوتی جا رہی ہو
مجرم جب جرم کرتا ہے تو اس کے پس منظر میں بہت سی گہرائیاں پوشیدہ ہوتی ہیں......
اپنے جرم کو چھپانے کے لئے اپنے گرد ایسا جال بن لیتا ہے کہ اس جال کے دوسری طر
جھانکنا نہایت مشکل کام ہوتا ہے...... بینا، اتنی آسانی سے ہر معاملے پر فیصلہ کر لینا ممکن نہ
ہوتا، خیر حمیدا کی جانب سے میں بہت زیادہ مطمئن نہیں ہوں چونکہ ایک بدقماش انسان
لیکن بہرحال پھر بھی سوچنا تو پڑتا ہے۔"

"نہیں میرا مقصد یہ نہیں ہے حتمی طور پر نہیں کہہ رہی ہوں...... بس ایک چھو
اندازہ تھا میرا، ہو سکتا ہے غلط ہو۔" بینا جھینپے جھینپے ہوئے انداز میں بولی اور شہاب مسکرا
لگا پھر بولا۔

"خدا کی قسم بہت دن سے تمہارے چہرے پر یہ جھینپے جھینپے تاثرات نہیں دیکھے تھ
یہی دیکھنا چاہتا تھا۔" بینا ہنس کر خاموش ہو گئی۔



رحمان گڑھی میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو قابل توجہ ہو توصیف اور سردار علی
ہنشاہ کی ہدایت پر یہاں آئے تھے، انہیں بتا دیا گیا تھا کہ شہاب وہاں موجود ہے اور کسی کیس
کام کر رہا ہے...... مختصر طور پر وہ تفصیلات انہیں بتا دی گئی تھی، جن کے تحت انہیں کام کرنا
تھا لیکن یہاں آنے کے بعد دو دن گزر چکے تھے اور ان دونوں دنوں میں انہوں نے رحمان
گڑھی کو دیکھ بھی لیا تھا، ویسے الیاس خان بڑے مزے کا آدمی تھا...... طنزیہ گفتگو کرتا تھا، شہر
والوں سے اسے بڑے اختلافات تھے اور اس کے خیال کے مطابق وہ طوطا چشم اور بے مروت
ہوتے تھے، بہرحال بے چارہ حسب توفیق ان کی خاطر مدارت کر رہا تھا...... تیسرے دن
شہاب نے انہیں اپنے ساتھ لیا اور لینڈ روور میں بٹھا کر دور نکل گیا...... انہوں نے اپنے
ساتھ وہ بیگ لے لیا تھا جس میں میک اپ وغیرہ کا سامان موجود تھا اور پھر شہاب نے انہیں
ایک ویران سی جگہ لے جا کر توصیف کے چہرے پر میک اپ شروع کر دیا اور توصیف کو جس
حد تک بھی ممکن ہو سکا صرف حلیئے کی بنیاد پر شاکو کا روپ دے دیا گیا...... یہ تمام کام شہر ہی
سے کہہ کر بنوائے گئے تھے...... شاکو کی تصاویر بھی جیل سے حاصل کی گئی تھیں اور انہی کے
تحت یہ ہلکا سا میک اپ کیا گیا تھا...... شہاب نے توصیف کو آخری ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

"اور کہیں تم گولی اس طرح مت چلا دینا کہ ارمان شاہ کو کوئی نقصان پہنچ جائے، بڑی
ہمت اور بڑی محنت کا کام ہے...... سردار علی تم ہر طرح سے یہ خیال رکھو گے کہ توصیف کا اگر
تعاقب وغیرہ ہو تو تعاقب کرنے والوں کا راستہ روکو، وقت جو متعین کیا گیا ہے وہ تمہاری مدد
کرے گا، تم سمجھ لو تمہیں کتنی احتیاط کے ساتھ یہ کام کرنا ہے، وقت کا خاص طور سے دھیان
رکھنا باقی جو تکلیفیں تمہیں اٹھانی پڑیں گی اس کا تو تمہیں خود اندازہ ہے۔"

"پروگرام ہی ایسا ہے جناب کہ یہ سب کچھ کرنا ہوگا...... لیکن بہرحال ہم عیش و عشرت سے زندگی گزارتے ہیں، کبھی کبھی تو کوئی کام کرنا پڑجاتا ہے اس کے لئے بھلا تکلیف کا کیا خیال کیا جائے۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے گردن ہلادی تھی، توصیف اور سردار علی اپنے کام کے لئے مستعد ہوگئے...... توصیف کو تمام صورت حال بتادی گئی تھی، وہ جگہ بھی دیکھ لی گئی تھی جہاں سے اسے اپنا کام کرنا تھا، پھر اس وقت سورج ڈوب چکا تھا، فضا میں مدہم مدہم اندھیرے اترتے چلے آرہے تھے...... یہ وقت ارمان شاہ کی چہل قدمی کا ہوتا تھا...... عموماً سامنے والے لان کے آخری حصے میں ایک ایسے حوض کے پاس وہ ٹہلتا رہتا تھا جہاں خوبصورت رنگین مچھلیاں گردش کرتی رہتی تھیں اور ارمان شاہ کی پسندیدہ جگہ تھی وہ، شہاب نے تمام تراندازے لگانے کے بعد یہ پروگرام ترتیب دیا تھا اور اس سلسلے میں توصیف کو مکمل صورت حال سے آگاہ کردیا گیا تھا...... شہاب اس وقت خود بھی ارمان شاہ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اور ایک ایسی آڑ میں تھا جہاں سے وہ نکل کر ارمان شاہ تک باآسانی پہنچ سکے، صورت حال بالکل مناسب تھی اور شہاب نے جو وقت دے رکھا تھا اس کا ایک ایک سیکنڈ آہستہ آہستہ گزر رہا تھا، پھر حویلی کی بغلی دیوار کے آخری حصے سے اس نے توصیف کو نیچے کودتے ہوئے دیکھا، ویسے بڑا رسک تھا لیکن چونکہ سارا کام پلاننگ کے تحت کیا گیا تھا اس لئے شہاب کو یقین تھا کہ توصیف باآسانی اپنا کام کرے گا، اس نے دیوار سے ایک رسی نیچے لٹکائی تھی، اگر حویلی میں اتر کر اور ارمان شاہ پر حملہ کرکے وہ بھاگنے کی کوشش کرتا تو حویلی کی بلند دیوار تک پہنچنا کوئی آسان کام نہیں تھا، لیکن رسی کے ذریعے وہ واپس اس جگہ سے اوپر چڑھ سکتا تھا۔ نیچے آنے کے بعد اس نے ارمان شاہ کا نشانہ باندھا اور اسی وقت کچھ ملازموں نے جو حویلی کے اندرونی حصے سے باہر نکل رہے تھے اس کو دیکھ لیا، توصیف اس وقت شاکو کے میک اپ میں تھا، اس نے ارمان شاہ کا نشانہ لے کر گولی چلائی اور ارمان شاہ جو چادر اوڑھے ہوئے تھا اس میں سوراخ ہوگیا...... دوسری گولی برابر سے نکلی اور تیسری گولی ارمان شاہ کے سر کو چھوتی ہوئی نکل گئی، لیکن اس کے ساتھ ہی جو شور بلند ہوا وہ شہاب کی توقع سے کہیں زیادہ تھا بہت سے ملازم چیختے ہوئے دوڑ پڑے تھے اور دوڑتے دوڑتے توصیف نے چوتھا فائر بھی جھونک مارا...... شہاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی، توصیف کے لئے یہ لمحات بڑے صبر آزما تھے۔ ارمان شاہ پر غلط نشانے لگا کر اس طرح کے کام کرنا آسان بات نہیں تھی، اس کی

در میں تین سوراخ ہوئے تھے اور ایک گولی اس کے سر کو چھوتی ہوئی گزر گئی تھی، اگر ذرا برابر چوک ہوجاتی تو ایک آدھ ملازم بھی ڈھیر ہوسکتا تھا، اس کے بعد توصیف برق رفتاری سے اس رسی پر چڑھا جو اس نے نیچے لٹکادی تھی، ملازم چیخ رہے تھے۔

"شاکو ہے، شاکر خان ہے...... شاکر خان ہے پکڑو...... دوڑو، باہر سے بھاگو۔" اخلاق احمد بھی انیکسی سے باہر نکل آیا تھا...... شہاب خود دوڑتا ہوا ارمان شاہ کے پاس پہنچا تھا جو سکتے کے عالم میں کھڑا ہوا دیوار کی جانب دیکھ رہا تھا...... ملازم دوڑتے ہوئے رسی تک پہنچے، بے شک یہ جانبازی کا کام تھا...... وہ تو اتفاق کی بات یہ کہ کسی کے پاس رائفل وغیرہ نہیں تھی، اگر اس طرح کا مسلح پہرہ ہوتا اور ارمان شاہ اس کے لئے کوئی بندوبست کردیتا تو توصیف کا خدا ہی حافظ تھا، بہرحال وہ دیوار پر پہنچا اور دوسری جانب کود گیا تو شہاب نے سکون کی سانس لی...... ملازم بھاگ دوڑ کررہے تھے...... اخلاق احمد اور شہاب ایک ساتھ ہی ارمان شاہ کے پاس پہنچے تھے...... شہاب نے ارمان شاہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کو کوئی، کوئی، کوئی۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا...... ارمان شاہ چونک پڑا تھا، پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ہاں...... بدقسمتی سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا...... ظاہر ہے وہ کوئی ماہر نشانہ باز نہیں تھا۔"

"کون؟" اخلاق احمد صاحب نے بے صبری سے پوچھا۔

"وہی بے وقوف جو نجانے کیوں اپنی زندگی کو عذاب بناچکا ہے۔ احمق کہیں کا۔"

"شاکو تھا کیا، ملازم یہی کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں...... میں نے بھی اسے دیکھا تھا، شاکو ہی تھا۔"

"او یہ کم بخت، بدبخت، اوہو آپ کی چادر میں سوراخ ہوگئے...... اللہ نے آپ کی زندگی محفوظ کرلی ہے، بھلا اور کون بچاسکتا تھا اس وقت آپ کو۔" اخلاق احمد نے کہا اور ارمان شاہ کے ہونٹوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کاش اسے کامیابی حاصل ہوجاتی۔"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں شاہ جی۔"

"نہیں...... بس یہ موت بھی بڑی سعادت سے حاصل ہوتی ہے...... کسی کو، ادنیٰ

درجے کے شہید بننے کا موقعہ ملتا ہے۔"

"شاہ جی آپ...... آپ اتنے جذباتی ہیں کہ بس آپ کا غلام ہوں ورنہ...... ورنہ آپ کو سرزنش کرتا اس بات پر۔"

اخلاق احمد نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"ارے نہیں اخلاق میاں زندگی موت تو دنیا کا کھیل ہے، کتنے لوگوں کو بچالیا ہے آپ نے، جو مرنے والے ہوتے ہیں انہیں کوئی بچا سکتا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے شاہ جی، لیکن یہ لوگ، یہ سب، بتایئے اچھا خاصا شا کو گرفتار ہوا تھا...... سزا ہوئی تھی اسے لیکن بے پروائی اور غیر ذمہ داری کی انتہا ہے...... میں آپ سے پوچھتا ہوں جناب، آپ مجھے بتایئے شہاب آپ یہاں شاہ صاحب کی حفاظت کے لئے بھیجے گئے ہیں گویا حکومت نے اپنے سر سے ایک بلا ٹالی ہے۔ کیا کر رہے ہیں آپ، آپ مجھے جواب دیجئے اس بات کا، کیا کیا ہے اب تک آپ نے؟" شہاب نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اخلاق احمد کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"اخلاق احمد صاحب کیا خیال ہے آپ کا، مجھے کیا کرنا چاہئے تھا۔"

"میرا مطلب ہے کہ...... کہ آپ...... آپ...... دیکھئے نا کیا کر رہے ہیں آپ...... آپ سے اس کا ایک حملہ نہیں بچایا جا سکا۔"

"ہاں، مجھے علم نہیں تھا کہ وہ حملہ کرنے والا ہے۔ کیا آپ یہ بات جانتے تھے۔" شہاب نے اخلاق احمد سے سوال کیا۔

"پھر بھی آپ...... آپ بتایئے آپ اس حویلی میں کیا کر رہے ہیں؟"

"اصل میں ہماری حکومت لوگوں کو مواقع فراہم کرتی ہے کہ وہ کہیں جائیں اور اپنی روٹی پانی کا بندوبست کرلیں، اب آپ دیکھئے نا ہم دونوں میاں بیوی مفت کا کھا رہے ہیں...... آپ ایسا کیجئے کہ ہمیں دھکے دے کر باہر نکال دیجئے ورنہ شاید ہمارا جانا ممکن نہ ہو سکے۔" شہاب نے کہا اور اخلاق احمد چونک پڑا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی ارمان شاہ کے چہرے کے تاثرات بھی بدل گئے، اس نے کہا۔

"اخلاق میاں آپ ہمارے بہت اچھے، وفادار ساتھی اور ہمدرد ہیں...... ہم نے آپ کو ملازم تو کبھی نہیں سمجھا یہ بات آپ اچھی طرح جانتے ہیں، لیکن کیا یہ ہمارے ساتھ انصاف

ہے کہ ہم موجود ہیں اور جو کچھ ہم نہیں کہہ رہے اور جو کچھ ہمارے دل میں نہیں ہے اور جو کچھ ہم نہیں چاہتے وہ آپ فرما رہے ہیں۔ اخلاق احمد کم از کم ہمیں اتنا موقع تو دیجئے اپنے آپ کو یہاں صاحب اختیار سمجھنے کا کہ ایسے فیصلے جو آپ کر رہے ہیں ہم کر سکیں...... آپ شہاب میاں سے باز پرس کر رہے ہیں، اصولی طور پر اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ ہمیں اس کا موقع دیتے۔" اخلاق احمد ایک دم سنبھل گئے تھے، ارمان شاہ کا لہجہ بڑا عجیب تھا اخلاق احمد سے کوئی جواب نہیں بن پڑا...... وہ خاموشی سے گردن جھکا کر کھڑا ہو گیا...... شہاب نے کہا۔

"نہیں ارمان شاہ صاحب کوئی بات نہیں، اخلاق احمد صاحب یہاں کے نگران ہیں، میرا خیال ہے کہ حکومت پہلے بھی آپ کے سلسلے میں کچھ نہیں کر سکی، اب بھی آپ کی زندگی خطرے میں ہے، البتہ ہم نے آپ کو اس کا احساس دلایا تھا، پہلے بھی حکومت کے آدمی آئے تھے اور آپ نے انہیں واپس کر دیا تھا، پھر بھی اخلاقی طور پر یہ کام کیا گیا۔ اب اتفاق کی بات یہ ہے کہ وہ شخص یہاں پہنچ گیا...... آپ نے کچھ کیا ہے ابھی تک اخلاق احمد صاحب کم از کم کچھ لوگوں کو اس کے پیچھے دوڑانا تو چاہئے تھا۔"

"ایں...... ہاں واقعی۔" اخلاق احمد نے کہا۔

"شہاب نے درحقیقت اس کی مدد کی تھی، وہ دوڑتا چلا گیا، شہاب کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے اخلاق احمد کو دیکھا، بے وقوف آدمی توصیف کے فرشتوں کا بھی پتا نہیں پا سکے گا...... توصیف یہاں سے صاف نکل گیا تھا اور اس نے وہ کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دے ڈالا تھا...... شاہ جی ان دو مہمانوں کے بارے میں اس بار کچھ نہیں معلوم کر سکے تھے جو الیاس خان کے گھر میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ توصیف نے اپنا میک اپ اتار دیا ہوگا اور اس کے بعد وہ اپنی اصل شکل میں آگیا ہوگا اور شہاب سے ملنے والی دوسری ہدایت کا منتظر ہوگا، بھلا اس کے بارے میں یہ لوگ کیا کر سکتے تھے...... بہرحال خوب بھاگ دوڑ ہوئی۔ اخلاق احمد نے اپنا فرض پورا کیا، البتہ ارمان شاہ نے کہا۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں ارمان شاہ صاحب۔"

"اسے وہ الفاظ تم سے نہیں کہنے چاہئے تھے۔ تم میرے مہمان ہو۔ خدا کی رحمت سے انکار کرنا بڑی بداخلاقی کی بات ہے...... میرے گھر میں یہ ہوا ہے، مہمان خدا کی رحمت ہوتا

ہے لیکن یہ الفاظ ایک ملازم نے کہے ہیں مجھے اس سلسلے میں بے قصور تصور کر کے اگر مجھ سے ذرا سی بھی انسیت رکھتے ہو تو اسے معاف کر دو۔"

"نہیں، وہ ایک مخلص اور وفادار انسان ہے...... آپ پر ہونے والے حملے کو برداشت نہیں کر سکا لیکن میں نے آپ سے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ اپنے تحفظ کا آپ نے ذرا برابر بھی بندوبست نہیں کیا، اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں از سر نو۔"

"یقین کرو، بخدا یقین کرو میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کا وہی مطلب ہے اور وہی میری خواہش ہے...... آہ، کاش اس کی چلائی ہوئی تمام گولیاں میرے سینے پر لگی ہوتیں، زندگی کا اختتام کتنا آسان ہو جاتا۔ میں تو اس دن سے خوفزدہ ہوں جب مجھے جانکنی کے عالم میں وقت گزارنا ہوگا اور لوگ میری موت کی دعا کر رہے ہوں گے۔" شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا...... بہرحال حویلی میں جو افراتفری پھیلی ہوئی تھی وہ دیکھنے کے قابل تھی۔ ارمان شاہ اندر چلا گیا...... اخلاق احمد اپنی کوششوں میں مصروف رہا اس کی گردن لٹکی ہوئی تھی، بینا میرے پاس آ گئی تھی اور میں بینا کو صورت حال بتا رہا تھا...... بینا نے کہا۔

"بڑا شاندار طریقہ کار اختیار کیا لیکن کیا یہ توصیف کو پا سکیں گے؟"

"گرد بھی نہیں پا سکیں گے اس کی، اس کی جانب سے تم مطمئن ہو جاؤ۔" بینا نے مسکرا کر گردن ہلائی اور بولی۔

"آخر جناب کے تربیت یافتہ ہیں۔"

"بہرحال یہ اچھا قدم رہا...... میرا خیال ہے اس کے اچھے نتائج نکلیں گے، ویسے بینا میں آج ہی ایک اور کام بھی کر ڈالنا چاہتا ہوں۔"

"کیا۔"

"پرانی حویلی کی جانب سفر۔" بینا نے سنجیدہ نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور بولی۔

"لیکن باقی سارا معاملہ۔"

"ہم بہت طویل عرصے تک یہاں قیام نہیں کر سکتے بینا، اصل میں ہر نگاہ کی ایک نوعیت ہوتی ہے۔ آج کے اس مسئلے میں جو کچھ ہوا ہے وہ بہت شاندار ہوا ہے...... اخلاق احمد باقاعدہ مجھ پر بگڑ گیا تھا۔" پھر شہاب کو یہ گفتگو ترک کرنا پڑی کیونکہ اخلاق احمد آہستہ قدموں سے ان دونوں کی جانب آ رہا تھا...... شہاب نے بینا کو اخلاق احمد کے بارے میں

تفصیلات بتا دیں۔ انہوں نے کس طرح رخ تبدیل کر لیا تھا کہ اخلاق احمد کی جانب ان کی توجہ ہی نہیں محسوس ہو رہی تھی...... اخلاق احمد خود ان کے قریب پہنچ گیا اور کھڑا ہو گیا، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا تم نے زندگی میں کبھی کوئی غلطی نہیں کی۔"

شہاب نے چونک کر اخلاق احمد کو دیکھا اور بولا۔

"ہزاروں جناب...... ہزاروں۔"

"اگر مجھ سے ایک غلطی ہو گئی تو کیا قابل معافی نہیں ہے وہ۔"

"آپ سے کیا غلطی ہو گئی؟"

"بس تم سے بدتمیزی کر بیٹھا ہوں...... مجھ سے چھوٹے ہو نا، تمہارے بھی بڑے ہوں گے کبھی تم سے کوئی تلخ بات کہہ جاتے ہوں گے۔" شہاب نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا...... پھر اخلاق احمد کو گلے لگاتے ہوئے بولا۔

"اگر آپ کو میرے کسی رویئے سے یا میری کسی جسمانی جنبش سے یہ احساس ہوا ہے کہ میں آپ کی بات کا برا مان گیا ہوں تو اس کے لئے میں خود آپ سے معافی کا خواستگار ہوں...... آپ نے جو کچھ کہا مجھے اس کی گہرائی کا احساس ہے۔ واقعی میں کیا کروں اخلاق صاحب مسئلہ وہی ہے ارمان شاہ صاحب اپنے تحفظ کے لئے کسی طور تیار نہیں ہوتے۔"

"ان تمام باتوں کو چھوڑو، پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تم نے مجھے معاف کر دیا۔"

"ہمارے ہاں غالباً ایک دوسرے سے محبت کا یہی اظہار ہے کہ سینے سے سینہ ملا لیں، اگر آپ کو یہ احساس ہے کہ میں آپ سے ناراض ہو گیا تو کم از کم اب یہ نہیں ہونا چاہئے۔"

"شاکو نے بڑا جان لیوا حملہ کیا تھا، وہ تو بچ گئے شاہ جی ورنہ، ورنہ......" اخلاق احمد کی آواز بھرا گئی۔

"اچھا خیر چھوڑیئے ان باتوں کو، کچھ ہوا شاہ جی کے سلسلے میں۔"

"میں نے تمام راستوں پر گھوڑے سوار بھیج دیئے ہیں اور کہا ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے کسی کو رحمان گڑھی سے باہر نہ نکلنے دیا جائے...... شاکو کو پولیس تو خیر جو بھی کر رہی ہے کر رہی ہے لیکن ہم خود گرفتار کریں گے۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا...... میں سمجھتا ہوں ان لوگوں کو آپ مزید ہدایات جاری

کر دیں۔"

"اب یہ تو بتادو کہ تم نے واقعی مجھے معاف کر دیا ہے۔"

"اگر آپ ان الفاظ کو سننے کے خواہشمند ہیں تو چلیئے...... ٹھیک ہے میں آپ سے یہ الفاظ ادا کئے لیتا ہوں اور وہ بھی آپ کی فرمائش پر کہ اگر آپ نے کوئی تلخ بات کی ہے تو مجھے اس کا کوئی احساس نہیں ہے۔"

"تمہارا شکریہ...... میں ذرا ان لوگوں کو ہدایات جاری کئے دیتا ہوں۔" جیسے ہی اخلاق احمد وہاں سے باہر گئے تو شہاب نے مدہم لہجے میں بینا سے کہا۔

"توصیف کو فوری طور پر ہدایت دینا ضروری ہے۔"

"ہاں۔" پھر شہاب نے ٹرانسمیٹر پر توصیف کو مخاطب کیا اور ایک لمحے کے اندر توصیف کا جواب موصول ہو گیا۔

"ہاں توصیف کیا صورت حال ہے؟"

"بالکل ٹھیک جناب میں واپس پہنچ گیا ہوں...... کوئی گڑ بڑ تو نہیں ہوئی نا۔"

"نہیں، کوئی گڑ بڑ نہیں ہوئی...... تم بتاؤ۔"

"نہیں...... بالکل ٹھیک ٹھاک ہے سب، بالکل مناسب ہے۔"

"اچھا تو اب ایسا کرو کہ اپنے آپ کو اسی جگہ بالکل محدود کر لو اور کوشش کرو کہ کوئی بات آگے نہ جانے پائے۔ ظاہر ہے اس سلسلے میں بھاگ دوڑ ہو رہی ہے...... میک اپ تو اتار لیا ہو گا تم نے۔"

"جی۔"

"الیاس خان ایک معصوم اور سیدھا سادا انسان ہے۔ جو کچھ بھی کر رہا ہے کرنے دو بلکہ تھوڑا سا اس طرح اپنے آپ کو محدود کر لو کہ تمہیں باہر بھی نہ جانا پڑے، سمجھ رہے ہو نا...... میرا خیال ہے بہت جلد میں اس سلسلے میں کوئی مناسب کارروائی کر لوں گا اور یہ کہ تم لوگوں کو یہاں سے نکل جانے کا موقع مل جائے گا۔"

"بہت بہتر شہاب صاحب اور کوئی حکم۔"

"نہیں...... باقی سب ٹھیک ٹھاک ہے اپنی حفاظت کا خیال رکھنا۔"

"آپ مطمئن رہیں ویسے وہاں کسی کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا؟"

"نہیں، بالکل نہیں...... سب ٹھیک ہے۔" شہاب نے جواب دیا...... توصیف کو اس طرف سے ہوشیار کرنے کے بعد وہ مطمئن ہو گیا تھا...... ادھر اندرونی طور پر جو کچھ بھی کارروائیاں ہو رہی ہوں وہ اپنی جگہ۔ لیکن کچھ ہی دیر کے بعد زرینہ بیگم شہاب کے پاس پہنچ گئی اور شہاب کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں...... تم ناراض ہو گئے ہو۔"

"توبہ ہے...... یہ آپ کے اخلاق احمد صاحب جو ہیں میرا خیال ہے بات کا بتنگڑ بنانے کے ماہر ہیں۔"

"تم اندازہ نہیں لگا سکتے شہاب میاں کہ ان کی کیا کیفیت ہے۔ غالباً تم سے کوئی تلخ گوئی کر بیٹھے ہیں...... اصل میں، بس یوں سمجھو کہ شاہ جی ایسی حیثیت کے مالک ہیں کہ ان کی کسی تکلیف پر کسی کا اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا ایک مشکل کام ہو جاتا ہے۔ وہ بس جو کچھ بھی کہہ گئے ہوں گے دیوانگی میں کہہ گئے ہوں گے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ انہوں نے ایسی کوئی بات کہی ہی نہیں جو قابل غور ہو اور اس پر کچھ خاص طور سے غور کیا جائے۔"

"دوسری بات یہ کہ اگر کہہ بھی گئے ہیں تو تم سے ایک جھوٹا رشتہ ہی سہی۔ ہے تو سہی نا۔"

"آپ لوگ بالکل اس بات کو ذہن سے نکال دیجئے۔"

"تم یہاں سے جانے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"ارے آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ جانا تو بہر حال ہو گا لیکن ابھی نہیں۔" شہاب نے مسکراتے ہوئے کہا، بہر طور وہ بڑی مشکل سے زرینہ بیگم کو یہ احساس دلانے میں کامیاب ہو سکا تھا کہ اسے زرینہ بیگم سے کوئی اختلاف نہیں ہے...... زرینہ بیگم کے جانے کے بعد بینا نے شہاب سے کہا تھا۔

"بہت اچھے لوگ ہیں...... واقعی شہاب اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے کہ یہ شخص نجانے کیوں میرے ذہن میں ایک الگ حیثیت کا حامل ہے...... اس سے پہلے بہت سے ایسے مصنوعی چہرے ہمارے سامنے آئے جنہوں نے ہم پر اچھے اثرات مرتب کئے لیکن بعد میں ہمیں اپنی حماقت کا احساس ہوا اور یہ پتا چلا کہ وہ بہت کامیاب اداکار ہیں اور اداکاری میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے، لیکن بہر حال ہم نے بھی انہیں نہیں چھوڑا، لیکن یہ ارمان شاہ تو ہر طرح

سے ہمارے ذہنوں میں ایک عجیب سی تبدیلی پیدا کر چکا ہے اور ہمیں ذہنی طور پر ایک عجیب سی کیفیت کا شکار کر گیا ہے۔"

"بینا کیا کیا جائے وقت اور تجربات کو بہت سے اچھے لوگ ملتے ہیں، لیکن پہلے ان کی اچھائی کا پتا لگانا ہوتا ہے، کیونکہ یہ ہمارا فرض بھی ہے، روزگار بھی ہے دو دو چیزیں یکجا ہو جاتی ہیں...... اگر ارمان شاہ ایک اچھا انسان ہے تو کم از کم حقیقت کا پتا تو چلانا ہی پڑے گا جو حمیدا نے کہا ہے آج اس کی تصدیق بھی ہو ہی جائے گی۔"

"آج ہی۔"

"ہاں...... کسی بھی مسئلے کو بے مقصد طول دینا مناسب نہیں ہے۔"

"ویسے توصیف اور سردار علی کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"نہیں دونوں تربیت یافتہ ہیں اور میں ان کی جانب سے بالکل بے فکر ہوں، وہ کسی بھی طرح ان لوگوں کے چنگل میں نہیں آئیں گے۔" بینا خاموش ہو گئی تھی۔ شہاب نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آج رات حمیدا کے بیان کے مطابق اور اس کے بعد مسرت جہاں سے ہونے والی تصدیق کے مطابق اس آسیب زدہ حویلی کو اور دیکھ لیا جائے، اس کے بعد آخری فیصلہ کرنے میں طریقہ کار کو ذرا سا تبدیل کرنا ہوگا اور سچائیوں کا پتا چلانے کے لئے بہر طور ایک صحیح انداز اختیار کیا جائے گا۔ غرض یہ کہ رات کو شہاب نے تیاریاں مکمل کیں کئی بار اس نے بینا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات دیکھے تھے اور بینا کو الجھن میں گرفتار دیکھ کر اس نے آہستہ سے کہا تھا۔

"بینا اصلی مسئلہ اتنا زیادہ مشکل نہیں ہے ویسے میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہاں سے واپس آنے کے بعد تمہیں مکمل تفصیل بتاؤں گا، تمہارا وہاں جانا کسی طور مناسب نہیں ہوگا ورنہ تمہارے چہرے پر میں یہ سوالیہ نشان دیکھنا کبھی پسند نہ کرتا۔"

"تم زیادہ بہتر سمجھتے ہو گے۔" بینا نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا، آخر کار رات جب گہری ہو گئی تو شہاب اپنی جگہ سے نکلا اور اس کے بعد حویلی کے عقبی حصے میں پہنچنے کے لئے اسے خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرف اس نے محسوس کیا تھا کہ پہرے کا معقول انتظام ہے، دو افراد کو اس نے باقاعدہ مستعدی سے گشت کرتے ہوئے دیکھا تھا، جبکہ پوری حویلی میں خود ارمان شاہ کے تحفظ کے لئے کوئی بندوبست نہیں تھا، بہت سی حیرتیں شہاب

کے ذہن میں جاگزیں تھیں، لیکن شہاب نے انہیں بہت زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ یہ اندازہ اسے تھا کہ اگر ارمان شاہ پر باقاعدہ گولی چلا دی جاتی تو وہ ہلاک ہو جاتا...... توصیف کی بجائے اگر خود شاکو ارمان شاہ پر حملہ کرتا تو بھلا کون سی چیز مانع تھی کہ ارمان شاہ ہلاک نہ ہو جاتا، توصیف بڑی کامیابی کے ساتھ باہر نکل گیا تھا...... شاکو بدنصیب تھا کہ جواد بیگ پر قاتلانہ حملہ ناکام رہا تھا...... جج اشتیاق حسین مر گیا تھا اور ارمان شاہ پر حملہ کرنے سے پہلے وہ گرفتار ہو گیا تھا۔ بہر حال کیس خاصی دلچسپ نوعیت کا تھا، بہت سی چیزیں صیغہ راز میں تھیں جن کے بارے میں ابھی کچھ پتا نہیں چل سکا تھا، لیکن کچھ ذمہ داریاں ہمیشہ کی مانند اس بار بھی عائد ہو گئی تھیں اور انہیں پوری کرنا ضروری تھا...... غرض یہ کہ شہاب ان دونوں پہرے داروں کی نگاہوں سے بچتا ہوا انتہائی چالاکی کے ساتھ آخر کار اصل عمارت کے دروازے تک پہنچ گیا، دروازہ بھی باہر سے بند تھا اور اس میں موٹا سا تالا پڑا ہوا تھا...... شہاب کو ایسی جگہوں کی تلاش کی ضرورت محسوس ہوئی جہاں سے وہ اندر داخل ہو سکے اور اس کے لئے اسے خاصی محنت کرنا پڑی تھی...... ایک درخت اور اس کی ایک شاخ اس کی معاون بنی تھی جو چھت پر آ کر پھیل گئی تھی، چھت پر پہنچنے کے بعد نیچے اترنے کا راستہ تلاش کرنا پڑا اور ایک پائپ اس کے کام آیا جو عمارت کے اندرونی حصے کی ایک پتلی سی گلی میں کھلتا تھا...... شہاب اس پائپ کے ذریعے نیچے اترا اور پتلی سی گلی میں پہنچ گیا جو آگے جا کر عمارت کے اندرونی حصے کی جانب گھوم گئی تھی...... پوری عمارت در حقیقت آسیب زدہ محسوس ہو رہی تھی لیکن ایک کمرے میں ایک مدہم سی روشنی نظر آ رہی تھی۔ شہاب نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اس روشن کمرے کی جانب بڑھ گیا...... کمرے کا دروازہ باہر سے بند تھا اور اس پر صرف کنڈی لگا دی گئی تھی۔ شہاب نے اندر جھانکا...... مدہم روشنی کا بلب جل رہا تھا...... مسہری پر ایک شخص سو رہا تھا...... شہاب کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے، بہر حال اس نے آہستگی کے ساتھ اس دروازے کو کھولا اور پھر بڑی احتیاط سے اندر داخل ہو گیا...... مسہری پر سونے والا بہترین جسامت کا مالک تھا، حالانکہ وہ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھا، لیکن شہاب کو اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اچھی خاصی جسامت کا مالک ہے، ایک لمحے تک شہاب سوچتا رہا، اس نے پورے کمرے کا جائزہ لیا ہر چیز ابتری کا شکار تھی، اعلیٰ درجے کا فرنیچر، الماریاں، لیکن سب عجیب و غریب حالات میں، گویا کمرے کا مکین کوئی باسلیقہ انسان نہیں تھا...... شہاب آہستہ

ہستہ آگے بڑھا اور مسہری کے قریب پہنچ گیا...... ایک لمحے تک سوچتے رہنے کے بعد اس
نے آہستہ سے چادر کو سونے والے کے چہرے پر سے سرکایا...... ایک نوجوان آدمی کا چہرہ
ہوں کے سامنے تھا، سرانڈے کے چھلکے کی طرح صاف شفاف بھنوئیں تک صاف تھیں
ر چہرہ انتہائی جاندار محسوس ہو رہا تھا، عمر زیادہ سے زیادہ چھبیس ستائیس سال ہو گی، اس
ساب سے باقی جسم بھی پہلوان کا جسم نظر آتا تھا لیکن چہرے کی کیفیت بہت عجیب تھی، پھر
نک ہی سونے والے نے آنکھیں کھول دیں اور شہاب کو دیکھنے لگا...... شہاب ان آنکھوں
کیفیت کو محسوس کر رہا تھا، پہلے تو ان میں نیند نظر آئی اس کے بعد ہوش مندی کے آثار،
ر حیرت اور آخری کیفیت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے
اہی دونوں ہاتھ سے چادر شہاب پر اچھال دی تھی اور پھر جس پھرتی سے اس نے شہاب کو
چادر میں لپیٹ کر کمر پر لادا تھا اس پر شہاب سخت حیران رہ گیا تھا، ایک مخصوص دیسی
ملوانی کے داؤ کے طور پر اس نے شہاب کو کمر پر لاد کر زمین پر پھینکا، لیکن بہر حال باقی ساری
ت اپنی جگہ لیکن شہاب زمین پر پیروں کے بل ہی آیا تھا اور اس کے بعد اس نے چادر سمیت
ن ایک الٹی چھلانگ لگادی تھی...... شہاب کافی پیچھے ہٹ گیا تھا، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ طاقتور
دمی اسے یقینی طور پر دبوچ لیتا، سب سے پہلے شہاب نے اس چادر سے نجات پائی تھی جبکہ
ملوان نما موٹے تازے بدن کا مالک جو سرخ رنگ کا ایک جانگیہ پہنے ہوئے تھا، کسی ارنے
ھینسے کی مانند شہاب کی جانب لپکا اور اس نے پوری قوت سے شہاب کو ٹکر مارنے کی کوشش
لیکن شہاب سامنے سے ہٹ گیا تو وہ دو قدم تک آگے بڑھتا چلا گیا، شہاب کا خیال تھا جس
ح سے اس نے ٹکر ماری ہے وہ دوڑتا ہوا دور تک چلا جائے گا اور ممکن ہے دیوار سے ٹکرا
ئے لیکن اس نے اپنے آپ کو فوراً سنبھالا تھا اور یہ معمولی بات نہیں تھی، اس کا مطلب تھا
وہ لڑائی بھڑائی کا ماہر ہے...... اب سوچنے سمجھنے کے معاملات کچھ دیر کے لئے لاشعور میں
ے گئے تھے...... شہاب کو سب سے پہلے اپنی زندگی بچانی تھی، کیونکہ سامنے والا کچھ عجیب و
یب صفات کا مالک معلوم ہوتا تھا...... شہاب پوری طرح مستعد ہو گیا اور بہر حال اس نے
سلسلے میں خاصی تربیت حاصل کی تھی، چنانچہ مدمقابل کا اندازہ لگانے کے بعد اس نے اسی
معیار کے مطابق اس سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، طاقتور آدمی ایک بار پھر سیدھا
شہاب اس کے چہرے کا جائزہ بھی لے رہا تھا اور اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ بہر حال

درندہ ہے، اس کی آنکھوں میں جو وحشت اتری ہوئی ہے وہ غیر انسانی کیفیت رکھتی ہے
اس سے زندگی بچانے کے لئے شدید جدوجہد کرنی ہے، اس بار اس نے دونوں ہاتھ زمین
ٹکائے تھے اور گردن اٹھائے شہاب کو دیکھ رہا تھا، کسی خاص انداز میں حملہ کرنا چاہتا تھا وہ،
اب اپنی جگہ آہستہ آہستہ اُچھلنے لگا، وہ خود کو بھی جسمانی طور پر گرم رکھ رہا تھا، پھر اس
ں نے بڑی لمبی چھلانگ لگائی اور شہاب نے فوراً ہلکی سی جگہ تبدیل کر کے اپنی داہنی ٹانگ
ری قوت سے اس کی ٹھوڑی پر ماری، نتیجے میں وہ الٹ کر پیچھے جا گرا، لیکن کم بخت قلابازی
کر کھڑا ہو گیا تھا اور پھر اسی انداز میں دوسری چھلانگ اس نے شہاب پر لگادی تھی، شہاب
ں پھرتی کا مظاہرہ نہیں کر سکا اور اس بار وہ اس کی گرفت میں آگیا...... وہ ہاتھی نما انسان
ہاب کو اپنی گرفت میں لے کر دیوار کی جانب دوڑا اور شہاب کو اپنے پاؤں جمانا مشکل ہو گئے،
کن دیوار کے قریب جاتے ہوئے شہاب نے اچانک اپنے جسم کو جنبش دی اور اس بار شہاب
نیچے بیٹھ کر اسے دیوار سے ٹکرانے میں کامیاب ہو گیا، اس کی ناک اور پیشانی بھی دیوار سے
ٹکرائی تھی اور ناک سے خون کی دھاریں بہنے لگی تھیں جو اس کے برہنہ جسم پر گرنے لگی
تھیں، لیکن اس نے اس کی پروا نہیں کی۔ کلائی سے دو تین بار خون پونچھنے کے بعد وہ پھر
سیدھا ہو گیا...... شہاب کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی بلا سامنے ہو اور اس سے چھٹکارا پانا
ناممکن، لیکن بہر حال اس وقت جنگ کے سوا چارہ کار نہیں تھا اور شہاب نے اس دوران خود
کو سنبھال کر یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے، چنانچہ اب اس شخص کی گرفت میں آکر
اس سے باقاعدہ جسمانی قوت آزمائی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خود کو ہلاکت میں ڈال دیا
جائے۔ بس پھرتی سے اس کے وار بچا کر ہر بار اس پر نیا وار کیا جائے، یہی اسے زیر کرنے کی
ترکیب تھی، وہ کون ہے؟ کیا ہے؟ کیوں ہے؟ یہ سب تو بعد میں سوچنے کی بات تھی، اس
وقت زندگی بچانے کا مسئلہ تھا اور شہاب اسی کوشش میں مصروف تھا، یہی شکر تھا کہ اس کے
پاس کوئی ہتھیار وغیرہ موجود نہیں تھا اور شاید وہ ہتھیار استعمال کرنے کے بارے میں غور بھی
نہیں کر رہا تھا، بس اس کی چمکدار اور خونخوار آنکھیں شہاب پر جمی ہوئی تھیں...... ایک بار پھر
وہ آہستہ آہستہ شہاب کی جانب بڑھا تو شہاب پیچھے ہٹنے لگا، پھر اس نے اپنی کمر دیوار سے لگالی
تھی، وہ اس بار دیوار کی جانب نہیں دوڑا کیونکہ پہلی بار اپنے آپ کو دیوار سے ٹکراتے ہوئے
تکلیف اٹھا چکا تھا، اس بار اس نے بڑا سنبھل کر شہاب کے قریب پہنچ کر اسے اپنی گرفت میں

لینے کی کوشش کی تھی، لیکن شہاب تیار تھا اس نے ایک لات اس کے بدن کے نچلے حصے پر ماری اور پھر پوری قوت سے داہنے ہاتھ کا گھونسا اس کے سینے پر، وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا تھا اس بار اس کے چہرے پر ہلکی سی تکلیف کے آثار نظر آئے تھے لیکن فوراً ہی ایک اور ایسا واقعہ ہوا جس نے شہاب کو سنبھلنے پر مجبور کر دیا، اچانک ہی دروازہ کھلا تھا اور کوئی دروازے سے اندر داخل ہوا تھا۔ بس ایک لمحے کے لئے شہاب نے اس کی صورت دیکھی تھی...... وہ ارمان شاہ تھا...... شہاب دوسرے لمحے ایک بار پھر جھکائی دے کر اس شخص کی گرفت سے نکلا اور وہ دیوار سے پشت لگا کر کھڑا ہو گیا، اس نے ارمان شاہ کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا، لیکن ارمان شاہ کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ارے یہ کیا ہو رہا ہے...... کون ہو تم...... اوہو تم شہاب کیا کر رہے ہو یہاں؟ اور یہ...... یہ...... ارے خدا تجھے غارت کرے...... یہ تو نے اسے زخمی کر دیا...... آہ، یہ اس کے جسم پر خون کیسا ہے۔" ارمان شاہ اس شخص کی جانب دوڑا تو اس نے ارمان شاہ کو بازوؤں سے پکڑ کر ایک جانب کر دیا اور ایک بار پھر شہاب پر چھلانگ لگائی، لیکن شہاب ایک لمحے کے لئے غافل نہیں ہو سکتا تھا، اس وقت، غفلت موت بن سکتی تھی...... ارمان شاہ مسلسل چیخ رہا تھا۔

"میں تجھے فنا کر دوں گا، کتے، کمینے، میں کہتا ہوں تو ادھر آیا ہی کیوں، رک جا، ریحان رک جا، میں اسے دیکھ لوں گا...... میں بتا دوں گا اسے، ریحان تو کچھ مت کر...... تو رک جا، میں اسے دیکھ لوں گا۔" ارمان شاہ کی فطرت اس وقت بالکل بدل گئی تھی۔ شہاب محسوس کر رہا تھا کہ ارمان شاہ کی پول کھل گئی ہے اس کی تمام درویشی اس وقت ہوا ہو گئی ہے اور اب ایک نہیں دو افراد سے اس کا مقابلہ ہے...... ارمان شاہ کے الفاظ اور اس کا لہجہ بتاتا تھا کہ اب وہ کسی قسم کی شریفانہ کیفیت کے موڈ میں نہیں ہے، بلکہ یقینی طور پر وہ اس وحشی جانور کے ساتھ مل کر شہاب پر حملہ کرے گا اور شہاب کو ان دونوں سے نمٹنا تھا...... وہ شخص مسلسل شہاب پر حملہ کر رہا تھا اور ارمان شاہ کہہ رہا تھا۔

"رک جاؤ، دونوں رک جاؤ...... میں کہتا ہوں رک جاؤ...... ریحان سنبھال خود کو، رک جا...... میں کہتا ہوں رک جا۔" ایک بار پھر وہ ان دونوں کے درمیان آیا تو اس طاقتور آدمی نے اسے زور سے دھکا دیا اور ارمان شاہ دوڑتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا، پھر سیدھا ہو گیا، پھر اس نے شہاب سے کہا۔

"تو بھاگ جا یہاں سے شہاب، دیکھ میں کہتا ہوں تو بھاگ جا یہاں سے...... میں اس تیرے سے کوئی رعایت نہیں برت سکوں گا...... تو نکل جا یہاں سے تو نہیں جانتا تو میری زندگی سے کھیل رہا ہے...... شہاب، شہاب میں نے تیرے ساتھ ہمیشہ شرافت کا سلوک کیا ہے لیکن...... لیکن یہ جو کچھ تو کر رہا ہے وہ میں برداشت نہیں کر سکتا...... نکل جا، میں تیری منت سماجت کرتا ہوں...... شہاب...... شہاب باہر نکل جا میں اسے سنبھال لوں گا تو نکل جا۔" شہاب نے ایک لمحے کے لئے ارمان شاہ کی جانب دیکھا...... پھر دروازے کی جانب بڑھا...... وہ وحشی صفت آدمی پھر شہاب کی جانب دوڑا تھا، لیکن اس بار ارمان شاہ نے آگے سے اسے پکڑنے کی کوشش کی اور اس کی جانب متوجہ ہو گیا...... شہاب نے دروازے کے قریب پہنچ کر دروازہ اندر سے بند کر دیا اور پھر سیدھا ہو گیا، اس دوران وہ ارمان شاہ کو پیچھے دھکیل چکا تھا، لیکن ارمان شاہ نے حیرت بھری نگاہوں سے شہاب کو دیکھا جو دروازہ بند کر کے واپس پلٹا تھا...... پھر شہاب سرد لہجے میں بولا۔

"یہ تو بہت اچھا ہوا ارمان شاہ صاحب کہ آپ خود یہاں آ گئے اور آپ نے اپنی زبان اور چہرے پر سے اخلاقیات کی نقاب نوچ پھینکی...... میں اسے ٹھیک کئے دیتا ہوں، اس کے بعد آپ سے اس کے بارے میں سوال کروں گا۔"

"میں کہتا ہوں تو، تو شہاب مجھے مجبور نہ کر...... میں...... میں تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا، دیکھو میں کہہ رہا ہوں مان جاؤ شہاب...... دیکھو مجھے دیوانہ نہ کرو...... میں، تم نہیں جانتے کہ میں...... میں۔" لیکن شہاب نے کوئی جواب نہیں دیا اور تیار ہو گیا، جب اس بار ریحان اس کے قریب پہنچا تو شہاب کا زوردار گھونسا اس کے جبڑے پر پڑا اور ریحان کا خون میں ڈوبا ہوا چہرہ دوسری جانب گھوم گیا، جیسے ہی اس کا چہرہ مڑا...... شہاب نے ایک زوردار لات اس کے پیٹ پر رسید کی پھر اس کی گردن پکڑ کر پوری قوت سے اسے گھما کر زمین پر دے مارا...... اب شہاب پر بھی جنون سوار ہونے لگا تھا، اس نے آستینیں چڑھا لی تھیں اور پوری طرح مقابلے کے لئے تیار تھا، اچانک ہی اس نے ارمان شاہ کو ایک جانب بڑھتے ہوئے دیکھا...... یہاں ایک ٹیبل لیمپ رکھا ہوا تھا جو ماربل سے بنا ہوا تھا اور خاصا لمبا ڈنڈے کی مانند تھا...... ارمان شاہ نے ٹیبل لیمپ کے تار نوچ کر پھینکے اور اسے لاٹھی کی طرح اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا...... شہاب نے اس کی یہ حرکت دیکھی تھی، چنانچہ وہ سنبھل گیا اور پھر ارمان شاہ برق

رفتاری سے آگے بڑھا اور اس نے ٹیبل لیمپ لاٹھی کی طرح پوری قوت سے گھمادیا.....
شہاب نے اپنے آپ کو بچا کر ٹیبل لیمپ پکڑا اور ایک زوردار جھٹکا دیا.....ارمان شاہ خیر شہاب
کی طاقت کا بھلا کیا مقابلہ کر سکتا تھا، ٹیبل لیمپ اس کے ہاتھوں سے چھوٹا اور اوندھے منہ
زمین پر آرہا...... شہاب کھڑا ہو گیا تھا اور اب اس کے چہرے پر بھی خونخوار تاثرات نظر
آرہے تھے، چنانچہ وہ سیدھا کھڑا ہو گیا اور اس نے ٹیبل لیمپ ارمان شاہ کے ہی انداز میں
سنبھال لیا، پھر اس بار جب ریحان ان کے پاس آیا تو اس نے ٹیبل لیمپ کو سیدھا کر کے
ریحان کے پیٹ پر رکھا اور اسے زور سے دھکیلتا ہوا لے گیا.....ارمان شاہ نے آہستگی سے کہا۔
"نہیں...... خدا کے لئے نہیں...... مارنا نہیں...... اسے نہیں مارنا...... وہ میری زندگی
ہے، اس میں میری جان ہے، اس میں میری جان ہے، آہ...... اسے نہ مارنا۔" لیکن ریحان تو
انسان لگتا ہی نہیں تھا.....اب شہاب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ دیوانہ ہے، پاگل ہے بالکل، کوئی
بات سمجھتا...... سوچتا نہیں ہے، چنانچہ شہاب اسے مارنا تو نہیں چاہتا تھا لیکن یہ جانتا تھا کہ اس
طاقتور آدمی کو سنبھالنا بے حد مشکل کام ہے...... ارمان شاہ اپنی جیسی کوشش کر چکا تھا اور
خاصی چوٹیں کھا چکا تھا، اپنی حویلی میں اور پوری رحمان گڑھی میں وہ جس حیثیت کا مالک تھا اس
کے بعد اس کیفیت کو پہنچ کر شہاب کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کیا نہیں کر سکتا، لیکن بہر حال
شہاب ہر طرح کا خطرہ مول لینے کا ارادہ کر چکا تھا، اس نے ارمان شاہ سے کہا۔

"میں اب بھی تمہیں عزت و احترام سے مخاطب کر رہا ہوں ارمان شاہ، اسے روک سکتے
ہو تو روکو ورنہ ہر نقصان کے ذمہ دار خود ہو گے۔"

"تو دروازہ کھول کر باہر نکل جا میں اسے سنبھال لوں گا، شہاب اور کچھ نہیں کر سکتا میں۔"

"کون ہے یہ؟" شہاب نے سوال کیا۔

"میں کہتا ہوں باہر نکل جا بے غیرت انسان، باہر نکل جا۔" ارمان شاہ پھر اپنی جگہ سے
اُٹھ کھڑا ہوا اور وہ اِدھر اُدھر کوئی چیز تلاش کرنے لگا اور شہاب کے لئے اس کے سوا کوئی اور
چارہ کار نہیں تھا کہ وہ اب کچھ نہ کچھ کر ڈالے، چنانچہ اس بار جیسے ہی ریحان اس کے قریب آیا
شہاب نے اس کی پنڈلی پر ٹیبل لیمپ مارا اور ریحان ایک دم سے منہ کھول کر نیچے بیٹھ گیا۔
شہاب نے اس کے منہ پر ایک زوردار لات رسید کر دی تھی...... عقب سے ارمان شاہ نے
اس پر چھلانگ لگائی تو شہاب نے اس کو کمر پر لاد کر زور سے ریحان پر دے مارا اور ارمان شاہ

کے حلق سے کراہیں نکل گئیں...... ریحان کی شاید پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی وہ اٹھنے
کی کوشش کر رہا تھا لیکن ہر بار گر پڑتا تھا، البتہ اس کے منہ سے کوئی چیخ، کوئی آواز اب بھی نہیں
نکل سکی تھی، وہ وحشیانہ انداز میں اٹھنے کی بار بار کوشش کر رہا تھا اور گر رہا تھا، جبکہ ارمان
دیر تک زمین پر پڑا رہا تھا...... شہاب آہستہ آہستہ اس کے قریب آیا، اس نے ارمان شاہ
کو گریبان سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کر دیا اور غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"میرا نام شہاب ثاقب ہے ارمان شاہ...... آپ کو چاہئے تھا کہ پہلے میرے بارے میں
معلومات حاصل کر لیتے، میں نے اپنے آپ کو آپ سے چھپایا نہیں......سمجھ رہے ہیں آپ۔"

"تم دیکھنا...... تم دیکھنا کیا حشر کرتا ہوں میں تمہارا۔"

"تم کیا میرا حشر کرو گے میں اگر چاہوں تو اسی کمرے کو تم دونوں کا مقبرہ بنا سکتا ہو
سمجھ رہے ہو۔"

"تو نے، تو نے اس کی ٹانگ توڑ دی...... آہ، بدبخت خدا تجھے غارت کرے تو۔
میرے بھائی کی ٹانگ توڑ دی...... آہ تو نے اسے زخمی کر دیا ہے۔" شہاب نے دانت کچکچا
ایک زوردار لات ریحان کے پیٹ پر رسید کی اور اس بار ریحان کی چیخ نکل گئی، اس کی پسلیاں
ٹوٹ گئی تھیں شاید...... شہاب نے دو تین ٹھوکریں اور ماریں اور پھر ارمان شاہ سے بولا۔

"بولو ارمان شاہ کیا کہتے ہو...... تم دونوں کا مقبرہ یہیں بنادوں۔"

"بنادے...... بنادے...... میں کہتا ہوں بنادے...... موت کے بعد انسان ہر کیفیت
سے آزاد ہو جاتا ہے۔"

"کھڑے ہو جاؤ...... بالکل جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس وقت، کھڑے ہو جاؤ...... جسے
چاہو بلا سکتے ہو...... اس وقت اس کمرے میں داخل ہونے والے ہر شخص کو میں زندگی سے
محروم کر دوں گا، سمجھ رہے ہو تم۔" شہاب کی غراہٹ بے حد خطرناک تھی...... ارمان شاہ
خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا، اب اس کے چہرے پر کسی قدر حیرت کے نقوش تھے۔

"میں کیا کروں...... خدارا میں کیا کروں...... خدایا میں کیا کروں۔" اس نے کہا، شہاب
آگے بڑھا اور اس نے زمین پر بیٹھے ہوئے ریحان کی دوسری ٹانگ پکڑی اور اسے موڑنے
لگا...... ریحان اوندھا ہو گیا تھا۔

"چھوڑ دے...... تجھے خدا کا واسطہ میرے سامنے اس کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ کر......

میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔"

"میں اسے زندگی سے محروم کر دوں گا، پہلے میں اس کی دوسری ٹانگ توڑوں گا اور پھر یہ ٹیبل لیمپ اس کے سر پر مار کر اس کا بھیجا باہر نکال دوں گا۔"

"آہ...... خدا تجھے غارت کر دے...... خدا تجھے غارت کر دے۔" ارمان شاہ تھکے ہوئے لہجے میں بولا، شہاب نے اس کی ٹانگ چھوڑ دی اور اسے ٹھوکریں مار مار کر دیوار کے سہارے کر دیا...... اب ریحان میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ وہ کھڑا ہو کر شہاب سے مقابلہ کرے، خاص طور سے پنڈلی ٹوٹ جانے کی وجہ سے بہت زیادہ نڈھال ہو گیا تھا وہ لیکن اب بھی ہوش میں تھا، تب شہاب نے ارمان شاہ سے کہا۔

"ہاں کیا کہتے ہو اب تم اس بارے میں۔"

"میں کیا کہوں...... میں کیا کہوں...... مین...... میں...... میں آخر یہ پوچھتا ہوں تم، تم۔"

"نہیں...... مجھے تم کہہ کر مخاطب نہ کرو...... اپنی اصلیت دکھا چکے ہو تم ارمان شاہ، بہت بڑے آدمی ہو تم اس بستی کے، پوری رحمان گڑھی تمہاری غلام ہے لیکن ایک بات سمجھ لینا میں تمہیں اپنا نام بتا چکا ہوں اگر مجھے مجبور ہی کر دیا گیا تو قتل عام کر دوں گا یہاں پر، سمجھے...... جتنے مار سکا مار دوں گا اور اس کے بعد میں جانتا ہوں اس کا نتیجہ کیا ہو گا...... اس لئے اپنے ہوش و حواس قائم کرو اور ان چند لمحات کے لئے یہ بھول جاؤ کہ تمہاری اپنی حیثیت اور تمہاری اپنی شخصیت کیا ہے...... میں نے تمہارا مکمل احترام کیا ہے لیکن اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم مجھ پر برتری حاصل کر لو گے تو کم از کم یہ اس وقت ممکن نہیں ہے، سمجھ رہے ہو نا تم۔" ارمان شاہ نے دیوار سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لی تھیں...... شہاب آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور ارمان شاہ کے قریب پہنچ گیا، پھر اس نے کہا۔

"تمہاری تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے ارمان شاہ کے لباس اور جسم کی تلاشی لی لیکن ارمان شاہ کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا...... شہاب نے اس کی جو درگت بنائی تھی وہ شاید اس نے کبھی زندگی میں تصور تک میں نہ سوچی ہو گی، لیکن شہاب بعض اوقات خود بھی اپنی کیفیات پر قابو نہیں پا سکتا تھا اور وہ کچھ کر ڈالتا تھا جس کی دوسرے کو توقع نہ ہو، اس وقت بھی اس کی ذہنی کیفیت ایسی ہی تھی اور وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اگر اسے مجبور کر دیا جاتا تو شاید وہ کر ہی ڈالتا، ارمان شاہ نے آہستہ سے کہا۔

"اسے...... اسے...... اس کے لئے کچھ کرو...... مجھے ہر قیمت پر اس کی زندگی درکار ہے۔"

"مگر مجھے اس کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے...... اس کے علاوہ ٹھیک ہے کوئی بھی تکلیف نہیں پہنچی ہے اسے، بس میں نے اس کی وحشت دور کر دی ہے...... اب یہ بے ہوش میں ہے۔"

"آہ...... وہ کیا ہوش میں آئے گا...... وہ پاگل ہے قدرتی طور پر پاگل ہے وہ، وہ ہوش میں نہیں آ سکتا...... وہ کیا ہوش میں آئے گا۔"

"وہ جو کچھ بھی ہے اگر تم چاہتے ہو کہ تم اس کی زندگی کے لئے کچھ کر سکو تو اس کے لئے ارمان شاہ تمہیں ایک ایک لفظ بتانا ہو گا مجھے، ایک ایک لفظ بتانا ہو گا۔"

"چلو فرض کرو میں تمہیں سب کچھ بتا دیتا ہوں، لیکن یہ سب کچھ بتا دینا اتنا آسان تو نہیں ہو گا...... تم پہلے اس کے لئے کچھ کرو۔"

"میں صرف اس کے لئے ایک ہی کام کر سکتا ہوں کہ اس کی گردن اس کے شانوں سے اتار کر پھینک دوں اور اگر تم اس سلسلے میں مداخلت کرو تو تمہیں بھی یہیں سلا دوں ہمیشہ کے لئے۔"

"مجھے اپنی زندگی کی نہ تو پہلے پروا ہی ہے نہ اب ہے...... تم ہمیشہ مجھ سے پوچھتے رہے ہو کہ شاکو کے خلاف میں نے اپنی زندگی بچانے کی کوشش کیوں نہیں کی ہے تو اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ میں مر جانا چاہتا تھا، مجھے اس بدنصیب کی ناکامی کا بے حد افسوس ہے جس نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا اور کامیاب نہیں ہو سکا...... میری دلی آرزو تھی کہ وہ کامیاب ہو جاتا تاکہ میں سانسوں کے اس عذاب سے چھٹکارا پا سکتا، تم اگر چاہو تو مجھے قتل کر دو مگر میرے سامنے اسے کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ...... کیا سمجھے، تم چاہو تو یہ کر سکتے ہو۔"

"اور اگر تم اسے اپنی آنکھوں سے مرتے دیکھنا پسند نہیں کرتے تو مجھے ایک ایک لفظ کھل کر بتاؤ۔"

"میں تم سے کہہ رہا ہوں...... وعدہ کر رہا ہوں...... بتا دوں گا لیکن اس کے لئے کچھ کرو، خاموشی کے ساتھ اس کے لئے کچھ کرو...... حویلی میں کسی کو پتا نہ چلے...... میں تمہیں ایسے خفیہ راستے بتا سکتا ہوں جن سے ہم تینوں باہر نکل سکتے ہیں...... میں گاڑی کا بھی بندوبست کر سکتا ہوں، مجھے اجازت دو میں گاڑی لے کر اس جگہ پہنچ جاؤں جہاں کے بارے

میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں اور جہاں سے ہم سب نکل سکتے ہیں۔"

"کون سی جگہ ہے وہ؟"

"بالکل اسی حویلی کا عقبی حصہ، یہاں ایک دروازہ موجود ہے اس میں اندر سے تالا پڑا ہوا ہے...... تالے کی چابی وہ سامنے رکھی ہوئی ہے، گاڑی لے کر میں ادھر آجاتا ہوں اسے خاموشی سے ہسپتال لے چلتے ہیں، یہاں کے نہیں بلکہ شہر کے کسی گمنام ہسپتال...... تم میری مدد کرو میں وعدہ کرتا ہوں راستے ہی میں کچھ بتادوں گا۔" جواب میں شہاب ہنسنے لگا تھا، پھر اس نے کہا۔

"ارمان شاہ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ تم غلط کہہ رہے ہو، لیکن یہ ممکن نہیں ہے بات جب یہاں تک پہنچ چکی ہے تو اب میرے اور تمہارے درمیان اخلاق و مروت کا کوئی رشتہ نہیں رہ گیا۔ یہ مرے گا نہیں ایسا کوئی زخم، ایسی کوئی چوٹ اس کو ابھی نہیں لگی ہے جس سے اسے موت آجائے، یہ میرا تم سے وعدہ ہے کہ میں اسے مرنے نہیں دوں گا اور موت سے پہلے اسے کسی مناسب مقام پر لے چلیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ ساری تفصیل میرے علم میں آنی چاہئے، بس سمجھ لو اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔" ارمان شاہ نے بے بسی کی نگاہوں سے شہاب کو دیکھا اور بولا۔

"کیا پوچھنا چاہتے ہو، بولو کیا پوچھنا چاہتے ہو تم، تم تو میری حفاظت کے لئے یہاں آئے تھے...... شاکو سے مجھے بچانے کے لئے یہاں آئے تھے...... میں نے تمہارے ساتھ محبت بھرا سلوک کیا، بتاؤ کیا تکلیف پہنچی ہے تمہیں مجھ سے، میں، میں، میں تمہیں ایک بات بتادوں تم اسے گرفتار کرلو لیکن یہ ذہن میں رکھنا کہ تم اس کا کچھ نہیں کرسکتے۔"

"ارمان شاہ دیکھو عقل سے کام لو، میرا تعلق انتظامیہ سے ہے...... میں تمہیں شاکو کے حملے سے بچانے کے لئے یہاں آیا تھا، لیکن میرا کوئی اور منصب بھی ہے میں ان واقعات کی حقیقتوں کو جاننا چاہتا تھا۔ شاکو آخری وقت تک اپنے آپ کو بے گناہ کہتا رہا ہے۔ میں اس کی اس بے گناہی کا راز جاننا چاہتا ہوں اور ارمان شاہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے یہاں آنے کے بعد جھک ماری ہے تو اپنے اس خیال کو ذہن سے نکال دو...... کیا سمجھے بہت سی حقیقتیں مجھے معلوم ہو چکی ہیں، تم اپنے آپ کو رحمان گڑھی والوں کی نگاہوں میں ولی اور درویش بنا کر پیش کرتے ہو لیکن ارمان شاہ اگر تمہارے دل میں اپنے مذہب، اپنے دین اور اللہ سے سچائی کا

ذرا برابر خیال بھی ہے تو کیا تم بھی مظلوم فرزندا کے گھر گئے ہو، کیا تم نے اس عورت کو دیکھا ہے جو عدل جہانگیری طلب کر رہی ہے جو کہتی ہے جہانگیر بادشاہ تیری زنجیر کہاں گئی، اب بتا میں کیا کروں...... کس سے انصاف مانگوں، اگر تم ایک بار اپنے اس بہروپ کو سچ کی نگاہ سے دیکھ لو تو خود پر لعنت بھیجو...... ارمان شاہ ہو سکتا ہے کہ اندر سے تم ایک بڑے گناہ گار، بدکار انسان ہو چونکہ تم جیسے لوگوں سے میرا بار بار واسطہ پڑ چکا ہے، لیکن ایک بار، صرف ایک بار انسان بن کر بھی دیکھو، انسان بن کر بھی غور کرو ہو سکتا ہے تمہارے دل میں خدا کا خوف جاگ اٹھے، ہو سکتا ہے تم یہ سوچو کہ ساری زندگی کی توبہ تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی اور اگر یہ سب مصنوعی ہے صرف اپنے آپ کو دنیا کی نگاہوں میں ایک درویش ظاہر کرنے کی کوشش اور اس کی آڑ میں جرائم پیشہ زندگی گزارنے کا خیال، تو سمجھ لو کہ اب تک جو کچھ کرتے رہے ہو اب اس کے آخری لمحات ہیں...... یہ صرف گناہوں کے حساب دینے کا وقت ہے...... ہاں، اگر تم چاہو تو اس کا کفارہ ادا کرسکتے ہو۔"

ارمان شاہ کی آنکھیں بند تھیں، وہ خاموش تھا، پھر اس کی سسکیاں نکل پڑیں، وہ بے اختیار رونے لگا اس نے روتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... گناہ پر گناہ کئے جا رہا ہوں اور جانتا ہوں ان گناہوں کی توبہ اس جیسی ہزار زندگیاں مل جانے تک کروں تو وہ توبہ قبول نہیں ہوسکتی...... میں نے جو کچھ کیا ہے وہ اللہ کے حکم کے مطابق نہیں ہے...... میں تو اپنے آپ کو فریب دے رہا ہوں اور اپنی دانست میں اپنے معبود کو فریب دے رہا ہوں، حالانکہ یہ جانتا ہوں کہ وہ میری ذات کے ہر ذرے سے واقف ہے...... میں یا کوئی بھلا اس سے کیا فریب کر سکے گا...... آہ، میں بدنصیب انسان بس کچھ ایسی سوچوں کا شکار ہو گیا جن کے بارے میں نہ تو مجھے کوئی مشورہ دینے والا تھا نہ کوئی میری مدد کرنے والا...... ٹھیک ہے...... سچ کہہ رہے ہو تم...... وہ انصاف مانگ رہی ہوگی...... کاش وہ خدا سے انصاف مانگ لیتی تو سب کچھ مل جاتا اسے، ذہنی طور پر جنونی ہو گئی ہے وہ جو جہانگیر، جہانگیر پکار رہی ہے...... ارے اللہ ہی ہوگا اس کے دل میں، ہو گیا وہ سب کچھ جو ہونا تھا...... اب بھلا اسے کون روکے گا، بیٹھ جاؤ، مرتا ہے یہ کم بخت تو مر جائے، میں کیا کروں...... کیسے سنبھالوں کسی کے کئے دھرے کو، یہ میرا بھائی ہے، میرا سوتیلا بھائی ہے یہ، ریحان شاہ ہے اس کا نام، میرے باپ کی، میرے باپ کی جائز اولاد ہے...... اس میں کوئی

شک نہیں ہے لیکن دنیا یہ بات نہیں جانتی تھی، دنیا یہ بات بالکل نہیں جانتی تھی...... رحیم شاہ بہت اچھے انسان تھے برے نہیں تھے وہ...... لیکن نجانے کیسے وہ ایک عذاب میں گرفتار ہوگئے، کوئی عورت تھی، کیا تھی یہ بابا ہی جانتے تھے لیکن وہ بابا کی بیوی تھی، نکاح کیا تھا بابا نے ان سے، لیکن بعد میں جب یہ پتا چل گیا کہ یہ شخص وجود میں آرہا ہے تو بابا نے اس سے نکاح کرلیا...... بابا کیسے اس بات کا شکار ہوئے، تم یقین کرو مجھے نہیں بتایا انہوں نے، ہاں جب وہ شدید بیمار ہوئے تو انہوں نے مجھے بلایا اور صائمہ کے بارے میں تفصیل بتائی...... صائمہ سے میری ملاقات کرائی، وہ قریب المرگ تھی، ٹی بی کی مریضہ تھی اور آخری اسٹیج پر پہنچ گئی تھی۔ یہ ریحان اسی کا بیٹا ہے...... یہ بچپن سے پاگل تھا اور اس کے علاج کے لئے رحیم شاہ نے بے شمار کوششیں کر ڈالی تھیں، لیکن وہ خوفزدہ بھی تھے چونکہ اس بات کو منظر عام پر نہیں لانا چاہتے تھے...... غرض یہ کہ مرحوم باپ نے رو رو کر موت کے وقت اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے مجھے بتایا تھا کہ یہ کیا قصہ ہے...... میرے شانوں پر انہوں نے ذمہ داری ڈالی تھی کہ میں ان کا تحفظ کروں اور جس طرح بھی ممکن ہو سکے انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دوں...... انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر ممکن ہو سکے تو ان کی اس بدنما داستان کو منظر عام پر نہ آنے دیا جائے اور میں نے پورے اعتماد کے ساتھ ان سے وعدہ کیا تھا کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا، کوئی کبھی نہیں جان سکے گا کہ یہ کون ہے اور رحیم شاہ کی زندگی سے ایسا کوئی واقعہ بھی منسلک ہے، بہت وقت گزر گیا...... رحیم شاہ کے انتقال کے ٹھیک تین ہفتے بعد صائمہ بھی اس دنیا سے رخصت ہوگئی...... رحیم شاہ صاحب ریحان کی ہر طرح کی دیکھ بھال کرا چکے تھے اور اس کی اس دیوانگی کا کوئی علاج نہیں تھا۔ یہ ایک فطری جنونی ہے، کبھی کبھی بالکل صحیح الدماغ ہوتا ہے اور کبھی ایسا جیسا تم نے اسے دیکھا...... اس کے بارے میں ڈاکٹر کی تمام رپورٹیں موجود تھیں، لیکن میں اپنے طور پر اپنے آپ کو اس قدر مستحکم اور طاقتور نہیں پاتا تھا کہ ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرسکوں...... اخلاق احمد میرا منیجر ہی نہیں میرا دوست بھی ہے، مگر باپ کا راز راز رکھنے کے لئے میں نے مرتے وقت اس سے وعدہ کیا تھا میں کسی کو بھی اپنا راز دار نہیں بنا سکتا تھا، بمشکل تمام میں نے کچھ ترکیبوں سے اسے یہاں منتقل کیا اور اس جگہ قیدی بنا دیا، کچھ لوگوں کو میں نے کچھ ایسی الٹی سیدھی کہانیاں سنا کر اس کی خدمت کے لئے تیار کرلیا، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس آسیب زدہ حصے کا راز کسی طور اس جگہ سے باہر نہ نکلے...... میں نے اس جگہ کو

آسیب زدہ مشہور کیا اور اس کے لئے نجانے کیا کیا طریقہ کار اختیار کئے، ہر چیز جھوٹ پر مبنی تھی لیکن میرا دل یہ سوچ کر اپنے آپ کو مطمئن کرلیتا تھا کہ بہر حال میں ایک مرتے ہوئے شخص سے اپنا وعدہ نبھا رہا ہوں، مجھے اس سے بالکل محبت نہیں ہے...... یہ میرا سوتیلا بھائی ہے اور اس کی وجہ سے میری زندگی جس عذاب کا شکار ہوئی ہے...... آہ شہاب تم اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے...... وہ کچھ ہوا ہے کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا اور میری ساری زندگی اس گناہ کا کفارہ ادا کرتے ہوئے گزری ہے، میں ہمیشہ توبہ کرکے اپنی زندگی کے یہ بدنما لمحات گزارتا رہا ہوں...... میں جو کچھ بھی ہوں وہ الگ بات ہے لیکن اپنے باپ سے کئے ہوئے وعدے کو میں زندگی کی آخری سانس تک نبھانا چاہتا تھا، پتا نہیں تم اس طرف کس طرح راغب ہوگئے، پتا نہیں کیا ہوا۔" ارمان شاہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہوا تو شہاب نے سفاک لہجے میں کہا۔

"کہانی ابھی بالکل نامکمل ہے ارمان شاہ، پوری تفصیل میرے علم میں لاؤ۔" شہاب پر بھی اس وقت دیوانگی سوار ہوگئی تھی، اس وقت وہ ان دونوں سے زیادہ دیوانہ محسوس ہو رہا تھا۔ ارمان شاہ نے بھی اس کے لہجے میں کوئی ایسی ہی بات محسوس کرلی تھی جس سے اسے یہ احساس ہوگیا تھا کہ اس وقت چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔ اس کا بھائی بے پناہ طاقتور تھا...... ریحان ایک ایسی شخصیت تھی جس میں دماغ نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور جسمانی طور پر وہ ایک طاقتور طوفان تھا لیکن اس طوفان کو بڑی آسانی سے شہاب نے زمین بوس کردیا تھا اور ارمان شاہ نے اپنے کئے کا نتیجہ بھی دیکھ لیا تھا...... آہستہ آہستہ ریحان کی آنکھیں بند ہوتی جارہی تھیں...... ارمان شاہ اپنی جگہ سے اٹھا اس کے قریب پہنچا اور اسے غور سے دیکھا، پھر بولا۔

"اس کی آنکھیں بند ہوتی جارہی ہیں۔"

"بے ہوشی، صرف بے ہوشی...... یہ بے ہوش ہو رہا ہے لیکن تم اس کی بالکل فکر مت کرو۔"

"آہ...... ایک بات کا وعدہ کرو اگر یہ مرجائے تو مجھے بھی مار ڈالنا، بولو اس کا وعدہ کرتے ہو۔"

"ٹھیک ہے ارمان شاہ اگر تم اس بات کے خواہشمند ہو تو میں یہی کروں گا۔"

"اور اس موت کی کہانی کسی کو نہیں معلوم ہوگی کہ اس کا اصل مقصد کیا تھا۔"

"میں اپنی گردن بھی نہیں پھنساؤں گا ارمان شاہ، کیا سمجھے۔" شہاب نے اسی بے دردی

سے کہا اور ارمان شاہ اسے دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

"ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے زندگی موت اللہ کے ہاتھ میں ہے، اگر تم یہی چاہتے ہو تو یہی سہی...... بہر حال میں اس کی پرورش کرتا رہا اور نجانے اس کے لئے مجھے کس کس سے کیا کیا جھوٹ بولنے پڑے...... میں بس تمہیں اپنی ذہنی کیفیت بتا نہیں سکتا ایک بار، ایک بار یہ بدبخت، آہ...... ایک بار یہ بدبخت یہاں سے نکل بھاگا، جوان ہو چکا تھا نجانے کیسی کیسی کیفیات کا حامل تھا یہ، بھاگنے کے بعد یہ ان دونوں بدنصیب عورتوں کے پاس پہنچ گیا...... تم اس کی جسمانی قوت کا اندازہ تو لگا ہی چکے ہو۔ آہ، یہ اعتراف کرتے ہوئے مجھے ڈوب مرنا چاہئے، لیکن اب تمہیں مجبور ہو کر بتا رہا ہوں کہ وہ دونوں بے گناہ تھیں، بالکل بے گناہ تھیں...... گناہ گار یہی تھا، یہی کم بخت گناہ گار تھا اس نے انہیں داغدار کیا اور اپنی دیوانگی کی بھینٹ چڑھا ڈالا، پھر انہیں ہلاک بھی کر دیا، ان کا قاتل یہی ہے...... اس نے انہیں قتل کر دیا لیکن، لیکن میں...... میں بس...... میں یہاں بھی اپنے جرم کی سیاہی کو اپنے وجود سے نہ دھو سکا...... اتفاق کی بات تھی کہ فرزندا اس وقت وہاں پہنچ گیا تھا اور تمام صورت حال سے واقف ہو گیا تھا۔ اب دو ہی صورتیں تھیں یا تو میں فرزندا کو قتل کر دیتا یا اسے اپنا رازدار بنا لیتا...... تقدیر نے کچھ عجیب کھیل کھیلا تھا کہ غیر متوقع طور پر شاکر خان بھی آ گیا اور منصوبے کے مطابق یہ سارا الزام فرزندا پر لگا کر میں نے فرزندا کو فرار کرا دیا اور شاکر خان کو اس کہانی کے تحت اس کیس میں پھنسا دیا...... میں نے اپنا انداز ایسا رکھا تھا کہ شاکر خان کو بھی اس بات کا احساس نہ ہو سکے کہ میں نے یہ کارروائی کی ہے۔ بہر حال پھر اس کے بعد جو ساری کارروائی ہوئی وہ میری منصوبہ بندی کے تحت تھی اور بے چارہ شاکر خان بے گناہ سزا پا گیا...... آہ، بس کیا کہوں...... ایک گناہ چھپانے کے لئے گناہ پر گناہ کرنے پڑے...... فرزندا کو یہاں سے بھگا کر محفوظ کیا اور فرزندا شہر چلا گیا، بے چارہ شاکر خان گرفتار ہوا، بچی بھی میں نے فرزندا کے حوالے کر دی تھی کہ وہ اس کی پرورش کرے، لیکن کہا یہ کہ شاکر خان اس بچی کو لے کر فرار ہوا ہے بعد میں وہ گرفتار ہوا...... ظاہر ہے وہ وہی بیان دے سکتا تھا جو حقیقت پر مبنی تھا، بڑی امید تھی اسے مجھ سے، لیکن میرا ہی کیا دھرا تو یہ سب کچھ تھا...... میں ہی اس بدبخت کو بچانے کے لئے یہ ساری کارروائیاں کر رہا تھا...... فرزندا بے چارہ حمیدا کے پاس پہنچا، حمیدا اس کا بہنوئی تھا...... شہر میں کنڈیکٹری کرتا تھا...... فرزندا نے اسے ساری

صورت حال بتائی، لیکن اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ حمیدا اتنا بڑا شیطان ہے، وہ واپس آیا اور آنے کے بعد مجھ سے ملاقات کی اور ساری صورت حال مجھے بتائی اور پھر مجھ سے سودا کیا۔ آہ میں آج جو درویش بنا پھرتا ہوں درحقیقت اس کھیل میں شیطان سے بھی آگے بڑھ گیا تھا...... میں نے حمیدا کو ایک بڑی رقم دی اور کہا کہ وہ فرزندا کو قتل کر دے اور اس بچی کو بھی زندگی سے محروم کر دے، بس یہ سب کچھ کیا میں نے...... حمیدا نے مجھے یہی بتایا کہ اس نے یہ دونوں کام کر ڈالے ہیں، لیکن بعد میں مجھے پتا چلا کہ فرزندا زندہ ہے...... فرزندا کی خوش بختی تھی یا پھر حمیدا نے اس سلسلے میں کوشش ہی نہیں کی، ایک دفعہ فرزندا نے مجھ سے رابطہ قائم کیا اور یہ بتایا کہ بچی اس کے پاس موجود ہے میں نے فرزندا کی باقاعدہ مدد شروع کر دی اور اس سے کہا کہ بچی کی بہتر طریقے سے پرورش کرے، بچی اور فرزندا محفوظ ہیں اور اب حمیدا کو بھی ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم، بس یوں سمجھ لو کہ جرم پر جرم کرتا چلا گیا ہوں میں، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر پایا ہوں اس سلسلے میں، آہ بعض اوقات انسان کس طرح دوسروں کے جال میں پھنس جاتا ہے...... میں خود کو بے گناہ نہیں کہہ رہا لیکن اتنا کہہ رہا ہوں کہ جو کچھ میں نے تمہیں بتایا ہے وہ سب سچ ہے باقی فیصلے تقدیر کرتی ہے جو کچھ ہونا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ میں تمہیں ایک بات بتاؤں اگر تم اسے گرفتار کرو گے اور سزا دلوانے کی کوشش کرو گے تو میں ایک کام کروں گا اور وہ کام یہ ہو گا کہ اس کی جگہ میں اعتراف جرم کروں گا اور بتاؤں گا کہ ان دونوں عورتوں پر میری نیت خراب ہو گئی تھی اور جو کچھ کیا ہے ان کے ساتھ میں نے کیا ہے اور ایک ایسی کہانی گھڑی ہے جس سے یہ میرا پاگل بھائی مشکل میں آ جائے...... کیا سمجھے، ذرا دیکھو تو سہی اسے، دیکھو شاید وہ دم توڑ رہا ہے۔"

"نہیں...... ارمان شاہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس کی حالت بہتر ہے بلکہ ٹھیک ہے...... بس پاؤں میں تکلیف ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہڈی ٹوٹ گئی ہو، دو صورتیں ہیں اسے شہر لے چلو اور پہلے اس کی ڈریسنگ وغیرہ کراؤ اور اس کے بعد اس ساری کہانی کو منظر عام پر لا کر شاکو یا شاکر خان کی زندگی بچاؤ یہ ضروری ہے۔"

"شاکر خان کی زندگی اگر بچ گئی تو کیا وہ مجھے زندہ چھوڑ دے گا یا اسے زندہ چھوڑ دے گا۔"

"اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا اگر تم انسانیت کے جامے میں آ جاؤ تو تمہاری

مدد کی جاسکتی ہے اور اگر اپنے اندر غرور کا یہی عنصر قائم رکھا تم نے اور صرف برائی کی جانب راغب رہے تو صورت حال مختلف ہو سکتی ہے، جہاں تک رہا تمہارے اس بھائی کا تعلق تو ایک بات میں بھی تم سے کہوں کہ اگر کوئی وصیت کر جاتا ہے اور تم محسوس کرتے ہو کہ وہ سراسر گناہ پر مبنی ہے تو اس گناہ کو تم تا قیامت نہیں دھو سکتے، تمہارے باپ نے جو کچھ بھی کیا سب سے پہلی بات تو یہ کہ یہ تمہارے باپ کی ناجائز اولاد ہے، پھر بھی تم اگر اتنا ہی احترام کرتے ہو اپنے باپ کی وصیت اور خواہش کا تو تم اسے باقاعدہ قانون کے حوالے کرو، اس کے لئے میں کوئی موثر منصوبہ بندی کرتا ہوں، لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا کہ اگر چالاکی کرنے کی کوشش کی تو ایک بار پھر تمہیں اپنا نام یاد دلاتا ہوں...... میرا نام شہاب ثاقب ہے۔"

"مگر یہ بتاؤ کہ پھر میں کیا کروں گا، کیا خودکشی کرلوں یا سچ کا اعتراف کر کے سزا پاؤں۔"

"یہ فیصلے خود کیوں کرتے ہو، وقت آنے پر تمام فیصلے خود بخود ہوں گے...... تم کیا سمجھتے ہو جن لوگوں کا صبر سمیٹا ہے تم نے کیا وہ خدا کے بندے نہیں ہیں؟ کیا ان کی فریاد سننے والا اللہ نہیں ہے، اس بات کو تم کیوں بھول جاتے ہو۔"

"ہاں ہے...... بے شک ہے...... بالکل سچ ہے...... مم مگر، مگر میرے بھائی میں اپنے اندر یہ ہمت نہیں پاتا۔"

"ہمت پیدا کرو ارمان شاہ، ہمت پیدا کرو، تمہیں یہ ہمت پیدا کرنی ہوگی ورنہ دوسری صورت میں بھی بچت تمہارے لئے ممکن نہیں ہے...... میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گا...... تم ان بدترین مجرموں میں سے ہو جنہیں صرف اور صرف سزائے موت ملنی چاہئے، لیکن میں اصل مجرم کو منظر عام پر لاؤں گا، اگر تمہیں بھی اس کے ساتھ ساتھ ہی سزا ہوئی تو دوسری بات ہے لیکن تمہارے ساتھ اتنی رعایت کی جاسکتی ہے کہ تمہارے بھائی کو طبی معائنے کے لئے پیش کردیا جائے گا اور اس کا جو فعل تھا وہ دیوانگی پر محمول کیا جائے گا، تمہارے ساتھ میں صرف اتنا کرسکتا ہوں ارمان شاہ کہ عام لوگوں کو ان تمام باتوں سے لاعلم رکھوں اور ایک ایسی سچویشن بناؤں جس سے یہ صورت حال منظر عام پر آئے کہ تم ان تمام چیزوں سے ناواقف تھے اور یہی سب کچھ سمجھے تھے جو تم نے کیا۔" ارمان شاہ حیرت بھری نگاہوں سے شہاب کو دیکھنے لگا، پھر بولا۔

"تم میرے لئے یہ سب کچھ کرو گے۔"

"ہاں...... لیکن یہ وعدہ نہیں کرتا کہ اس کے بعد بھی میں تمہیں جرم سے بچا سکوں۔"

"بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"بات ابھی تک میرے ذہن میں بھی نہیں واضح ہو سکی ہے اس لئے۔"

"تو پھر اب بتاؤ میں کیا کروں؟"

"اب صرف ایک کام ہو سکتا ہے 'پہلے اسے یہاں سے لے کر شہر چلو اور اسے ہسپتال میں داخل کراؤ...... میں تمہاری اس سلسلے میں مدد کروں گا لیکن شرط یہی ہے جو میں نے کہا ہے تم وہ کرو...... ورنہ دوسری صورت میں تم جانتے ہو جو کچھ میں نے اب کیا ہے وہ میں کسی بھی جگہ کرسکتا ہوں۔"

"ہوں...... اب کیا کروں؟"

"چلو اسے یہاں سے نکال کر لے جانے کا بندوبست کرو۔"

"لینڈ روور کے ذریعے اسے شہری آبادی تک لے چلتے۔"

"جیسا تم مناسب سمجھو۔"

"تو پھر ٹھیک ہے جس طرح تم چاہو، آغاز کرو۔"

"مناسب...... انتظار کرو۔" شہاب نے کہا اور اس کے بعد وہ ٹرانسمیٹر پر توصیف اور سردار علی کو کال کرنے لگا، کچھ لمحوں کے بعد ان سے رابطہ قائم ہو گیا تو شہاب نے کہا۔

"توصیف...... سردار علی تم دونوں حویلی پہنچ جاؤ...... حویلی کے بڑے گیٹ کے سامنے انتظار کرو۔"

"جی شہاب صاحب۔" توصیف نے جواب دیا۔

"ہیلو بینا۔"

"ہاں، کہاں ہو تم...... کیسی عجیب بات ہے مجھے پریشانی ہو رہی ہے۔"

"بینا تیار ہو کر باہر نکل آؤ ہمیں کچھ کام کرنے ہیں، بلکہ یہ کرو کہ 'حویلی کے عقبی حصے میں آسیب زدہ حویلی کے گیٹ پر پہنچ جاؤ...... میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

"آسیب زدہ حویلی کے گیٹ پر۔"

"آجاؤ۔" اس دوران ارمان شاہ بے ہوش پڑے ہوئے ریحان کے قریب بیٹھ کر اسے ٹٹولتا رہا تھا...... ریحان کی پنڈلی سوجتی چلی جارہی تھی اور سوجھ کر کپا ہوگئی تھی اور ویسے بھی

شہاب نے اس کی اتنی مرمت کی تھی کہ جگہ جگہ اس کے نشانات واضح تھے اور اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کتنا زخمی ہے...... بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ، شہاب نے ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اس سے کہا۔

"ارمان شاہ میرے ساتھ چلو اور لینڈ روور لے کر یہاں پر آجاؤ۔"

"چلو۔" ارمان شاہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا، اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ اب وہ اوقات میں آچکا ہے اور ساری صورت حال مناسب ہے...... شہاب کے ذہن میں البتہ کھچڑی پک رہی تھی...... یہ ساری باتیں کر تو ڈالی تھیں اس نے لیکن ابھی تک کوئی جامع منصوبہ اس کے ذہن میں نہیں تھا، ابھی تو اسے یہ دیکھنا تھا کہ آگے کی صورت حال کیا ہوتی ہے...... فی الحال اس کو بچانا بھی ضروری تھا ویسے تو واقعی کوئی ایسی ضرب نہیں تھی جو اس کی جان لے لیتی لیکن پھر بھی تکلیف کی شدت سے وہ موت کا شکار ہو سکتا تھا اور پھر اسے قبضے میں کرنا ضروری تھا۔ دن کی روشنی میں ممکن ہے ارمان شاہ پھر ایک بار راستے سے بھٹک جائے اور شہاب کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے، اس لئے جو کچھ بھی کرنا تھا فوری طور پر کرنا بے حد ضروری تھا اور شہاب اس کے لئے تمام انتظامات کر لینا چاہتا تھا، چنانچہ وہ ارمان شاہ کے ساتھ باہر آیا، وہ پوری طرح مستعد اور ہوشیار تھا، یہاں ظاہر ہے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا، لیکن ارمان شاہ غالباً اوقات ہی میں آ گیا تھا اس نے یہ دیکھ لیا تھا کہ وہ بری طرح جال میں گرفتار ہو چکا ہے...... شہاب نے خاص طور پر ٹرانسمیٹر استعمال کر کے اسے اور مشکل میں ڈال دیا تھا اور اب اگر وہ کوئی کوشش کرنا بھی چاہتا تو وہ اس کے لئے ممکن نہ ہوتی اور پھر سارے کام شہاب کی مرضی کے مطابق کئے گئے...... بینا کو شہاب نے راستے ہی میں خوش آمدید کہا تھا، بینا نے کوئی سوال نہیں کیا...... ارمان شاہ اور شہاب کو دیکھ کر وہ کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئی تھی اور اس کے بعد ارمان شاہ نے ایک لینڈ روور کا فیول وغیرہ چیک کیا، ٹنکی بھری ہوئی تھی اور اس کے ذریعے طویل سفر کیا جا سکتا تھا، چنانچہ شہاب نے لینڈ روور کو آسیب زدہ حویلی کے بڑے گیٹ کے سامنے روکا، پھر بڑی محنت کے ساتھ اس نو من وزنی لاش کو باہر لایا گیا...... کم بخت پاگل تھا سب کچھ تھا لیکن بڑا وزنی اور بڑی جاندار شخصیت کا مالک تھا...... شہاب کو اس سے مقابلہ کرتے ہوئے دانتوں پسینہ آ گیا تھا اور یہی کیفیت اس کو باہر لانے میں ہوئی تھی...... ارمان شاہ چونکہ ساتھ تھا اور اس نے یہاں موجود لوگوں کو شہاب کی ہدایت

کے مطابق وہاں سے ہٹا دیا تھا تاکہ صحیح صورت حال کا کسی کو بھی علم نہ ہو سکے، البتہ شہاب نے ارمان شاہ سے یہ ضرور کہہ دیا تھا کہ ارمان شاہ اگر چاہے تو کسی کو یہ بتا کر جا سکتا ہے کہ وہ بہت ضروری کام سے جا رہا ہے لیکن ارمان شاہ نے اس سے انکار کر دیا تھا...... پھر لینڈ روور حویلی کے بڑے گیٹ سے ہی باہر نکلی تھی اور باہر توصیف اور سردار علی مل گئے تھے، ڈرائیونگ شہاب کر رہا تھا لیکن اس کے بعد اس نے ڈرائیونگ توصیف کے حوالے کر دی...... اور وہ لوگ شہر کی جانب چل پڑے...... ارمان شاہ ساتھ موجود تھا...... بینا اور بقیہ افراد حیران نگاہوں سے اس دیو قامت کو دیکھ رہے تھے جو بے ہوش پڑا ہوا تھا...... اس کے علاوہ انہوں نے ارمان شاہ کو بھی دیکھا تھا جو بھیگی بلی بنا ہوا تھا، لیکن کوئی صورت حال واضح نہیں تھی...... بہر حال لینڈ روور شہاب کی ہدایت کے مطابق برق رفتاری سے سفر کرنے لگی۔



بینا کے ذہن میں بہت سے خیالات آرہے تھے۔ موجودہ صورت حال سے اندازہ ہورہا تھا کہ شہاب نے آخر کار یہ معرکہ بھی سر کرلیا ہے، لیکن واقعات بے حد عجیب تھے۔

اچانک شہاب کی آواز اُبھری۔

"سردار علی...... تم یوں کرو کہ اس کے ہاتھ پشت پر کس کر باندھ لو، کوئی چیز تلاش کرو جس سے یہ کام کیا جاسکے۔"

"کک کیوں۔" وہ تو...... وہ تو بے ہوش ہے، ارمان شاہ جلدی سے بولا...... شہاب ارمان شاہ کی اس کیفیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا، اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"اس کا دماغی توازن درست نہیں ہے ارمان شاہ...... ہوش میں آنے کے بعد وہ کوئی بھی کارروائی کرسکتا ہے، ہماری گاڑی حادثے کا شکار ہوسکتی ہے، اس لئے براہ کرم اس سلسلے میں جذباتی نہ ہوں۔"

ارمان شاہ خاموش ہوگیا تھا، سردار علی، شہاب کی ہدایت کے مطابق کام میں مصروف ہوگیا تھا۔ توصیف، سردار کسی کو نہیں معلوم تھا کہ اصل مسئلہ کیا ہے، بہر حال انہیں بھی اس بات پر مکمل اعتماد تھا کہ اس گروپ میں شہاب کی شمولیت کے بعد صورت حال تبدیل ہوگئی ہے اور شہاب کی کوئی بھی ہدایت شہنشاہ کی مرضی سے مختلف نہیں ہوتی، اس کا بارہا تجربہ ہوچکا تھا، چنانچہ وہ دونوں مطمئن تھے، ارمان شاہ کے چہرے سے جس کیفیت کا اظہار ہورہا تھا اس پر بھی شہاب کو افسوس تھا لیکن یہ فیصلہ نہیں کرپارہا تھا وہ کہ اس شخص نے اپنے باپ سے جو وعدہ کیا ہے اسے نبھاتے ہوئے یہ خود ایک مجرم بن گیا ہے، کیا اسے رعایت دی جاسکتی ہے؟ بہر حال خاصہ اُلجھا ہوا معاملہ تھا اور اس بارے میں شہاب کو خاصی ذہنی ورزش

کرنی پڑسکتی تھی۔

بینا بھی محسوس کررہی تھی کہ شہاب ذہنی طور پر بری طرح اُلجھا ہوا ہے، وہ خاموش تھی، شہاب کو سوچنے کا موقع دینا چاہتی تھی...... ادھر ارمان شاہ بالکل خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ شہاب سوچ رہا تھا کہ اس شخص نے کس طرح اپنی زندگی صرف ایک وعدہ نبھانے کے لئے تباہ کردی ہے اور سب کچھ موجود ہونے کے باوجود اپنی خوشیاں ایک بیمار شخص کے لئے ختم کردی ہیں، بہر حال یہ انسانی سوچ تھی اور انسانیت کے رشتے سے شہاب کو ارمان شاہ کی اپنی حد کے مطابق مدد بھی کرنی تھی۔

شہر میں داخل ہونے کے بعد شہاب نے سیدھے پولیس ہسپتال کا رخ کیا تھا اور ارمان شاہ ایک لمحے کے لئے اُلجھ گیا تھا اس نے شہاب سے کہا۔

"مسٹر شہاب، اگر مناسب ہو تو اسے کسی اعلیٰ درجے کے پرائیویٹ ہسپتال لے چلیں۔ جو کچھ ہوگا وہ بعد میں ہوجائے گا...... آپ کو اندازہ ہے کہ میں مکمل طور سے آپ سے تعاون کررہا ہوں اور اب کہیں بھی آپ سے انحراف نہیں کروں گا، لیکن میں چاہتا ہوں کہ۔"

"آپ کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا ارمان شاہ صاحب، یہ ایک قاتل ہے اور قاتل کے ساتھ کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں کی جاسکتی...... ویسے آپ فکر نہ کریں، پولیس ہسپتال میں بھی اس کی وہی دیکھ بھال ہوگی جو کسی اعلیٰ درجے کے ہسپتال میں ہوسکتی ہے...... آپ یہاں بھی اپنی دولت کا مظاہرہ کرکے انسانوں میں تفریق نہ کریں، آخر آپ جیسے لوگ کب تک غریب لوگوں کو انسان نہیں سمجھیں گے...... ایک دن آپ کو یہ احساس کرنا ہی پڑے گا کہ اللہ کا بنایا ہوا قانون بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور تمام انسان یکساں ہیں، بس اس بدبخت مخلوق کا انداز فکر بدل جاتا ہے، ورنہ ذمہ داری تو ہر شخص پر یکساں عائد ہوتی ہے۔"

ارمان شاہ کی گردن جھک گئی تھی، پولیس ہسپتال میں شہاب نے اپنی حیثیت سے کام لے کر وہی کیا تھا جس کا اس نے وعدہ کیا تھا، یعنی سب سے پہلے اس نے ریحان کو ڈاکٹروں کی تحویل میں دیا تھا اور تمام ڈاکٹروں نے آفیسر آن سپیشل ڈیوٹی شہاب ثاقب کے احکامات کی تعمیل کی تھی، ارمان شاہ کو اس سلسلے میں شریک رکھا گیا تھا، شہاب نے بینا کو گھر واپس بھیج دیا تھا، توصیف اور سردار علی ساتھ تھے، تاکہ ضرورت کے مطابق کام کیا جاسکے، چنانچہ پہلے ریحان کے پاؤں کو پلاسٹر کیا گیا اور اسے ایک کمرے میں پہنچادیا گیا جہاں اسے تمام تر سہولتیں

مہیا کر دی گئی تھیں، البتہ یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ وہ خطرناک قسم کا دماغی مریض ہے اور اسے اس کی حیثیت میں رکھنا ہے، اس کے علاوہ وہ ایک قاتل بھی ہے اور پولیس کو اس کی نگرانی کرنی ہے، چنانچہ کمرے پر سخت پہرہ لگا دیا گیا اور ڈاکٹروں نے اس قسم کے انتظامات کر لئے کہ ہوش میں آنے کے بعد اگر وہ کسی قسم کی ہنگامہ آرائی کرے تو مکمل طور سے قابو میں رہے، ارمان شاہ سارے معاملات میں شہاب کے ساتھ رہا تھا، پھر ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد شہاب نے ارمان شاہ سے کہا۔

"آپ کو کچھ وقت ہمارے پاس قیام کرنا ہوگا، شاہ صاحب، اس سلسلے میں باقی کارروائی کے لئے مجھے کچھ وقت درکار ہوگا۔"

"کیا مجھے یہاں اس کے پاس نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

ارمان شاہ نے درد بھری آواز میں کہا۔

"نہیں۔" قانون قانون ہے اور میں ایسا کوئی بھی کام نہیں کر سکتا، جس کی قانونی نفی ہوتی ہو، البتہ آپ کو یہ احساس ضرور ہوگا کہ آپ نے ایک قاتل کو پوشیدہ رکھا ہے اور بہت سے افراد کو زندگیوں کی خوشیوں سے محروم کر کے مصیبتوں میں گرفتار کیا ہے، اس لئے آپ اس جرم میں برابر کے شریک ہیں...... اصولی طور پر مجھے آپ کو فوری طور پر پولیس کی تحویل میں دے دینا چاہئے، لیکن اپنے آپ کو ایک پولیس آفیسر سمجھتے ہوئے میں آپ کو عزت کے ساتھ قیام کے لئے وقت دے سکتا ہوں، کیونکہ خود بھی آپ کی رہائش گاہ پر میری عزت افزائی کی گئی ہے۔"

"ارے چھوڑو بھائی، ان فضول باتوں کو رہنے دو جو کرنا چاہتے ہو کرو، بات ہی ختم ہو گئی...... میں نے جس حد تک اپنا فرض نبھایا وہ ہی کافی ہے، اب تو مجبوری ہے، وہی ہوگا جو قانون چاہے گا، میں نے جو کچھ کیا ہے اس میں جہاں جہاں قانون کی خلاف ورزی ہوتی ہے، میں اس کے لئے سزا ہی بھگتوں گا اور کیا کہہ سکتا ہوں۔"

بہرحال شہاب ارمان شاہ کو لے کر کریم سوسائٹی پہنچ گیا، جوہر خان کے ساتھ ساتھ توصیف اور سردار علی کو بھی یہ ہدایت کر دی گئی کہ ارمان شاہ کی نگرانی پر موجود رہیں اور کوشش کریں کہ ارمان شاہ ایسا کوئی عمل نہ کرنے پائے جو کسی بھی طرح پریشانیوں کا باعث بنے، چونکہ بہرحال اس کیس میں اس کی ضرورت ہے...... اس کے بعد شہاب نے کریم

سوسائٹی ہی سے بینا کو فون کیا اور بینا نے فون ریسیو کیا۔

"ہاں بینا...... کیا ہو رہا ہے۔"

"کچھ نہیں، تم بتاؤ کوئی ہدایت میرے لئے۔"

"نہیں، آرام کرو اور ساری تھکن دور کر لو...... میں تو اس سلسلے میں مصروف ہو گیا ہوں، نادر حیات صاحب سے ملاقات کرنے جا رہا ہوں، اگر کوئی خصوصی ضرورت پیش آئے تو مجھے بتا دینا۔"

"ٹھیک ہے۔" اور اس کے بعد شہاب نادر حیات صاحب کی جانب چل پڑا تھا، نادر حیات صاحب کو ان کے آفس ہی میں موجود پایا گیا اور جب شہاب ان کے سامنے پہنچا تو ہمیشہ کی طرح نادر حیات صاحب نے اس وقت بھی شہاب کو خوش آمدید کہا تھا۔

"اب مجھے اتنا بھی بے خبر نہ سمجھو کہ تمہاری مصروفیات سے میں بالکل ہی لاعلم ہوں، سوچو گے کہ شاید میں تمہاری ٹوہ میں رہتا ہوں اور تمہارے بارے میں معلومات حاصل کراتا رہتا ہوں، ایسی بات نہیں ہے، اب خود بخود ہی کچھ معلومات مجھ تک پہنچ جائیں تو اس میں بھلا میرا کیا قصور۔"

"یقیناً جناب، واقعی، اس میں آپ کا کیا قصور۔"

شہاب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"سناؤ کیا صورت حال ہے اور جو کچھ کر رہے ہو اس میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے۔"

"جب آپ کے علم میں تمام تفصیلات ہیں، نادر حیات صاحب تو یہ آپ کو ضرور معلوم ہوگا کہ میں شاکر پر کام کر رہا ہوں۔"

"ہاں یقین کرو بلاوجہ اپنی ہمہ دانی کا مظاہرہ نہیں کر رہا بلکہ واقعی مجھے یہ بات معلوم ہے کہ تم شاکر کے کیس میں مکمل طور پر دلچسپی لے رہے ہو اور انہی پر کام کرنے کے لئے غالباً رحمان گڑھی گئے تھے۔"

"آپ کو میں نے مختصر تفصیلات بتائی تھیں۔"

"بالکل۔"

"لیکن کچھ تفصیلات ایسی ہیں جو ابھی آپ تک نہیں پہنچی ہیں۔"

"بھئی شاکر کے سلسلے میں تم نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا میں نے اس کی مکمل پابندی کی ہے، شاکر کے بارے میں کوئی نیوز اخبار میں نہیں آسکی اور مجھے علم ہے کہ وہ تمہاری تحویل میں ہے۔"

"جی......جی بالکل، اس کا مطلب ہے کہ آپ اس طرف متوجہ ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں...... بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں شہاب جو بنیادی طور پر اہم نوعیت کے حامل ہوتے ہیں اور ان کا پورا پورا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

"یہ بات ثابت کر کے آگیا ہوں جناب کہ شاکر مجرم نہیں ہے۔" شہاب نے کہا اور نادر حیات صاحب پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگے، پھر بولے۔

"مجھے اندازہ تھا، تم جب کسی کام کے پیچھے اس طرح لگ جاتے ہو، تو اس کا کوئی نہ کوئی پس منظر ضرور ہوتا ہے۔"

"وہی تمام باتیں، کہیں کسی شکل میں اور کہیں کسی شکل میں ظہور میں آتی رہتی ہیں۔"

"مطلب؟" نادر حیات صاحب نے پوچھا اور اس کے بعد شروع سے شہاب، نادر حیات کو اس سلسلے میں تفصیلات بتانے لگا۔ نادر حیات صاحب حیرت اور دلچسپی سے یہ تمام باتیں سن رہے تھے۔

"کبھی کبھی انسان فرشتہ بننے کی کوشش کرتا ہے لیکن خود اسے اپنے آپ پر ہنسی آتی ہو گی، انسان اور فرشتوں میں اللہ تعالیٰ نے نمایاں فرق رکھا ہے اور بہر حال فرشتے آسمان پر رہتے ہیں اور انسان شاید ہی ان کی پیروی کر سکتا ہو، اللہ تعالیٰ نے جو تفریق کی ہے اسے بھلا تبدیل کیسے کیا جاسکتا ہے۔"

"بے شک اس میں بھلا شک کی کیا گنجائش ہے۔"

نادر حیات صاحب نے پر خلوص انداز میں کہا۔

"اور یہی کوشش اس شخص نے کی تھی، جس کا نام ارمان شاہ ہے، اس کوشش میں وہ حدود سے بہت آگے بڑھ گیا تھا اور بہر حال یہ جائز نہ تھا۔"

شہاب ایک ایک لفظ نادر حیات صاحب کو بتاتا رہا اور پھر بولا۔

"اب صورت حال یہ ہے کہ وہ پولیس ہسپتال میں ہے، زخمی حالت میں ہے، ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ ذہنی مریض ہے اور اسی ذہنی جنون کے عالم میں اس نے ان

دونوں عورتوں کو قتل کیا لیکن الزام بے چارے شاکر پر لگایا گیا۔"

نادر حیات صاحب اس پوری تفصیل کو سننے کے بعد گہری سوچ میں ڈوب گئے تھے، پھر انہوں نے گردن ہلا کر کہا۔

"نہیں، ارمان شاہ اپنے آپ کو فرشتہ بنانے کی کوشش میں شیطانی عمل کرتا رہا ہے، اپنے طور پر اگر وہ اپنے آپ کو بے گناہ اور معصوم سمجھتا ہے تو کم از کم قانون کی نگاہ میں ایسا نہیں ہے، اس کے باپ نے اسے اپنی ناجائز اولاد چھپانے کی ہدایت دی تھی، لیکن گناہ گار تو گناہ گار ہی ہوتا ہے اور پھر باقی سب کچھ جہنم میں جائے، اس دیوانے شخص نے دو معصوم اور بے گناہ عورتوں کو بے حرمتی کر کے ہلاک کر دیا، اگر وہ پاگل ہے تو ارمان شاہ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ اسے اپنی حویلی میں رکھنے کے بجائے پاگل خانے میں رکھتا، تاکہ وہ کسی کو نقصان نہ پہنچا سکتا، اس نے اپنے باپ کی ہدایت پر جرم کیا، وہ مکمل طور پر مجرم ہے، اسے فوری طور پر قانون کی تحویل میں دو، اس کے ساتھ کوئی رحم، کوئی انصاف نہیں ہو سکتا، باقی رہا جہاں تک معاملہ شاکر کا تو ہم اسے اس کی بیوی اور بھاوج واپس نہیں کر سکتے، لیکن اسے ہر طرح کی مراعات دینا ہوں گی اور باعزت طریقے سے اسے عدالت سے رہا کرایا جائے گا، فرزندہ کا معاملہ جہاں تک ہے تو بہر حال وہ بے گناہ انسان ہے، ارمان شاہ کو اسے ہرجانہ دینا ہو گا، عدالت بے شک جو بھی فیصلے کرے لیکن کم از کم ہماری سفارشات یہی ہوں گی۔"

"تو پھر...... ارمان شاہ کو بھی پولیس کی تحویل میں دے دیا جائے۔"

"سو فیصدی۔"

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو شاکر سے ملاقات کر لی جائے۔"

"یہی الفاظ میں تم سے کہنا چاہتا تھا۔" نادر حیات صاحب نے کہا، پھر بولے۔

"کیا خیال ہے، تمہاری تحویل میں ہے وہ، کہاں ملو گے اس سے۔"

"آپ جیسا حکم دیں...... اسے یہاں بھی بلایا جا سکتا ہے۔"

"میرے خیال میں اسے پولیس ہیڈ کوارٹر ہی بلوا لو، کیونکہ ہم اسے جو مشورہ دیں گے، وہ ذرا مختلف ہو گا۔"

"لیکن...... اچھا خیر ٹھیک ہے، کوئی حرج نہیں ہے اس کا معاملہ تو بالکل اب مختلف ہو گا۔"

"ہاں اور ارمان شاہ کہاں ہے؟"

"وہ بھی میری تحویل میں ہے۔"

"میرا خیال ہے اسے باقاعدہ پولیس کی تحویل میں لے لو۔"

"بہتر۔" پھر اس کے بعد نادر حیات صاحب کی ہدایت کے مطابق شہاب کارروائیاں کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد ارمان شاہ کو اور دوسری جانب سے شاکر خان کو پولیس ہیڈ کوارٹر میں بلوالیا گیا، ان دونوں کو نادر حیات صاحب کے سامنے پیش کیا گیا تھا، شاکر خان نے ارمان شاہ کو دیکھ کر نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"شاہ جی آپ کا نمک خوار آپ کو سلام بھی نہیں کرے گا، سلامتی کی دعا اس کے لئے کی جاتی ہے جو دوست ہو، دشمن کی سلامتی کی دعائیں نہیں مانگی جاتیں، شاہ جی آپ میری نگاہ میں فرشتوں کی جگہ تھے، لیکن آپ نے شیطانوں سے بھی بدتر کردار ادا کیا، شاہ جی تقدیر کی بات ہے، دل میں تو یہ تھا کہ آپ کے بدن کی بوٹی بوٹی کاٹوں گا مگر کچھ بھی نہ کر سکا، لیکن ایک بات یاد رکھنا، دنیا کی عدالت تو چند روزہ ہے...... بڑی عدالت میں جھوٹ بول کر دکھانا شاہ جی اس وقت تمہاری یہ فقیری اور درویشی چل جائے تب میں مانوں۔" ارمان شاہ کی گردن جھک گئی تھی...... شاکر نے ایک بار پھر نادر حیات اور شہاب کی جانب دیکھا اور بولا۔

"سرکاری آدمی ہو، ٹھیک ہے تمہاری تو روزی ہوتی ہے، روزی کمانے کے لئے تم بھی یہ وردی اپنے بدن پر سجاتے ہو، لیکن کوئی ایسا آلہ ایجاد کرو جس سے تم سچ اور جھوٹ کی پرکھ کر سکو، مجھے سزا دے دی تم نے، کیا سے کیا بنا دیا، ارے میں تو بہت شریف آدمی ہوں...... میں بھلا کسی کو کیا نقصان پہنچا سکتا ہوں، مجھ سے تو اس وکیل کو بھی نہیں مارا جا سکا، جس نے مجھ بے گناہ کو سزا دلادی تھی، جج صاحب جو کرسی پر بیٹھے تھے انصاف کی کرسی پر بیٹھے تھے، انہوں نے انصاف یہ کیا کہ مجھے جیل میں پہنچا دیا...... پتا نہیں پھانسی کیوں نہیں دی اور ارمان شاہ جی، فرشتے اس دنیا کے فرشتے تم نے میرے خلاف گواہی دی، لیکن ایک بات میں جانتا ہوں...... زمین کی عدالت میں جو کچھ ہو گیا وہ اپنی جگہ ہے، مجھے یقین ہے، میرا ایمان ہے کہ آسمان کی عدالت میں میرے ساتھ ناانصافی نہیں ہو گی، کر لو جو تمہارا دل چاہے کر لو، ہاں افسر صاحب اب کیا حکم ہے میرے لئے...... میں کسی سے انتقام نہیں لے سکتا، گردن

کٹوانی ہے میری، ایک کام کر دو، زندہ رکھ کر کیوں مار رہے ہو، پھانسی کی سزا کیوں نہیں دے دیتے مجھے...... میری ہاتھ جوڑ کر تم سے درخواست ہے کہ مجھے پھانسی کی سزا دے دو، دنیا بہت بری لگ رہی ہے مجھے، دنیا بہت بری لگنے لگی ہے، میں جانتا ہوں، میں کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن ایک کام تو کم از کم کر دو، وہ یہ کہ مجھے حرام موت مرنے سے بچاؤ، کئی بار دل چاہا ہے کہ اپنے آپ کو خود موت کی سزا دے دوں، لیکن خودکشی بھی تو حرام ہے، ارے میں نے کوئی گناہ نہیں کیا تو یہ گناہ مجھ سے کیوں کرا رہے ہو، تم لوگ...... مجھے پھانسی کی سزا چاہئے، پھانسی دے دو مجھے، کس کا واسطہ دوں تمہیں، خدا کا واسطہ تو دے نہیں سکتا، اس لئے کہ خدا کو مانتے تم لوگ تو میرے ساتھ انصاف کرتے۔" کیا کہو، بولو کیا کہوں۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

شہاب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے، نادر حیات صاحب بھی سکتے کے عالم میں اسے دیکھ رہے تھے اور ارمان شاہ پتھرا کر رہ گیا تھا، شاکر زار و قطار رونے لگا تھا۔

کسی کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔ شاکر نے روتے ہوئے کہا۔ "میں نے نہیں مارا افریدی کو...... میں نے نہیں مارا افرزانہ کو...... میری بھابی تو فرشتہ تھی، ماں کی جگہ تھی وہ میرے لئے اور...... خدا تمہیں غارت کرے، خدا تمہیں فنا کر دے...... تم نے ان کے کردار پر داغ لگایا ہے۔ اگر...... کوئی ان پر میلی نگاہ ڈالتا تو وہ خود جان دے دیتیں...... کیا کیا نہیں کیا تم نے شاہ جی ہمارے ساتھ...... کیا بگاڑا تھا ہم نے تمہارا۔"

"ایک بات بتاؤ شاکر۔" نادر حیات صاحب نے خود کو سنبھال کر کہا...... شاکر اپنے آنسو پونچھنے لگا تھا...... نادر صاحب بولے۔ "تمہیں فرزند پر شک ہے۔ وہ یہ سب کر سکتا تھا۔"

"خدا کو جان دینی ہے صاحب...... دنیا میں اچھے برے سبھی ہوتے ہیں، مگر وہ ایسا نہیں تھا...... ماں، بہن والا تھا وہ بھی...... ہمیں آج بھی یقین نہیں آتا کہ وہ ایسا کر سکتا ہے۔"

"اس نے ایسا نہیں کیا شاکر...... تم ٹھیک کہتے ہو۔"

ارمان شاہ نے کہا۔

"ارے چھوڑو شاہ جی...... عدالت میں کیا کہا تھا تم نے۔"

"جھوٹ بولا تھا شاکر خان۔"

"کون تھا ہمارے گھر کو اجاڑنے والا...... بولو کون تھا وہ؟" شاکر نے کہا اور ارمان شاہ کی گردن جھک گئی۔

"کون تھا وہ؟" شاکر غرا کر بولا۔

"وہ جو کوئی بھی تھا شاکر...... پتا چل جائے گا لیکن تم یہ بتاؤ وہ بچی کہاں ہے...... کیا تم نے اسے مار دیا۔"

"بھائی کی نشانی تھی وہ ہمارے ہمیں کیا معلوم ہم گرفتار ہوئے تو اسے پولیس نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا...... سب سے پوچھا مگر کسی نے ہمیں آج تک اس کے بارے میں نہیں بتایا۔"

"وہ فرزندہ کے پاس ہے جناب۔" ارمان شاہ نے آہستہ سے کہا اور شہاب اور نادر حیات چونک کر ارمان شاہ کو دیکھنے لگے...... ارمان شاہ نے پھر مدھم لہجے میں کہا۔

"ہاں اور میں جانتا ہوں فرزندہ کہاں رہتا ہے...... میری ہدایت پر جب شاکر خان گرفتار ہوا اور بچی پولیس نے اپنی تحویل میں لے لی تو میری ہدایت کہیں یا درخواست کہیں یا پھر کچھ لوگوں کا تعاون کہ بچی کو میرے حوالے کر دیا گیا۔ فرزندہ کو کیونکہ روپوش ہونا تھا اس لئے میں نے اسی سے کہا کہ وہ بچی کو اپنی تحویل میں لے لے اس کے اخراجات میں ادا کروں گا اور بچی اور فرزندہ بالکل خیریت سے ہیں اور بچی آرام سے پل رہی ہے۔"

"کیا بکواس ہے یہ، کیا بکواس کر رہے ہو تم ارمان شاہ، مجھے بتاؤ، خدا کے لئے مجھے بتاؤ یہ کون سا نیا ڈرامہ ہو رہا ہے...... ارے میں تم میں سے کسی کا کیا بگاڑ سکوں گا، یہ بات تو تم بھی اچھی طرح جانتے ہو، اللہ کے نام پر، انسانیت کے نام پر اگر مجھے صورت حال کے بارے میں کچھ بتا دو تو میں تو تمہارا احسان ہی مانوں گا...... میں تم میں سے کسی کا کیا بگاڑ سکتا ہوں...... یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو...... بتاؤ تمہیں خدا کا واسطہ، کچھ تو بتا دو مجھے۔"

"اگر تم بہت سی باتیں جاننے کے خواہشمند ہو شاکر خان تو میں تمہیں مختصر تفصیل بتاتا ہوں، یوں سمجھ لو کہ تمہاری بیوی اور بھابھی کا اصل قاتل گرفتار ہو گیا ہے اور وہ قاتل فرزندہ نہیں تھا کوئی اور تھا...... اب وہ پولیس کی تحویل میں ہے تم اس الزام سے بری ہو چکے ہو۔"

"کون ہے ان دونوں کا قاتل، مجھے بتا دو، بتا دو مجھے۔"

"شاکر خان کوئی دیوانگی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ابھی تم پولیس کی تحویل میں ہو...... تمہیں عدالت میں پیش کیا جائے گا۔"

"مجھے قاتل کا نام تو بتا دو، میری دنیا تو اُجڑ ہی چکی ہے، کیا رکھا ہے میری اس دنیا میں۔"

"ان دونوں کی موت کے بعد جب تم پر قتل کا الزام لگایا گیا تھا، شاکر خان تو تم اس بچی کو لے کر فرار ہو گئے تھے، وہ بچی اب بھی تمہاری ذمہ داری ہے...... یہ نیا انکشاف بڑا خوشگوار ہے کہ وہ فرزندہ کے پاس پل رہی ہے...... فرزندہ نے وہ سب کچھ نہیں کیا تھا تمہاری بات بالکل درست ہے...... وہ اچھا انسان تھا تمہاری بیوی اور بھاوج کو وہ یقینی طور پر اپنی بہن اور بھابھی ہی سمجھتا ہوں کیونکہ تم جیسے نیک لوگ سچ مچ عزت دار ہوتے ہیں اور عزت دار ہمیشہ دوسرے کی عزت کا خیال رکھتا ہے...... میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں، قاتل پر مقدمہ چلے گا، اسے سزا ملے گی لیکن تم اپنی ذمہ داری محسوس کرو...... میری ہدایت ہے کہ کسی دیوانگی کا شکار نہ ہونا اور صبر و تحمل سے کام لینا۔"

"لیکن قاتل کون ہے؟" شاہ جی تو ایسے نہیں ہو سکتے ساری باتیں اپنی جگہ...... کیا شاہ جی کے اندر کوئی شیطان چھپا بیٹھا ہے۔

"نہیں...... شاہ جی مجرم ہیں لیکن اصل مجرم وہ نہیں، تمہیں عدالت ہی میں پتا چل جائے گا اور اس کے لئے تمہیں تھوڑا سا انتظار کرنا ہوگا...... دیکھو، شاکر خان جو تم سے جدا ہو گیا ہم اس کے لئے تمہارے غم میں برابر کے شریک ہیں لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارے دل کو ایک اور زخم لگے، تم کوئی جذباتی قدم اٹھا کر کوئی گناہ کر بیٹھو اور اس گناہ کی سزا تمہیں ملے...... وہ معصوم بچی ایک بار پھر تنہا رہ جائے گی۔" شاکر خان پھر رونے لگا تھا......

بہر حال شاکر خان کو اس وقت نہیں بتایا گیا۔ ہاں، اسے پولیس نے اپنی تحویل ہی میں رکھا تھا...... نادر حیات صاحب نے شہاب سے کہا۔

"ہاں...... شہاب بھئی اب بتاؤ اس سلسلے میں کیا کرنا ہے...... میں تو واقعی بہت اُلجھ گیا ہوں، ایک عجیب سی ذہنی کیفیت ہو گئی ہے میری۔"

"شاکر خان کو عدنان واسطی صاحب کے ذریعے عدالت میں پیش کیا جائے گا، پورا کیس عدنان واسطی بنائیں گے اور اس کا مدعی تلاش کرنا پڑے گا۔"

"فرزندہ، میرے ذہن میں فرزندہ کا نام آتا ہے۔" نادر حیات صاحب نے کہا۔

"بالکل مناسب۔"

ارمان شاہ کا سب سے رابطہ ختم تھا اس کے بارے میں کسی کو کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی۔ ارمان شاہ کو بھی انتہائی خفیہ سیل میں رکھا گیا تھا، اس سے فرزندہ کا پتا معلوم کیا گیا اور

اس کے بعد فرزندہ کو بھی بر آمد کر لیا گیا، بچی اس کے پاس موجود تھی، پھر فرزندہ کی طرف سے درخواست بنائی گئی جس میں تمام تفصیلات لکھی گئیں اور اس سلسلے میں پولیس کی تحقیقاتی رپورٹ اور پھر یہ تمام چیزیں عدالت عالیہ میں پیش کر دی گئیں...... پہلی ہی پیشی پر عدالت نے شاکر خان کو بری کر دیا اور ارمان شاہ کو اپنے پاگل بھائی کے ساتھ اس جرم میں برابر کا شریک قرار دیا اور ان دونوں کو پولیس کی تحویل میں لے کر نئے سرے سے مقدمے کا آغاز کرایا گیا...... بہر حال اس کے بعد نادر حیات صاحب نے شہاب سے پوچھا۔

"ہاں بھئی، اب یہ بتاؤ اس سے آگے ہمیں کیا کرنا ہے؟"

"اصل مجرم قانون کی تحویل میں پہنچ گئے ہیں، جہاں تک ارمان شاہ کا تعلق ہے تو آپ یقین کیجئے میں اس کے سلسلے میں سخت الجھا ہوا ہوں اور اس اُلجھن کا ایک ہی حل ہے میرے پاس، بذات خود میں اس کیس میں کوئی دلچسپی نہیں لوں گا بلکہ عدنان واسطی صاحب کی طرف سے بھی یہ کیس کسی اور وکیل کے سپرد کر دیا جائے گا۔ چونکہ وہ مجھ سے ہی مدد مانگیں گے۔ بہر حال قانون ان دونوں مجرموں کے بارے میں جو بھی فیصلہ کرے اب یہ قانون کا کام ہے۔" نادر حیات صاحب گردن ہلا کر خاموش ہو گئے تھے، اس کے بعد آخری کام سرانجام دینا باقی رہ جاتا تھا...... فرزندہ اور شاکر خان مل بیٹھے تھے اور ابھی شہاب ہی کی تحویل میں تھے۔ شہاب نے فرزندہ سے کہا۔

"فرزندہ تمہاری بہن اور بیوی سے میری ملاقات ہو چکی ہے، تمہاری ماں کی دماغی حالت تک خراب ہو گئی ہے۔ میں ان سے وعدہ کر کے آیا تھا کہ میں تمہیں لے کر ان کے پاس پہنچوں گا...... قدرت نے مجھے میرے وعدے کی تکمیل کا موقعہ دیا ہے تو میں تمہیں اپنے ساتھ رحمان گڑھی لے جانا چاہتا ہوں۔"

"صاب جہاں اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر شیطان کو طاقت بخشی ہے وہیں اس کی طاقت کو فنا کرنے کے لئے انسان کو بھی تخلیق کیا ہے...... صاحب اللہ آپ کو اس کا صلہ دے گا۔"

"ٹھیک ہے فرزندہ اگر تم چاہو تو میرے بھائی کی یہ امانت میرے سپرد کر دو۔"

"ایک بات کہوں بھائی شاکر خان اللہ نے تمہیں عزت سے نوازا ہے۔ آؤ، رحمان گڑھی چلتے ہیں اگر تم اپنے بھائی کی اس امانت کو مجھ سے لینا چاہتے ہو تو یہ تو ہے ہی تمہاری ملکیت، لیکن یقین کرو مجھے بھی اس سے اتنی ہی محبت ہو گئی ہے جتنی تمہیں اس سے ہو گی۔

ان تھوڑے سے دنوں میں میں نے بھی اپنے سینے پر اسے سر رکھ کر سلایا ہے، اگر تم ایک غریب بھائی کی پیشکش قبول کر لو تو میں تم سے ایک ہی بات کہوں گا آنے والے وقت میں ایک ماں کے دو بیٹوں کی طرح زندگی گزاریں گے دونوں مل کر اس بچی کی پرورش کریں گے۔"

"شاکر خان بہترین فیصلہ ہے یہ فرزندہ کا اور باقی تمہاری مدد ہم لوگ کریں گے اپنی ماں اور بہن کو لے کر رحمان گڑھی چھوڑ دو اور شہر آ جاؤ، تمہیں اچھی ملازمتیں دلا دی جائیں گی، سب لوگ مل کر رہنا۔" شہاب نے کہا۔

"صاحب آپ کا تو بس حکم دے دینا ہی کافی ہے۔" پھر اس نیک کام میں شہاب اور رینا دونوں نے ہی حصہ لیا تھا وہ شاکر خان اور فرزندہ کو لے کر رحمان گڑھی میں داخل ہوئے تھے اور رحمان گڑھی میں داخل ہوتے ہی شاکر خان جذباتی ہو گیا تھا، اس نے رحمان گڑھی کے چوک کی جانب رخ کیا اور چیخ چیخ کر بولا۔

"لوگو میں شاکر خان ہوں شاکو، ارمان شاہ کا وفادار، ارمان شاہ اور اس کے پاگل بھائی نے میرے ساتھ، میری بیوی اور بھاوج کے ساتھ جو سلوک کیا تم لوگ بھی اسے سن لو، قانون نے مجھے عزت کی رہائی دی ہے...... ارمان شاہ نے اپنے بھائی کی زندگی بچانے کے لئے جس بدبخت نے میری بیوی اور بھاوج کو بے آبرو کیا تھا اور قتل کر دیا تھا مجھ پر اس قتل کا الزام لگایا۔ فرزندہ کو ان کی آبرو کا قاتل قرار دیا اور اسے زبردستی رحمان گڑھی چھوڑنے کا حکم دیا، ہم دو آدمیوں کے خلاف جو برائی کی اس نے آخر کار اللہ کے حکم سے اس کی برائی منظر عام پر آ گئی، جیل میں ہے سسرا، بڑا ولی بنا پھرتا تھا اپنے بھائی کی جان بچانے کے لئے دوسروں کو دو کوڑی کا سمجھ کر رکھ لیا تھا...... اس نے، میں آزاد ہوں...... فرزندہ بھی آزاد ہو کر واپس آ گیا ہے کیونکہ اصل مجرم عدالت میں پہنچ گئے۔ اب انہیں بدترین سزائیں ہوں گی۔ رحمان گڑھی والو، ایک درخواست کرتا ہوں تم سے، میں تو یہاں پر نہیں رہوں گا لیکن جشن منانا اس دن جب ان دونوں کو سزائے موت ہو۔" بستی والے خاموش رہ گئے تھے، پھر شاکر خان اور فرزندہ شہاب اور رینا کے ہمراہ فرزندہ کے گھر پہنچے اندر داخل ہوئے تو فرزندہ کی بہن فرزندہ کو دیکھ کر ساکت رہ گئی تھی۔

"میں نے تم سے کہا تھا بہن کہ میں فرزندہ کو لے کر واپس آؤں گا۔" شہاب جذباتی لہجے میں بولا تو اندر سے آواز آئی۔

"ارے جہانگیر بادشاہ تیری زنجیر کہاں گئی رے، ارے میں کیسے انصاف کو پکاروں گی۔"

"آؤ فرزندہ دروازہ کھولو۔" شہاب نے کہا اور فرزندہ نے اس کمرے کا دروازہ کھول دیا جس میں اس کی ماں قید تھی، پھر اس کے بعد کے مناظر بینا کو بھی رلانے کا باعث بن گئے۔ شہاب نے آہستہ سے بینا سے کہا۔

"اب آؤ واپس چلیں...... بینا، ہمارا یہ کام پورا ہو گیا۔" واپسی میں بینا بہت متاثر تھی، پھر اس نے کہا۔

"شہاب کیا ہم واقعی اپنا فرض پورا کر رہے ہیں۔"

شہاب نے آنکھیں اُٹھا کر بینا کو دیکھا اور بولا۔

"نہیں بینا! انسان پر تو بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اگر ہم ان میں سے ایک بھی ذمہ داری پوری کر سکیں تو یہ بات تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کے حضور ہماری ان کاوشوں کی کیا پذیرائی ہو گی، لیکن دلوں میں سکون کا جو سمندر رقصاں ہو جاتا ہے ہمیں اس کا صلہ کہیں سے نہیں مل سکے گا۔"

"ہماری زندگی کے شب و روز کیا دوسروں کی زندگی سے مختلف نہیں ہیں شہاب۔"

"تھوڑے سے ہیں کیونکہ ان میں جگہ جگہ جدت ملتی ہے۔ عام لوگوں کا ایک روٹین ہوتا ہے اور وہ اس کے تحت کرتے ہیں، لیکن ہمارے سامنے زندگی کے نئے نئے رخ آتے رہتے ہیں۔" بہرحال اس کے بعد فرصت کے شب و روز شروع ہو گئے، پھر نادر حیات صاحب نے وہ سالانہ سیمینار منعقد کیا جس میں تمام افسران اور پولیس کے جوانوں کو مدعو کیا جاتا تھا، بڑا کھانا ہوتا تھا اور نظریاتی مقالات پیش کئے جاتے تھے...... اس میں شہاب کے ساتھ بینا کو بھی شریک ہونا پڑا کیونکہ پچھلے کچھ دنوں سے بینا خود شہاب سے یہ بات بار بار کہہ رہی تھی کہ یا تو محکمہ پولیس سے اس کی ملازمت ختم کرا دے یا اگر وہ باقاعدہ تنخواہ وصول کر رہی ہے تو پھر اسے باعمل ہونے کی اجازت دے، شہاب نے پرخلوص انداز میں کہا تھا۔

"بینا ایک لمحے کے لئے نہیں چاہتا کہ تم معطل زندگی گزار دو، وہ تو بس یوں سمجھو کہ تمہیں تھوڑا سا موقعہ دیا گیا تھا کہ یہ ابتدائی خوشیاں منا لو، میرا خیال ہے کہ ہم چاند میں کافی شہد لگا چکے ہیں...... اب باعمل ہو جاؤ۔"

"تو پھر اس سیمینار میں مجھے بھی شرکت کرنا ہو گی۔" سیمینار میں مختلف لوگوں نے

اپنے اپنے افکار و خیالات پیش کئے ایک افسر اعلیٰ نے کہا۔

"کچھ عرصے سے چوریوں اور ڈکیتیوں کی وارداتوں میں غیر معمولی اضافہ ہوتا جا رہا ہے، دن میں یارات کے پچھلے پہر گھروں میں ڈاکے ڈالنے، گن پوائنٹ پر لوگوں کو لوٹنے کے مختلف واقعات بڑھتے جا رہے ہیں اور ہمارے خیال میں یہ صورت حال بڑی تشویش ناک ہے، شہریوں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ پولیس ان واقعات کے بعد مجرموں کی گرفتاری کے لئے دوڑ دھوپ کا آغاز بے شک کر دیتی ہے لیکن اس پیمانے پر کام نہیں ہو رہا جس پر ہونا چاہئے، صحیح معنوں میں ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم اپنے فرض کی ادائیگی میں مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو رہے، ان وارداتوں کو ختم ہونا چاہئے، مجرموں کو گرفتار ہو کر کیفر کردار تک پہنچانا اور شہریوں میں تحفظ کا احساس پیدا کرنا پولیس کی بنیادی ذمہ داری ہے، باقی چوری اور ڈکیتیوں کی وارداتوں میں اضافے اور مجرموں کے گرفتار نہ ہو سکنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پولیس بھی اس معاملے میں مکمل موثر طریقے سے اپنا فرض سرانجام نہیں دے پا رہی اور اس ناقص کارکردگی پر محکمہ پولیس کا محاسبہ ضروری ہے۔ پولیس قوم کا ایسا معزز عنصر ہے جس پر اہل ملک کو ناز ہونا چاہئے، کیونکہ وہ ان کے محافظ ہوتے ہیں...... پولیس والوں کو اپنے کردار و عمل سے قوم کو ان کے بارے میں اچھی رائے اور اچھے تاثر قائم کرنے کا موقعہ فراہم کرنا چاہئے...... بہرحال اس سلسلے میں کہاں تساہل برتا جا رہا ہے اور کہاں کیا ہو رہا ہے، یہ فیصلہ کرنا مشکل کام ہے لیکن آپ لوگوں سے میری گزارش ہے کہ خوف خدا، کام کی سچی لگن اور ایمان کے جذبے کے ساتھ کام کریں تو ناکامی کبھی نہیں ہو گی...... یہ تو پیشہ قلندری ہے جس میں ہر وقت خدا کے بندوں کی خدمت کا موقعہ میسر ہوتا ہے لیکن ایسی شکل میں کہ ایمان کا سودا نہ کیا جائے میں کچھ سفارشات محترم انسپکٹر جنرل صاحب کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

افسر اعلیٰ کو اجازت دی گئی اور اس نے کہا۔

"جناب عالی سپیشل ڈیپارٹمنٹ کے افراد پر ذمہ داری لگائی جائے کہ وہ ہر تھانے پر نگاہ رکھیں، ان کی کوئی تفریق نہ ہو یعنی یہ کہ علاقے مخصوص نہ کئے جائیں بلکہ جس شخص کو صاحب اختیار قرار دیا جائے اسے یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ کسی بھی تھانے کی جانچ پڑتال کر سکے، کسی بھی وقت کر سکے اسے یہ اختیارات دینے کے بعد اس پر پابندی عائد کی جائے کہ

وہ متعلقہ تھانوں میں جا کر تمام کیسز کی فائل نکلوائے اور اگر تھانے دار یا افسر تفتیش کسی کیس میں کامیابی نہ حاصل کر پا رہا ہو تو اپنی اعلیٰ ترین صلاحیتوں سے کام لے کر اس کی مدد کرے...... جناب والا میں سمجھتا ہوں اس طرح بڑی آسانیاں فراہم ہو جائیں گی۔" اس بات کو سب نے سراہا، خود آئی جی نادر حیات صاحب نے افسر اعلیٰ کی تجویز کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ یہ انتہائی موثر اور مکمل طریقہ کار ہو گا جس سے ہمیں بڑے فائدے حاصل ہوں گے، میں فوری طور پر چوبیس گھنٹے کے اندر اندر سپیشل ڈیپارٹمنٹ کو یہ ہدایات جاری کر دوں گا۔" بہت سی کار آمد بات چیت ہوئی اور اس کے بعد سیمینار ختم ہو گیا...... نادر حیات صاحب نے بعد میں دوسرے دن اپنے عملے کے تمام افراد کو طلب کر کے ان ڈیوٹیوں کو ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے ان لوگوں میں تقسیم کر دیا، یہیں پر شہاب نے بھی بینا کی خواہش نادر حیات صاحب کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔

"بینا چاہتی ہیں کہ اب وہ باقاعدہ اس سلسلے میں کام کا آغاز کریں۔"

"بہت اچھی بات ہے اور بینا کو ہر طرح کی سہولتیں فراہم کرنا ہماری ذمہ داری ہو گی۔" چنانچہ بینا بھی خوش ہو گئی۔ ادھر شہنشاہ گروپ کے تمام افراد جن کا باقاعدہ سپیشل ڈیپارٹمنٹ میں تقرر تھا انہیں بھی یہ تمام ذمہ داریاں سونپ دی گئیں اور اپنے مخصوص ہیڈ کوارٹر پہنچنے کے بعد توصیف نے شہنشاہ سے رابطہ قائم کر کے اسے اس فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی آپ جانتے ہیں کہ ہمارا یہ تقرر آپ ہی کے حکم سے ہوا ہے۔ اب اس سلسلے میں ہمیں کیا کرنا ہے اس کی اجازت ہمیں، آپ ہی سے لینا ہو گی۔"

"ڈبل او گینگ کے تمام افراد اگر یہاں موجود ہیں تو میں تم سب سے یہی کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنا دست راست شہاب کو چنا ہے اور اب تک تم لوگوں نے دیکھا ہو گا کہ شہاب کسی بھی سلسلے میں کوئی نامکمل شخصیت ثابت نہیں ہوا ہے بلکہ اس نے صحیح انداز میں ان تمام کاموں کو اسی طرح سرانجام دیا ہے جس طرح میں چاہتا تھا، میری طرف سے تمہیں اجازت بھی ہے اور ہدایت بھی کہ شہاب سے بھرپور تعاون جاری رکھو اور جو فرائض تمہیں سونپے گئے ہیں ان کی تکمیل کرو، بات اصل میں یہ ہے کہ بعض ایسے معاملات میں ہمیں ہاتھ ڈالتے ہوئے بہت سی ایسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کا تعلق براہ راست پولیس سے ہو جاتا

ہے اس وقت پولیس کی راہ میں کوئی مداخلت کر کے ہم اپنے آپ کو ایک مجرمانہ عمل کا ذمہ دار قرار نہیں دینا چاہتے، میں نے یہی ساری باتیں سوچ کر شہاب جیسے آفیسر کا انتخاب کیا ہے اور تم لوگوں کا رابطہ اس سے قائم کرا دیا ہے، چنانچہ ان احکامات پر عمل جاری رکھو۔" بینا خود بھی مصروف ہو گئی تھی۔

